# صلاح الدّین ایوّبی

(ناول)



قاضی عبدالستّار

Scanned by iqbalmt

# صلاح الدین ایوّبی

(ناول)

قاضی عبدالستّار

اردو ڈاٹ کام

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

Scanned by iqbalmt

© جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ

**SALAHUDDIN AYYUBI**

(Novel)

by

*QAZI ABDUL SATTAR*

Year of Edition 2008
ISBN 81-8223-345-3
Price Rs. 140/-

نام کتاب　　صلاح الدین ایوبی (ناول)
مصنف　　قاضی عبدالستار
سنِ اشاعت　　۲۰۰۸ء
قیمت　　۱۴۰ روپے
مطبع　　عفیف آفسیٹ پرنٹرس، دہلی

*Published by*

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

3108, Gali Vakil, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)
Ph: 23216162,23214465 Fax : 0091-11-23211540
E-mail :info@ephbooks.com, ephdelhi@yahoo.com
Website: www.ephbooks.com

Scanned by iqbalmt





ہر زمانے میں ایک آدھ شہر ایسا بھی ہوتا ہے جس کے ابروئے سیاست کی ایک شکن تاریخ عالم میں زلزلے ڈال دیتی ہے۔ خر قبئیل کا دمشق، بنی امیہ کا دمشق اور بادشاہوں کے بادشاہ صلاح الدین کا دمشق ایسا ہی ایک شہر تھا۔ اسی جلیل المرتبت شہر کو روما کے شہریار قیصر جولیان نے ''چشم مشرق'' کہا تھا، یونان نے ''سب سے حسین شہر'' کا خطاب دیا تھا، عربوں نے ''عروسِ کائنات'' کی خلعت پہنائی تھی اور اسی کے سر پر ''باغ عالم'' کا تاج رکھا تھا۔ اسی دمشق کی اندرونی شہر پناہ اس کے سامنے تھی جس میں سیاہ اور زرد رنگ کے مدوّر، مکعب اور مثلث پتھر اس طرح جڑے ہوئے تھے جیسے کالے مخمل پر پکھراج ٹانک دیئے گئے ہوں اور اس کا خچر ''باب الفتح'' سے داخل ہونے والے ہجوم میں بہہ گیا۔ وہ سینے تک لگام کھینچے، سانس روکے آدمیوں کے اس سمندر میں تنکے کی طرح لرز رہا تھا جس کی موج موج میں دنیا کے ہر رنگ، ہر قوم اور ہر مذہب کے ماننے والے موجود تھے۔ ان میں تاجر تھے جو روئے زمین کی نعمتوں کو دمشق کا بازار دکھلانے لائے تھے۔ طالب علم تھے جو مدرسہ ایوبی کے جیّد عالموں کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنے آئے تھے۔ سپاہی تھے جو ''فاتحوں کے فاتح'' سے اپنی تلواروں کے جوہر کی داد لینے آئے تھے۔ سفیر تھے جو ملکوں ملکوں کے بادشاہوں کا نذرانۂ عقیدت لائے تھے اور سیاح تھے جو اپنے عہد کی تاریخ کے سب سے بڑے مرکز کو سلام کرنے آئے تھے۔ اب بنی امیہ کی عظیم الشان مسجد کا روکار سامنے تھا۔ وہ اس کا جاہ و جلال دیکھتا ہوا اس کی پشت کے بازار میں آ گیا اور ایک چیختے چلاتے حمام کے سامنے اپنا خچر روک لیا۔ ایک غلام نے لپک کر اس کے ہاتھ سے لگام جھپٹ لی اور وہ سرخ پتھر کے منقش چبوترے کے قالین پر پھیلے ہوئے مالک حمام کے سامنے کھڑا ہو گیا کہ شاید وہ اسے بیالیس

Scanned by iqbalmt



برس بعد پہچان لے لیکن مالک کے سپاٹ چہرے اور خالی آنکھوں کو دیکھ کر وہ اندر گھس گیا۔ نہا دھو کر جب ذرا جی ٹھکانے ہوا تو اس نے چاہا کہ اس کمبخت فصیل سے ڈھول ڈھپا کرے اور بیالیس برس قبل کے ان واقعات کو زندہ کرے جو ہزاروں من یادوں کے نیچے دبے پڑے تھے لیکن اپنی خفیہ سفارت کی نزاکت کا خیال کر کے باز رہا اور ناف تک پھیلی ہوئی آبنوس کی صلیب پر اپنا داہنا ہاتھ رکھ کر سیڑھیاں اترا اور شہتوت کی چھاؤں میں بیٹھے نارگیلی پیتے ہوئے غلام سے لگام لے کر خچر پر سوار ہو گیا۔

حدِ نگاہ تک سبز مخمل دستجاب کے ہزار ہا تھان کھلے پڑے تھے۔ ان پر جگہ جگہ رنگین پھولوں کے اصفہانی قالین بچھے تھے۔ ان پر چلنے کی لذت کا احساس خچر کے علاوہ اس کو بھی ہو رہا تھا۔ کھجوروں کے فلک بوس درختوں کے جھنڈ سے نکلتے ہی قصرِ سلطانی کا روکار نظر آیا جس کے سب سے بلند محراب کے قبے کے کلس پر دہ زرد پرچم لہرا رہا تھا جس کے سائے نے مشرق و مغرب کے بڑے بڑے مغرور شہنشاہوں کو سرنگوں دیکھا تھا۔ وہ ایک جھٹکے کے ساتھ سواری سے پھاند پڑا۔ ایک ہزار ترکمانوں کا ذاتی محافظ رسالہ سنہرے ساز و یراق سے آراستہ، سفید عربی گھوڑوں پر سوار سفید حریر کے کفتان اور زرد طربوش پہنے، طلائی کمربندوں میں مرصع قبضوں کی ہلالی تلواریں اور خنجر لگائے کاندھوں پر زرد بیرقیں اٹھائے کھڑا تھا۔ دور داہنے بازو کے سامنے سجے ہوئے کوتل گھوڑوں کا ہجوم تھا۔ دفعتاً ایک سوار گھوڑا اڑا کر اس کے سامنے آ گیا۔ اس نے سینے پر صلیب بنائی اور گریبان سے ملک العادل کا پروانۂ راہ داری نکال کر سوار کے حوالے کر دیا۔ وہ اسے وہیں روک کر واپس ہو گیا۔ قراقوش (افسر رسالہ) کی جنبشِ سر کے بعد اسے بڑھنے کی اجازت نصیب ہوئی۔ محراب کے سامنے سنگِ سیاہ کی چوکی پر بیٹھ کر وہ اس بلند آہنی دروازے کو دیکھنے لگا جس پر سونے کے پانی کی بیلیں بنی تھیں اور چاندی کے پھول چڑھے تھے۔ پھر لانبے چوڑے سیاہ فام سوڈانی غلاموں کا دستہ اسے اپنے گھیرے میں لے کر چلا جو سرخ جانگیہ اور نیلے پھل والی تلواریں پہنے تھے۔ چوڑی روش پر سرخ پتھر جڑے تھے جس کے دونوں طرف دمشق کے مشہورِ عالم گلابوں کی جھاڑیاں کھڑی تھیں۔ ہر طرف سبزہ بچھا تھا، کہیں کہیں کھجوروں کے درخت، ترنج کے جھنڈ، خوبانی کے گروہ اور نارنج کے غول مؤدب کھڑے ہوئے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ ایک طرف



کوشکوں میں شکاری چیتوں کی قطار زرد چشم پوش پہنے ریشمی رسیوں میں بندھی کھڑی تھی۔ دوسری طرف مرمریں دالانوں میں خاصے کے سپاہی زرد کرتیاں اور سیاہ جامے پہنے کاندھوں پر خاردار گرز دھرے کمر میں چوڑے چوڑے تیغے باندھے کھڑے تھے۔ ان کے سامنے سبزے پر سنہرے عقابوں، بازوں اور شکروں کے جوڑے ٹہل رہے تھے۔ پھر ایک طرف سے سپاہیوں کی قطار طلوع ہوئی۔ اس نے غلاموں کو واپس کر دیا اور اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ ان کے زرد جبوں کی آستینوں، گریبانوں اور دامنوں پر چاندی کے تاروں کا کام تھا۔ چینی اطلس کے زرد عماموں پر شتر مرغ کے پر لگے تھے۔ کمر میں بالشت بالشت بھر چوڑی سونے کی پیٹیاں تھیں اور موٹے موٹے سیاہ ہاتھوں میں چاندی کا وہ "عصا" پکڑے ہوئے تھے جن کے سروں پر سونے کے ہلال جڑے تھے۔ سامنے نیزے کے برابر اونچا اسّی گز لمبا اور پچاس گز چوڑا سنگِ سیاہ کا چمکیلا چبوترہ تھا جس کے چاروں طرف خوشبودار پانی کی نہر کی گوٹ لگی تھی۔ چبوترے پر سنگِ مرمر کا وسیع حوض تھا جس کے حاشیے پر چینی کنیزوں کی سبک ٹانگوں کی طرح زرد پتھر کے ترشے ہوئے ستون نصب تھے۔ ان پر سونے کی مہین قلمکاری جگمگا رہی تھی جیسے ٹانگوں پر روئیں چمک رہے ہوں۔ ان ستونوں پر قبہ رکھا ہوا تھا گویا ہوا میں معلّق ہو۔ قبے کے چاروں طرف سنگِ مرمر کی جالیوں سے مزین شہ نشینیں تھیں جو سنگِ سیاہ کے چبوترے کے آئینے میں اپنی آرائش دیکھ رہی تھیں۔ حوض میں قیمتی پتھروں کی سی رنگ برنگ مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ اس کے قلب میں سونے کا بھاری فوارہ متانت سے اڑ رہا تھا۔ ہر ستون کے سامنے ایک خاص بردار ننگی تلوار علم کیے مطلا و مسجع مجسموں کے مانند جما ہوا تھا۔ قبے پر جانے والے زینے کے کھلے ہوئے چاندی کے دروازے پر کیفا کا مشہور ارتقی فرمانروا نور الدین زرد کفتان اور طربوش پہنے کمر میں صرف ایک جڑاؤ خنجر لگائے حاجب بنا کھڑا تھا۔ پادری نے زمین کو چھوتا ہوا سلام کیا۔ حاجب بارگاہ نے ابرو کو جنبش دی۔ پادری آہستہ آہستہ کاشانی مخمل سے منڈھی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ آخری سیڑھی پر مسلح غلاموں نے پادری کا بازو پکڑ لیا اور خطا کا بیش قیمت پردہ ہٹا کر اسے قبے میں داخل کر دیا۔

سارا فرش سبز پتھر کا تھا جس پر سفید پچی کاری اور سنگِ مرمر کی آبدار دیواروں پر سیپ کی خاتم بندی تھی۔ نازک گل بوٹوں کے حاشیوں کے درمیان "اتوالی زریں" کندہ

Scanned by iqbalmt



تھے۔تھوڑی تھوڑی دور پر قد آدم محرابوں میں نازک ترین جالیوں کے پردے لگے تھے۔ بیضوی طاقوں میں جگمگاتی ہوئی زریں انگیٹھیوں میں عود و عنبر سلگ رہا تھا۔مغربی دیوار کے نیچے سنگ سماق کا تخت بچھا تھا جس کے پائے سونے کے کام سے زرد تھے۔چمڑے کے گدّے پر شیر کی کھال بچھائے بھاری گاؤ تکیے سے پشت لگائے بادشاہوں کا بادشاہ نیم دراز تھا۔ان کے گھٹنوں پہ کشمیری شال پڑی تھی جس سے ان کا سفید پائجامہ جھانک رہا تھا۔ زرد کفتان کے گریبان اور چوڑی چکلی آستین سے حریر کی صدری کے تکمے اور کف نظر آ رہے تھے۔داہنے ہاتھ کی انگلی میں وہ انگوٹھی تھی جسے یورپ کے سفیر ''نور کا پہاڑ'' کہتے تھے۔ رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں،دہانہ تنگ،ہونٹ پتلے اور دانت سفید تھے۔کشادہ پیشانی کے وسط سے اونچی ناک کی جڑ کے پاس تک زخم کا وہ نشان تھے جسے سلطان اعظم نے حطین کی لڑائی میں قبول کیا تھا اور جس پر بالوں کی ایک سفید لٹ سجدہ کر رہی تھی۔سیاہ گھنے دور دور بیٹھے ابروؤں کے نیچے بے پناہ آنکھیں اس بڑھاپے میں بھی زندگی کے منصوبوں اور عزائم کی آگ سے دہک رہی تھیں۔سفید پتلی اور نوک دار داڑھی نے فرشتوں کا تجمل پیدا کر دیا تھا۔تخت کے پہلو میں ہاتھی دانت کی تپائی پر وہ طربوش رکھا ہوا تھا جس نے تاریخِ عالم کی عظیم الشان لڑائیوں کی کڑی دھوپ سہی تھی۔تخت کی پشت پر دیوار میں ''نصر من اللّٰہ وفتح قریب '' کے زرّیں طغرے کے نیچے سونے کی کھونٹی میں چمڑے کا معمولی نیام پہنے وہ تلوار لٹک رہی تھی جس کی شکست کے لئے ساری دنیا کے گرجوں میں سالہا سال تک لاکھوں انسانوں نے ہزاروں من آنسوؤں سے دھوئی ہوئی دعائیں مانگی تھیں۔سلطان اعظم کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔قدموں کی چاپ پر نگاہ اٹھائی۔پادری گھٹنوں پر گر گیا۔ اشارہ پاتے ہی خدمت گزاروں نے پادری کو کھلونے کی طرح اٹھا کر تخت کے نیچے بچھے ہوئے سفید قالین پر رکھ دیا۔جب ہوش بجا ہوئے تو اس نے آنکھیں اٹھائیں۔شبنم کی طرح نرم سلطانی نگاہ اس کا چہرہ پڑھ رہی تھیں۔اس نے کانپتے ہاتھوں سے اپنی اصلیت اتاری اور اس کے اوپر کا حصہ پکڑ کر پوری طاقت سے زور کیا۔صلیب کھل گئی۔خول سے ایک موم جامہ نکال کر آنکھوں سے لگایا اور دونوں ہاتھوں پر رکھ کر گھٹنوں کے بل کھڑا ہو گیا۔ حاجب نے اٹھا لیا اور چاہا کہ مہر توڑ دے۔پادری نے ہکلاتے ہوئے گزارش کی۔



''میری استدعا ہے کہ اسے سلطان اعظم کے دست مبارک میں دے دیا جائے۔''

سلطان کی نظریں دیکھ کر حاجب نے اسے سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ سلطان نے مہر دیکھی،نگاہ مطمئن ہو گئی۔کفتان کی آستین سے چھوٹا سا خنجر نکالا اور اس کے نیلے پھل سے لفافہ چاک کر کے خط نکال کر سرکاری انداز میں پڑھا۔پھر پادری کو دیکھا جس نے نگاہ جھکا لی۔وہ خط تکیے پر ڈال کر زرنگار چھت میں جھولتے ہوئے بھاری فانوس کے نقش و نگار میں کھو گئے۔تھوڑی دیر بعد نظریں نیچی کیں۔فرمان کے منتظر حاجب کو دیکھ کر گردن ہلا دی۔وہ پادری کو لے کر آرام خانہ خاص کے باہر چلا گیا۔وہ اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھے رہے۔پھر تالی بجائی۔مرصع غلاموں کا ایک دستہ بے آواز قدموں سے آ کر حکم کا انتظار کرنے لگا۔سلطان نے ان کی طرف دیکھے بغیر اشارہ کیا۔

''آج کی حاضریاں موقوف کی گئیں۔''

دستہ الٹے پیروں واپس ہو گیا۔سارے وقت آنکھیں سوچتی رہیں۔دل کا پوجا ہوا ایک زخم ہرا ہو گیا جس کی خوشبو سے پوری شخصیت معطر ہو گئی۔ظہر اور عصر کی نماز تنہا پڑھی گئی۔مغرب کے وقت زینے کے پردے کے پیچھے ہتھیاروں کی مدھم جنبش اور دبی دبی سرگوشیوں کے پس منظر میں شہزادہ نصر کی ضدی چونچال اور مودبانہ آواز کھنکنے لگی۔ملک العزیز کے اس بیٹے کو سلطان بہت عزیز رکھتے تھے۔اجازت پا کر شہزادہ نظر کے داخل ہوتے ہی سلطان کا چھوٹا بیٹا ملک الظاہر اپنی دنیا کے سب سے بڑے حکیم میموں کو لے کر داخل ہوا۔ حکیم لانبی داڑھی پر خلفائے عباسیہ کا درباری جبہ پہنے اندر آئے جس کے سیاہ گھیر دار دامن ٹخنوں پر لرز رہے تھے اور دست بستہ کھڑے ہو گئے۔سلطان نے کلائی بڑھائی،حکیم نے کفتان کی سوتی آستین الٹ دی اور نبض دیکھنے لگے۔پھر مراقبے سے نکل کر ملک الظاہر کو مسرت سے دیکھا گویا سلطان کی تندرستی پر مبارکباد دے رہے ہوں۔خادم کے ہاتھوں سے سنہرے طشت سے وہ گلاس اٹھا لیا جس پر سونے کے پانی سے قرآن پاک کی آیتیں لکھی ہوئی تھیں۔کچھ پڑھا،سرپوش اٹھا کر گلاس پر دم کیا اور ہتھیلی پر رکھ کر رکوع میں چلے گئے سلطان نے بے نیازی سے گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا اور میموں دونوں ہاتھ پھیلا کر خدا سے عالمِ اسلام کے سب سے بڑے محسن کی زندگی کی دعا مانگنے لگے۔اتنی دیر میں غلاموں نے ایک

Scanned by iqbalmt



ایک جھاڑ، ایک ایک فانوس روشن کر دیا۔ میموس کے ساتھ ہی ملک الظاہر بھی واپس آ گئے۔ شہزادہ نصر اور لیٹار ہتا لیکن وضو کے لئے آبدار خانہ جاتے ہوئے غلاموں کو اشارے میں حکم دے گئے جو شہزادہ کو بہلا پھسلا کر گھسیٹ لے گئے۔ نماز کی مرمریں چوکی پر کھڑے ہوتے ہی حکم دیا۔

''نہ غذا کی خواہش ہے اور نہ کسی کو داخلے کی اجازت۔''

نماز کے بعد دیر تک وہ مصلے پر بیٹھے رہے۔ عدن کے موتیوں کی تسبیح ان کی گندلی مخروطی انگلیوں میں لرزتی رہی یہاں تک کہ قصر معلیٰ کی مسجد کے مؤذن نے عشاء کی اذان دے دی۔ وہ پھر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ جب اٹھے تو نیچے پہرہ تبدیل ہو رہا تھا۔ آوازیں ہونٹوں پر انگلی رکھے چبوترے پر رینگ رہی تھیں۔ وہ تخت پر گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھ گئے اور پادری کا لایا ہوا خط نکال کر دوبارہ پڑھا۔ یہ رات ان کی زندگی کی سب سے بھاری رات تھی۔ ان کے گھنگھور شباب نے ۱۱۵۲ء کی وہ بھیانک رات بھی دیکھی تھی جب فرانس کی ملکہ نے دین مسیح کی دعوت ٹھکرا دینے پر انھیں اپنی دائمی جدائی کے سمندر میں غرق کر دیا تھا۔ انھیں ابھی دو برس پہلے ۱۲ رجولائی ۱۱۹۱ء کی وہ رات بھی یاد تھی جب وہ صاحبِ فراش تھے اور کروٹ بدلنے سے معذور تھے اور فرنجیوں نے ان کی شہادت کی خبر اڑا دی تھی اور عکہ کے بیوقوف اور بزدل امیر نے ہتھیار ڈال دیئے تھے اور انھوں نے ایمان کی حرارت میں بکتر پہن لیا تھا اور وہ ابلق گھوڑا طلب کر لیا تھا جس کی چال سے گردشِ ایام نے چلن سیکھا تھا اور چاہا تھا کہ پچاس ہزار سواروں سے یورپ کی پانچ سلطنتوں کی چار لاکھ فوج پر جا پڑیں اور اسلام کی آبرو پر نچھاور ہو جائیں لیکن دین کے عالم اور تلوار کے دھنی ندیموں نے رکاب پر سر رکھ دیئے تھے اور پاپوش آنسوؤں سے بھگو دی تھی، لیکن آج کی رات اس رات سے کہیں بھاری تھی۔ اس غم کو بانٹنے کے لئے پچاس ہزار جاں باز مجاہدوں کی گردنیں خم تھیں لیکن اس پہاڑ کا بوجھ تنہا ان کے شانوں پر تھا۔ ان کے ایک اشارے پر ہزاروں ہاتھ اپنی گردنیں قلم کر کے ان کے قدموں میں ڈال سکتے تھے لیکن کوئی ایک آنکھ دو آنسوؤں سے بھی ان کے اس غم میں غم گسار نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ کس قدر تنہا تھے۔ ان کے سر پر کیسی جان لیوا تنہائی کی تلوار لٹک رہی تھی۔ انھوں نے ساتویں بار وہ خط پڑھا۔



''اکتالیس برس پہلے دریائے زرافشاں کے کنارے ہم نے آپ کو الوداع کہا تھا۔ آپ نے جن نظروں سے ہمیں دیکھا تھا وہ نظریں..... فرانس اور انگلستان کے تخت و تاج سے قیمتی نظریں ہمارے ساتھ ساتھ رہتی ہیں۔ زندگی کے کالے کوسوں میں ان نظروں نے ہماری چارہ گری کی ہے، ہماری ہمت بندھائی ہے۔ ہم نے چاہا تھا کہ آپ کو مخاطب کرنے کی جسارت نہ کریں گے لیکن وقت نے مجبور کر دیا۔ وقت جو بڑے بڑے کشور کشاؤں پر بادشاہی کرتا ہے۔ ہمارا رچرڈ، انگلستان کا تاجدار اور آپ کا حلیف، شہنشاہ جرمنی کے بزدلانہ دام میں گرفتار ہے اور اس کا باغی بھائی نائب السلطنت ہے جو حکومت کو ہڑپ کرنے کا منصوبہ بنائے بیٹھا ہے۔ فرانس کا بادشاہ اس خوشی میں جشن منا رہا ہے اور ہم بے دست و پا ہیں۔ دل سوختہ، دماغ مختل اور چشم نزار ہے۔ نہ اختیار میں لشکر ہے، نہ قابو میں حکومت۔

اے نائٹوں کے نائٹ تو نے ان گنت ماؤں کو بیٹے، لاتعداد بہنوں کو بھائی اور بے شمار بیویوں کو شوہر عطا کئے ہیں۔ اے شجاعوں کے شجاع..... مشرق سے مغرب تک تیری تلوار کے گیت گائے جاتے ہیں۔ اے بادشاہوں کے بادشاہ یورپ کے ہر کنگرۂ سلطانی پر ہم نے تیرے پرچم کی پرچھائیاں دیکھی ہیں۔ ہم کو یقین ہے کہ تیرے لشکر کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی دھمک سے جرمنی کا غرور لرز جائے گا اور رچرڈ کو تاجداروں کے اعزاز کے ساتھ رخصت کیا جائے گا۔

ہم فرانس کی سابق ملکہ، انگلستان کے بادشاہ کی ماں آپ سے اپنے بیٹے اور آپ کے حلیف کو مانگتے ہیں۔

ایلینور

Scanned by iqbalmt



سلطانِ اعظم کی آنکھیں بند ہو گئیں اور ان کے رخساروں پر دو موتی ڈھلک آئے اور وہ خود کلام ہوئے۔

''ہم نے رچرڈ کو دشمن فوج کے سپہ سالار کی طرح کہاں برتا۔ ہم نے اس کی سفاکیوں کو نظر انداز اور گستاخیوں کو برداشت کیا۔ ہم نے اسے افضل اور عزیز کی طرح جانا اور چاہا تھا۔ وہ جب بیمار ہوا تو دمشق سے بغداد تک کے بہترین طبیبوں کی تیمارداری کا حکم صادر کیا گیا۔ فرانس کی عیاری کے خلاف بروقت یاوری کی اور جب ہمارے جاں نثاروں نے اس کا گھوڑا قتل کر دیا اور وہ جنگِ سلطانی لڑنے لگا تو ہم نے اپنی سواری کا خاص گھوڑا عنایت کیا اور سوار ہونے کی مہلت بھی عطا کی۔ ایلینور...... سپاہی جانتا ہے کہ میدانِ جنگ کی اس مہلت کا دوسرا نام دوسری زندگی ہوا کرتا ہے۔ مگر......''

اور سلطانِ اعظم اپنی بیداری کے خواب سے چونک پڑے۔ ان کی آواز کی گونج سنتے ہی حکم بردار شمشیر زادوں سے زینہ بھر گیا۔ انہوں نے بھاری آواز میں تخلیے کا حکم صادر کیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اب یادوں کی آندھی چلنے لگی تھی اور صحیفۂ زندگی کے ورق بکھر گئے تھے۔

دوسری صلیبی جنگ کا عہد اور شباب کا زمانہ تھا۔ بدن میں آگ، دل میں حوصلے اور دماغ میں منصوبے بھرے تھے۔ وہ جبل لبنان کی تاریک گھاٹیوں میں گھوڑا دوڑا کر شیر کو ڈھونڈ کر شکار کر چکا تھا۔ ساتھ کے سپاہی چھوٹ چکے تھے اور وہ گھوڑے پر اڑا اڑا ان کی جستجو کر رہا تھا۔ جب وہ فلک نما کی اس چوٹی پر پہنچا جہاں سے زرافشاں کے چمکیلے کنارے نظر آتے ہیں تو متحیر ہو کر کھڑا رہ گیا۔ دریا کا تمام مغربی کنارہ افرنجی لشکروں سے کھلا پڑا تھا۔ سورج کی گلابی کرنوں میں غضب سے لال زرافشاں کچھ سوچتا ہوا آہستہ آہستہ بہہ رہا تھا۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور چکارے کی طرح طرارے بھرتا قیام گاہ پر آیا۔ کچھ ملازم خیمے لاد کر دمشق روانہ ہو چکے تھے اور باقی اس کا انتظار کر رہے تھے کہ والد محترم امیر دمشق کا حکم سنائیں۔ اس نے اپنا بارہواں شیر گیدڑوں کے لئے چھوڑا اور گہرے ہوتے اندھیرے میں دمشق کی طرف باگیں اٹھا دیں۔ آدھی رات اِدھر تھی اور آدھی رات اُدھر جب وہ شہر میں داخل ہوا تو کوئی مکان ایسا نہ تھا جس کی چھت پر آدمیوں کی ٹولیاں اور ان کی مُردہ آوازیں



ٹہل رہی ہوں۔ سڑکیں بیدار تھیں اور تیز قدم راہ گیروں کے بوجھ سے کراہ رہی تھیں۔ اس کے اپنے دروازوں پر کوتل گھوڑوں اور سواروں کا ہجوم تھا۔ سارے محل میں انسان سہمی ہوئی خاموشی سے کچلے ہوئے سایوں کی طرح چل پھر رہے تھے، بیٹھے ہوئے تھے اور کھڑے ہوئے اونگھ رہے تھے۔ والد بزرگوار ایوب دمشق کے وزیر اعظم معین الدین کی قیام گاہ پر مشورے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ وہ اپنے بھائی طغرل کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا جس نے اس کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا بلکہ اسی طرح اپنے خیالوں میں کھویا ہوا بیٹھا رہا۔ وہ اس خاموشی سے جھنجھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ والد بزرگوار کی آواز گونجنے لگی۔ وہ لپک کر ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا جو اپنے دالان میں کھڑے شمعوں کی روشنی میں جگمگا رہے تھے۔ غلام ان کا زرکار بکتر اتار رہے تھے۔ چہرے پر زردی کھنڈی ہوئی تھی اور آواز پر غم کی پرچھائیں تیر رہی تھیں۔ اس کا چھوٹا بھائی توران شاہ ان کی گود میں پہنچ چکا تھا اور دوسرے بھائی بھی سمٹ آئے تھے۔ اب اس کی ہمت بندھی۔ اس نے فکر مند لہجے میں پوچھا۔

''کیا افرنجی لشکر بہت طاقتور ہے؟''

''ہوں...... افواہ ہے کہ دو لاکھ سوار ہیں ان کے پاس...... صرف نائٹوں کی تعداد چار ہزار ہے...... لیکن جب تک تصدیق نہ ہو جائے کچھ یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔''

اس کے بعد طغرل اور عادل دیر تک باتیں کرتے رہے لیکن انھوں نے نہ زبان کھولی اور نہ کوئی توجہ دی اور جب یہ لوگ اٹھے تو وہ لیٹنے کے لئے تشریف لے گئے۔ وہ اٹھ کر تیسری منزل پر چلا گیا۔ انتہائی تھکن کے باوجود اسے نیند نہ آئی۔ وہ چکنی ٹھنڈی چٹائی پر لیٹا کروٹیں بدلتا رہا، خدا سے دعا مانگتا رہا۔ بڑی مشکل سے صبح ہوئی۔ اس نے ہتھیار لگا کر اپنے مشکی گھوڑے کا منہ چوما اور سوار ہو کر قحطان کے گھر پہنچا۔ دمشق کے گرجا کے سب سے بڑے پادری کا بیٹا اپنے دوست اور ولی عہد کو دیکھ کر بچھ گیا اور ہاتھوں ہاتھ لے کر اپنے کمرے میں پہنچا اور بڑے خلوص سے رسمی باتیں کرنے لگا۔

''قحطان میرا خیال ہے قحطان کہ دمشق کی حفاظت کے فرض میں ہم دونوں برابر کے شریک ہیں۔ اگر افرنجیوں کے بجائے عباسی یا فاطمی چڑھ آتے تو بھی دمشق کو بچانا ہماری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہوتا۔''

Scanned by iqbalmt



"میں...... اتفاق کرتا ہوں لیکن اتنے بڑے لشکر کے سامنے دمشق کتنے دن ٹھہر سکتا ہے۔ صرف شہنشاہ فرانس کی فوج ایک لاکھ ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"افواہ ہے۔"

"لیکن ہم معلوم بھی تو کر سکتے ہیں۔"

"ہم؟"

"ہاں......ہم......میں اکیلا نہیں۔"

"کیسے؟"

"تم پادری کے بیٹے ہو۔ مجھے نوجوان پادری کے بھیس میں لے چلو۔ افرنجیوں کی لشکر گاہ میں پہنچا دو۔ باقی سب کچھ میں کرلوں گا۔"

"تم کیا سوچنے لگے؟"

"اوں..... میں یہ سوچنے لگا کہ اگر بدنصیبی نے تمہیں پہچان لیا اور تم جاسوسی کے جرم میں پکڑے گئے تو گورنر دمشق کے ولی عہد کی موت کے انتقام میں مجھ پر اور میرے ہم مذہبوں پر کیا کچھ گزر سکتی ہے۔"

"دیکھو اگر دشمن کی قوت کا اندازہ نہ ہو سکا تو ہماری خائف اور محصور فوجیں دمشق ہار جائیں گی اور تم سزا سے محفوظ ہو گئے اور اگر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو دمشق جیت جائے گا اور تم جزا کے حقدار ہو گے یعنی تمہاری گردن دونوں طرح محفوظ ہے۔ میرا سوال البتہ ہے، تو میں مرنے پر تیار ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔"



جبلِ لبنان کی وادی میں جہاں سے دریائے زرافشاں (رود بردہ) سات شاخوں میں تقسیم ہو کر دمشق کے مضافات کو زرخیز کرتا ہوا بہتا ہے، عیسائی لشکر میلوں میں پھیلا ہوا پڑا تھا۔ زرافشاں کی سات شاخیں سات خندقوں کی طرح لشکر گاہ کے گرد حصار کیے بہہ رہی تھیں۔ شام کے سائے میں دیودار کے اونچے اونچے درختوں کے شامیانے کے نیچے دونوں



اپنے گھوڑوں سے اتر پڑے۔ گٹھریاں کھول کر سیاہ صوف کی لمبی لمبی عبائیں پہنیں، لکڑی کی سیاہ صلیبیں گلے میں ڈالیں، ایش کی لمبی لمبی چھڑیاں ہاتھوں میں سنبھالیں اور ملازموں کو ہدایتیں دے کر جنگلی کانٹے دار جھاڑیوں میں گزرتی ہوئی دھندلی دھندلی پگڈنڈیوں پر چل پڑے۔ یہاں کا ایک ایک ذرہ اس کا آشنا تھا۔ اونچے نیچے غیر معروف اور تاریک راستوں پر جنگلی جانوروں کی طرح اچھلتے پھاندتے وہ اس جگہ تک پہنچ گئے جہاں سبزے کے میدانوں، خربوزے کے کھیتوں کے علاوہ سیب، شفتالو، نارنج، شہتوت اور ترنج کے لاتعداد باغات تھے اور جہاں عیسائی لشکر کے گھوڑے ہنہنا رہے تھے، سپاہی جوشیلے گیت گا رہے تھے، جنگی باجے بجا رہے تھے، آسمان میں دھوئیں کی ان گنت لکیریں منڈلا رہی تھیں اور خیموں کے جنگل میں آوازوں کے وحشی پرندے اڑ رہے تھے۔ وہ قحطان کے آگے آگے چل رہا تھا۔ سامنے دیودار کے درختوں کی دیوار کے نیچے جنگلی گلابوں کی خاردار حد بندی تھی۔ اسی کے نیچے زرافشاں کی دوسری شاخ کا اتار تھا۔ وہ اپنے موٹے سوتی جامے سے کانٹے چھڑاتا کگار پر آ گیا۔ قحطان نے اس کا بازو پکڑ لیا اور اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

سامنے پانی میں منہ ڈالے ایک سنہرے رنگ کا اونچا گھوڑا کھڑا تھا جس کی مخملیں کاٹھی میں چاندی کے رکاب جھول رہے تھے اور سر پر شعلہ رنگ کلغی تڑپ رہی تھی۔ اس کے پیچھے پانی کے کنارے کنارے اتار میں بہت سے اونچے، بھاری اور سجے سجائے گھوڑے چر رہے تھے یا پانی پی رہے تھے یا کھڑے تھے۔ لمبی چوڑی گوری چٹی عورتیں کرتک چست گلودار قبائیں پہنے تھیں جس کے نچلے ڈھیلے حصے پر چوڑی چوڑی پلیٹیں تھیں اور جو پاؤں کے پنجوں تک جھولی ہوئی تھیں۔ وہ ان زمین بوس دامنوں کو چٹکیوں سے پکڑے ہوئے ادھر اُدھر چل پھر رہی تھیں اور کچھ پتھروں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس کے بائیں طرف دور حدِ نگاہ تک فرانسیسی فوجوں کے دستے زرہ بکتر پہنے، خود لگائے، سیدھی چوڑی بھاری ننگی تلواریں لیے گھوڑوں کی باگیں تھامے کھڑے تھے۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ قحطان سینے پر صلیب بنا کر دست بستہ کھڑا ہے اور ایک چھ فٹ کی نارمن عورت مردانہ زیور پہنے ہلکی سیدھی تلوار کی نوک اس کے سینے پر رکھے گھور رہی ہے۔ اس نے بھی جلدی سے صلیب بنائی اور قحطان کے پیچھے پیچھے اس عورت کی تلوار کی زد میں چلنے لگا۔ گلاب کی جھاڑیوں کے

Scanned by iqbalmt



کنج میں ایک بھوری تکونی چٹان پر قلم کار مخمل بچھا ہوا تھا۔ اس پر ایک حور بیٹھی تھی۔ اس کی زرد ''قبا'' کے نچلے حصے کا وسیع گھیر زمین پر لوٹ رہا تھا۔ کمر پر سونے کے تاروں کی بٹی ہوئی ڈوری کسی ہوئی تھی جس کے دونوں سرے نیچے لٹک رہے تھے۔ اس ڈوری نے بالائی جسم کے تمام پیچ و خم ابھار دیئے تھے۔ آسمانی ریشم کی ایک پٹی اس کے چہرے کو اپنے حلقے میں لئے ہوئے تھی۔ اس پر نوک دار تاج نما زرکار ٹوپی تھی جس کے دو نکیلے حصے دونوں کانوں کے نیچے شانوں تک پڑے تھے جن میں موتیوں کے گچھے چمک رہے تھے۔ مصور کے نقش کے مانند کھنچے ابروؤں کے نیچے بڑی بڑی نیلی آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔ اس نے آنکھیں جھکالیں جو یاقوت کی صلیب کو دیکھتی ہوئی اس کے پیروں پر ٹھٹک گئیں جو مرغ زریں کے جوڑے کی طرح خاموش تھے۔ پھر اس نے فرانسیسی لہجے میں اجنبی مگر میٹھی لنگوا فرینکا سنی۔

''تمہارا نام؟''

''جون۔'' اس نے بغیر نگاہ اٹھائے جواب دیا۔

''وطن؟''

''میرے دادا پہلی صلیبی لڑائی میں برگنڈی سے آئے تھے۔ یروشلم کی فتح کے بعد انھوں نے ایک شامی امیر کی بیٹی سے شادی کر لی اور دمشق میں سکونت اختیار کر لی۔ میرے باپ نے بھی دمشق کو اپنا وطن بنائے رکھا۔''

''ڈیمسک۔ ڈیمسک۔''

اس نے اپنے اردگرد کھڑی ہوئی عورتوں کو مسرت سے دیکھا اور سرور آواز کی کھنک نے اس کے دل میں چٹکی لی۔ ڈوبتے سورج کی الوداعی کرنوں نے اس حسین چہرے کے حسن و جمال کو اور روشن کر دیا تھا۔

''کیا کرتے ہو؟''

''میں نے خدا کے اکلوتے بیٹے مسیح کے سچے دین کی خدمت کے لئے حلف اٹھایا ہے۔ اسلامیوں کے گڑھ میں رہنے کی مصیبت اسی دن کے لئے قبول کی تھی کہ جب آپ کے مظفر و منصور لشکر اس کے دروازے پر آئیں گے تو میں آپ کو خفیہ اطلاعات بہم پہنچاؤں گا۔ آج مسیح نے میری آرزو پوری کر دی۔''



''مسلمانوں کے شہر سے جو بھی نکلتا ہے وہ لڑکا ہو یا بوڑھا پادریوں کا بھیس بنا کر نکلتا ہے اس لئے آپ سے یہ سوال کیا گیا۔''

ایک مسلح نارمن عورت نے تقریر پوری کر دی۔ اس نے مسکرا کر دیکھا اور پہلو میں رکھا ہوا سونے کا چھوٹا سا ''عصا'' اٹھا لیا اور کھڑی ہو گئی۔ قطان آنکھیں پھاڑے کھڑا تھا۔ پھر وہ دونوں ایک قسم کی بے نام حراست میں لے لئے گئے اور مسلح عورتوں کے گھیرے میں اس آراستہ گھوڑے کے پیچھے چلنے لگے جس پر عورت کے بھیس میں ایک فرشتہ بیٹھا ہوا تھا۔ زرافشاں کی تیسری شاخ اتر کر وہ سیب، شفتالو اور نارنج کے اجڑے ہوئے لوٹے ہوئے باغات سے گزرنے لگے، پھر اس میدان میں داخل ہوئے جہاں ملک شاہ سلجوقی چوگان کھیلا کرتا تھا۔ اس کے تین طرف باغات کے کنارے کنارے فرانسیسی افواج کے اعلیٰ افسروں کے خیمے کھڑے تھے۔ مغربی سمت میں پھولوں کی اونچی جھاڑیوں سے گھری ہوئی ملک شاہ کی بنوائی ہوئی سرخ پتھر کی بارہ دری قناتوں کی حد بندی میں لے لی گئی تھی۔ اس کی پشت پر خربوزے کے کھیتوں میں تاج فرانس کے محافظ دستے کے خیمے نصب تھے۔ ان خیموں سے قنات بندی کی حد تک سپاہی ننگی تلواریں لئے پہرے پر کھڑے تھے۔ اس کے پہلو میں اتنا چوڑا راستہ تھا کہ چار گھوڑے ایک ساتھ نکل سکیں جو سواروں کے دستے سے بھرا ہوا تھا۔ یہاں سے فرانس کی ذاتِ خاص کے رنگ برنگ کے خیمے اپنے سروں پر شاہی نشان سجائے دور تک کھڑے نظر آتے تھے۔ یہیں وہ دونوں روک لئے گئے اور پھر مشعلوں کی روشنی کے حلقے میں ایک بھورے اونی خیمے میں ڈال دیئے گئے جہاں پورے تین دن اور تین راتیں عجیب و غریب لاتعداد سوالوں کے یکساں جواب دینے میں گزر گئیں۔

پھر ایک بار وہ تنہا باہر نکالا گیا اور اس عالیشان مدوّر بارگاہ کے سامنے لایا گیا جہاں ان گنت مشعلوں کی خوفناک زبانوں، لاتعداد بھیانک آنکھوں اور تلواروں کا پہرہ کھڑا تھا۔ اس کے قریب ملکہ کا جھنڈا نصب تھا جس کے زرد پھریرے پر چاندی کا شیر ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں صلیب لئے اور تاج پہنے دہاڑ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہی نارمن عورت اس کے قریب آئی اور اسے اپنے پیچھے چلنے کا اشارہ کر کے بارگاہ کے اندر داخل ہو گئی۔ ساری بارگاہ زرد نمدے کی تھی اور سارے شہتیر زرد ریشم کے غلاف پہنے ہوئے تھے۔ فرش

Scanned by iqbalmt



پر زرد قالین اور جنگلی جانوروں کی کھالیں بچھی ہوئی تھیں جو قد آدم شمعوں کی روشنی میں جگمگا رہی تھیں۔ بھاری بھاری زرد پردے سمٹے کھڑے تھے۔ آبنوس کی لمبی میز کے سامنے ایک ہشت پہل کرسی پڑی تھی جس کے سیپ کے کام سے گندھے ہوئے پائے ہرن کی سینگوں کی طرح باہر کی طرف نکلے ہوئے تھے۔ میز کی دوسری طرف اسی وضع کی مگر چھوٹی اور سادی کئی کرسیاں پڑی تھیں، وہ ان ہی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ ایک طرف سے وہ برآمد ہوئی اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ کرسی کے دونوں طرف خوشبودار شمعوں سے روشن جھاڑوں کی ٹھنڈی سفید روشنی میں اس کے کھلے ہوئے شانوں پر ڈھیر سرخ بال اور سرخ ہو گئے تھے۔ اس نے میز پر ہاتھ رکھا۔ مانی کی تصویروں کی طرح نازک سفید ترشی ہوئی انگوٹھیوں سے جگمگاتی انگلیوں نے روشنی کر دی۔ نارمن عورت نے میز کے برابر رکھی ہوئی منقش تپائی پر ایک طشت رکھ دیا جس کی سیمیں انگیٹھی میں عنبر سلگ رہا تھا۔ دوسری مسلح عورت نے اس کے لبادے کے نیچے زرہ پر لگے ہوئے خنجر کو نکال کر میز پر رکھ دیا۔ ملکہ جو اُسے مسلسل گھورے جا رہی تھی اسی طرح بے نیاز بیٹھی رہی۔ پھر اپنی مخصوص زبان میں بولی۔

تم فرنچ جانتے ہو؟''

''نہیں، میری ماں شامی ہے۔''

''فرانس کی بارگاہ میں ہتھیار باندھ کر آنے والے اجنبیوں کی سزا جانتے ہو؟''

''موت...... لیکن میں نہ تو اجنبی ہوں اور نہ آیا ہوں۔''

''وہ کیسے؟''

''میرے دادا فرانسیسی تخت و تاج کے جوشیلے خادم تھے اور وہی خون میری رگوں میں اچھلتا ہے اور میں یہاں تلواروں کی نوک پر لایا گیا ہوں اور پادریوں پر حملے عیسائی نہیں کرتے جن سے بچنے کے لئے زرہ اور خنجر کی ضرورت محسوس ہو۔''

ملکہ نے مسکرا کر دیکھا تو وہ مطمئن ہو گیا۔

''کتنی فوج ہے دمسک کے پاس۔''

''ایک لاکھ سوار ہتھیار پہنے کھڑے ہیں اور سلطان کے قاصد صوبوں کے گورنروں کے پاس حکم لے کر جا چکے ہیں۔''



''کتنی کمک اور آسکتی ہے؟''

''تقریباً ایک لاکھ۔''

ملکہ کی نظریں کچھ سوچنے لگیں۔

''اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم سچ بھی بولتے ہو؟''

''دمشق کی آبادی چار لاکھ ہے اور بارہ برس کے لڑکوں سے لے کر ساٹھ برس کے بوڑھوں تک نے تلواریں پکڑ لی ہیں۔ شاہی لشکر اس کے علاوہ ہے۔''

''شہر کے عیسائیوں کی تعداد کیا ہوگی؟''

''دس ہزار سے بھی کم۔''

ملکہ دیر تک میز پر انگلیوں سے لکیریں کھینچتی رہی۔ پھر یک بیک نگاہ اٹھا کر اس کو دیکھا اور مضبوط مگر مدھم لہجے میں بولی۔

''ہمارا خیال ہے کہ کمسنی کی اس رہبانیت کے مقابلے میں بادشاہوں کی خدمت میں رہ کر اور بڑے بڑے کام انجام دے کر مسیح کی زیادہ خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہے۔''

''میں...... میں ملکہ عالم کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''ہم تم کو اپنے ذاتی محافظ دستے میں شامل کر سکتے ہیں۔''

اس کے منہ سے بے اختیاری میں نکل گیا۔

''میں اپنی زندگی کی اس زرّیں سعادت پر عمر بھر فخر کرتا رہوں گا۔''

وہ اپنے خیمے میں آ کر ساری رات پُرہول آوازوں اور نعروں میں گھرا ہوا تقدیر کی اس گردش کے انجام پر سوچتا رہا۔ صبح ہوتے ہی اسے ملکہ کے خاصانِ بارگاہ کا لباس عطا کیا گیا۔ اس نے گھٹنوں تک زرد مخمل کی تنگ قبا، صلیب اور سیاہ چمکدار چمڑے کے موزے، سنہری مہمیز اور سمور کی چمکدار سیاہ ٹوپی پہنی۔ بالشت بھر چوڑی پٹی پر چاندی کا وہ سینہ بند لگایا جس پر ملکہ فرانس کا ذاتی نشان بنا ہوا تھا۔ کمر سے وہ سیدھی لمبی تلوار باندھی جس کا قبضہ صلیب کی شکل کا تھا۔ بائیں شانے پر تکونی ڈھال اور داہنے کندھے پر نیزہ اٹھا لیا اور کئی دن تک بارگاہ خاص کے دروازے پر کھڑا پہرا اور قطان کو دلاسہ دیتا رہا جو اس بے نام حراست سے عاجز آ گیا تھا۔ پھر بہار کی وہ صبح آ گئی جب ''شام'' کی ہوا برف میں نہا کر اور گلابوں کی

Scanned by iqbalmt



خوشبو پہن کر نکلتی ہے اور دلوں کو شکار کرتی ہوئی چلتی ہے۔ وہ ناشتہ کر رہا تھا کہ قرنا بجنے لگا۔
اس نے دوسرے خاص برداروں کی طرح جلدی جلدی لباس تبدیل کیا اور بارگاہِ خاص کے مشرقی دروازے پر جا کر کھڑا ہو گیا جس کے سامنے فرانس کی سلطنت کے بہترین منتخب گھوڑے آنکھوں سے چنگاریاں برسا رہے تھے۔ کسی کے کہنے پر وہ بھی ایک گھوڑا پسند کرنے چلا۔ پہلی ہی قطار میں ایک ابلق (گھوڑا) نتھنے پھلائے، دم کو چنور کئے ساز و یراق سے آراستہ اگلے پیروں سے زمین کھرچ رہا تھا۔ اس نے لپک کر اسی کی لگام اچک لی، اچھل کر سوار ہوا اور ستون کی طرح قائم ہو گیا۔ یہ وہ گھوڑا تھا جسے بڑے بڑے مغربی شہسوار چھوتے ڈرتے تھے۔ پھر اپنی بارگاہ کے خیموں کی پشت سے ملکہ برآمد ہوئی۔ وہ سر سے پاؤں تک سنہرے کام کا زرہ بکتر پہنے، خود پر یاقوت کی کلغی اور گلے میں یاقوت کی صلیب پہنے، ''نقرہ'' گھوڑے پر سوار نخریلی چال چلتی آئی اور اس کی ران کے نیچے تڑپتے گھوڑے کو دیکھ کر محظوظ ہوئی اور نارمن عورتوں اور فرانسیسی شہسواروں کو عقب میں لے کر جبل لبنان کی شکارگاہوں کی طرف چلی۔ تیرہ و تار جنگل کے قلب میں احساس ہوا کہ ایک ایک ساتھی چھوٹ گیا۔ اس نے گھوڑا ترچھا کر کے پیچھے دیکھا کہ ملکہ تو آ رہی ہے لیکن پٹری بگڑ گئی ہے اور رکابوں کے زاویے خراب ہو گئے ہیں۔ جبل کے اس گھنے جنگل میں جہاں تک پہنچتے پہنچتے سورج کی کرنیں کالی ہو جاتی تھیں اس نے ملکہ کے جانور کو تھام لیا جو لگام کو ماننے سے انکار کر چکا تھا اور اسے اپنا سہارا دے کر اتار لیا اور ایک چٹان پر زین پوش بچھا کر ملکہ کو بٹھا دیا اور خود جانوروں کو باندھنے چلا۔ وہ دونوں کہنیوں کے سہارے نیم دراز ہو کر ہانپ رہی تھی۔ اور وہ اس کے تمتمائے ہوئے چہرے پر لرزتے موتی گن رہا تھا۔

''اگر آپ حکم دیں تو میں گھوڑا اٹھا کر سواروں کو تلاش کر لاؤں۔''

''نہیں...... ہم پیاسے ہیں۔''

''میں اس جنگل کے چپے چپے سے واقف ہوں۔ یہاں سے تھوڑی دور پر وہ چشمہ ہے جسے عرب ''جام بہشت'' کہتے ہیں۔ اگر آپ سوار ہوں تو۔''

ملکہ نے گردن موڑ کر ان گھوڑوں کو دیکھا جو آگے پیچھے ہل ہل کر ہانپ رہے تھے۔
اس نے ملکہ کے گھوڑے کو چٹان کے پاس لگا دیا اور اپنا سہارا پیش کیا جو قبول کر لیا گیا۔ زین



پوش اپنے گھوڑے کی گردن پر ڈال کر ملکہ کے گھوڑے کی راس پکڑ کر آہستہ آہستہ چلا۔ بھورے سرخ پتھروں کی کگاروں کے بیضوی اور قدرتی حوض میں پگھلی ہوئی ٹھنڈی چاندی ''کِل کِل'' کی آواز کے ساتھ بہہ رہی تھی۔ ایک اونچے پتھر کے کنارے ملکہ کو اتار کر اس نے گھوڑے باندھے اور سوچنے لگا کہ پانی کس طرح پلایا جائے۔ ملکہ اس کے ساتھ ساتھ چشمے کے اندر اتر گئی اور اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں پانی بھر کر خود پی لیا۔ ملکہ اس کو کھڑی دیکھتی رہی۔ اس نے تیسری بار اپنے ہاتھوں میں پانی بھرا۔ ہاتھ اس کے سینے تک پہنچے تھے کہ ملکہ نے آگے جھک کر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔ ملکہ کے ہونٹوں کے لمس نے اس کے خون میں بجلیاں بھر دیں۔ وہ ہاتھوں میں پانی بھرتا رہا اور ملکہ پیتی رہی لیکن اس طرح کہ اس کے یاقوت کے مہین خاموش ہونٹ اس کے ہاتھوں میں ہوتے اور نیلم کی بولتی آنکھیں اس کی آنکھوں میں۔ ملکہ کے متعلق پہلی بار اس کے دل میں ایک آرزو پیدا ہوئی کہ وہ اس چشمے کے کنارے کھڑا رہے اور قیامت تک ملکہ اسی طرح پانی پیتی رہے۔ وہ صدیوں تک اسی طرح کھڑے رہتے کہ گھوڑے ہنہنا کر اچھلنے لگے۔ ہرنوں کی چیخوں، پرندوں کی چہچہاہٹ اور سنسناہٹ سے سارا جنگل گونج اٹھا۔ جنگل کا بادشاہ اپنے حرم سے نکلا تھا اور دہشت کا ایک ایک ذرّہ اس کی پیشوائی کی آواز سے دھڑک اٹھا تھا۔ ہراساں آفتاب اس کے سینے پر ڈھلک آیا۔ ملکہ کے خود کی کلغی اس کی ٹھوڑی سے لگ گئی۔ پھر اس کی ڈھونڈتی ہوئی نظروں سے دیکھا کہ تھوڑی دور پر شاہانہ چال چلتا ہوا ان کی موجودگی سے بے نیاز شیر بائیں ہاتھ کی اونچی جھاڑیوں میں غروب ہوا چاہتا ہے۔ کوئی اور وقت ہوتا تو دمشق کے والی کا چہیتا ولی عہد اس فرصت کو غنیمت سمجھتا لیکن ان چند لمحوں میں وہ جوان ہو چکا تھا، مرد بن چکا تھا اور اپنے سینے سے لگی ہوئی عظیم الشان خاتون کی نگاہوں میں اعتبار حاصل کرنے کے لئے بڑے بڑے لشکروں سے ٹکرا سکتا تھا۔ اس نے ملکہ سے الگ ہو کر پھرتی اور قوت سے شیر پر نیزہ مارا اور اسی لمحے تلوار گھسیٹ کر جھپٹا۔ پہلو میں دھنسا ہوا نیزہ لئے اور دہاڑتا ہوا شیر اس پر چڑھ آیا۔ ہر چند اس کے ہاتھوں میں اجنبی تھی لیکن تلوار تھی۔ تھوڑی دیر میں شیر کا فیصلہ ہو گیا، لیکن اس طرح کہ قبا کی بائیں آستین اس کے خون سے لالہ کار ہو گئی۔ اس نے منجھے ہوئے شکاریوں کی طرح پورے حواس کے ساتھ اپنی خون آلود تلوار مردہ شیر کی

Scanned by iqbalmt



گردن کے بالوں سے رگڑ کر صاف کی۔ اسی لمحے اس نے دیکھا کہ ملکہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے انگلیوں کے بیچ سے اسے دیکھ رہی ہے۔ پھر وہ تقریباً دوڑتی ہوئی آئی اور اس کا خون دیکھ کر چیخ اٹھی اور اس کے داہنے شانے پر جھول گئی۔ وہ سامنے کی چٹان پر بیٹھ گیا۔ ملکہ اسے اپنے بے پناہ جسم کا سہارا دیئے ہوئے تھی۔ ملکہ کا گھوڑا راسیں تڑا کر بھاگ چکا تھا۔ اس کا ابلق کھڑا تھا اور مردہ شیر کو دیکھ دیکھ کر ہنہنار ہا تھا پسینے میں ڈوبا ہوا اگلے پیروں کو پٹخ رہا تھا اور اس کے سامنے زرد ریشم کا زین پوش پڑا تھا۔ وہ اٹھا اور دھیرے دھیرے چلتا ہوا گھوڑے کے پاس گیا۔ اس کی گردن تھپکی اور منہ چوما۔ پہلو میں کھڑی ہوئی ملکہ کو کنکھیوں سے دیکھ کر پھر منہ چوما اور جھک کر زین پوش اٹھالیا۔ اپنی قبا کے نیچے لوہے کے کپڑوں کے سینے بند کی جیب سے چقماق نکالا اور پتھر پر بیٹھ کر زین پوش کو چاک کر کے جلانے لگا۔ اب وہ تخت و تاج کی بلندی سے نیچے اتر آئی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے قبا اتاری۔ بازو پر خون سے چپکی ہوئی زرہ جامے کی آستین اپنے خنجر سے چاک کی۔ زین پوش کے ایک ٹکڑے سے زخم صاف کیا اور اس میں ریشم کی راکھ بھر دی اور دوسرے ٹکڑے کی پٹی باندھ دی۔ اس نے اپنے چہرے سے کسی تکلیف کا اظہار نہیں ہونے دیا سوائے اس کے کہ سیدھا سیدھا لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر کے تکلف کے بعد ملکہ نے اس کا سر اپنے بکتر پوش زانوں پر رکھ لیا۔ ٹوپی ایک طرف گر گئی ملکہ اس کے سیاہ ریشمیں بالوں میں اپنی انگلیاں پھیرنے لگی اور وہ اس لذت کو دوام عطا کرنے کے لئے عمر بھر شیروں سے زخمی ہونے کی دعائیں مانگنے لگا۔ ان دونوں کی زبانوں پر حفظ مراتب کے قفل لٹکتے رہے لیکن آنکھیں باتیں کرتی رہیں اور انگلیاں ہاں میں ہاں ملاتی رہیں۔ جب بھوک ناقابل برداشت ہوگئی تب وہ دونوں ایک دوسرے کا سہارا بن کر اٹھے اور ایک دوسرے سے گھوڑے پر سوار ہونے کا اصرار کرنے لگے۔ آخر کار ملکہ نے اس کے آگے بیٹھ کر راسیں سنبھال لیں۔ وہ ملکہ کے زرہ پوش شانے پر منہ رکھے رخساروں کو سونگھتا ہوا کمر میں بازو ڈالے بہشت کی سیر کرتا رہا۔ پھر اس نے جنگلی نارنگیوں، کھٹے سیبوں اور کچے شفتالوؤں کے درختوں کو سوکھ جانے کی بددعائیں دیں اور آدم کی طرح جنت سے گھوڑے سے زمین پر اتر آیا۔ وہ ایک دوسرے کو پھل کھلا رہے تھے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں اور ہتھیاروں کی آوازوں سے سارا جنگل چھلک اٹھا۔ ذاتِ خاص کے رسالے کے سوار گھوڑوں



سے پھاند پڑے۔ سالار نے گھٹنوں پر کھڑے ہو کر تلوار نیام سے نکال کر چومی اور پھر نیام میں ڈال کر کھڑا ہوگیا۔ ملکہ نے انتہائی ناگواری کا اظہار کیا۔

”اگر اس تلوار زادے نے اپنے آپ کو شیر کے منہ میں نہ ڈال دیا ہوتا تو ہم مدت کے ختم ہو چکے ہوتے۔“

پھر ایک جھٹکے کے ساتھ سپاہی سے لگام لے لی اور طاؤس کی طرح اڑ کر گھوڑے پر جم گئی اور ”جام بہشت“ کے کنارے سے شیر اٹھوا کر قیام گاہ کی طرف گھوڑا ڈال دیا۔



جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ نمدے کے زرد اونچے مدوّر خیمے کے آبنوسی پلنگ اور مخملیں بستر پر لیٹا اور مغرب کے ملائم کمبلوں میں لپٹا پڑا تھا۔ بازو میں رکھے چاندی کے شمع دان میں بارہ خوشبودار شمعیں جل رہی تھیں۔ پلنگ کے سامنے نیچی لمبی خالی میز رکھی تھی۔ بائیں بازو میں آگ لگی ہوئی تھی اور دور دور اجنبی بھیانک آوازیں پہرہ دے رہی تھیں۔ پھر اسے اپنے سرہانے کا ملائم گرم تکیہ جنبش کرتا محسوس ہوا۔ اس نے حیرت سے دیکھا کہ ملکہ گود میں سر لئے بیٹھی تھیں اور مسکرا رہی تھیں اور ان کی صلیب اس کی پیشانی پر لرز رہی تھی۔ ملکہ کے جسم کی ناقابلِ بیان خوشبو سے اس کا جسم معطر ہوگیا۔ اس نے ملکوتی طمانیت سے لمبی سانسیں لے کر آنکھیں بند کرلیں۔ پھر اس کا سر تخت اور ٹھنڈے تکیے پر رکھ دیا گیا۔ پلنگ کی پشت پر جو الماری تھی اس کا سامان اٹھا اٹھا کر ملکہ میز پر رکھنے لگیں۔ وہ خون کی طرح سرخ مخمل کا شب خوابی لباس پہنے تھیں جس میں کمر کے نیچے چاروں طرف جھول پر پلیٹیں پڑی تھیں اور جو اوپر چست ہو گیا تھا۔ جب وہ ہاتھ اٹھاتیں تو ڈھیلی آستینیں پھسل جاتیں اور کچی چاندی کی کلائیاں برہنہ ہو جاتیں۔ سرخ بال دونوں شانوں پر ڈھیر تھے۔ اس پس منظر میں ان کے تابناک چہرے پر نگاہ نہ ٹھہرتی تھی۔ پھر انھوں نے اپنے شانے کا سہارا دے کر اسے اٹھایا اور میز کی طرف رخ کر کے بٹھا دیا جس پر چاندی کی پلیٹوں میں خشک میوے، تازے پھل، تلا ہوا گوشت، تازہ شوربا اور میٹھے بسکٹ ڈھیر تھے۔ اس کی بیداری کے انتظار کا ذکر کئے بغیر وہ مہذب بھوکے انسانوں کی طرح کھانے لگیں اور اسے خیال آیا کہ وہ الف لیلیٰ کے ابوالحسن کی طرح بیداری میں خواب دیکھ رہا ہے۔ اس یقین سے اسے حسرت ہوئی کہ ایک

Scanned by iqbalmt



جلیل المرتبت ملکہ اپنی نجی زندگی میں ایک عام شامی عورت کی طرح پُر محبت اور خدمت گزار ہوتی ہے۔ پہلی بار اسے یہ موقع نصیب ہوا تھا کہ ایک مطلق العنان ملکہ اور حسین ترین نامحرم عورت کی بے تکلف قربت سے آسودہ ہو سکے۔ اس کے بازو کا زخم جیسے مندمل ہونے لگا۔ وہ اس کی پلیٹ میں سونے کے دستے کی چھری سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر اٹھیں اور الماری سے برچھی کی وضع کی بوتل اور دو آبگینے نکال کر میز پر رکھ دیئے۔ وہ ایک آبگینہ اٹھا کر دیکھنے لگا۔ اس کے گلے پر آبِ زر کی بیلوں کے درمیان خطِ نسخ میں امراء القیس کے رندانہ اشعار اس فنکاری سے لکھے ہوئے تھے گویا زرد پھول کھلے ہوں۔ ملکہ نے دونوں آبگینے لبریز کر دیئے۔ اس نے نبیذ کی محفلوں کی داد دی تھی اور سرخوش ہوا تھا۔ لیکن اس گھنگھور سرمستی سے نا آشنا تھا جو درپیش تھی۔ وہ آبگینوں سے آنکھ ملاتے بھی جھجک رہا تھا۔ ملکہ نے خود اعتمادی سے اشارہ کیا تو اس نے آبگینہ اٹھا لیا اور دنیا کے سب سے حسین ساقی کی تقلید میں نصف سے کم نگل گیا۔ اسے محسوس ہوا جیسے گھوڑے نے سر پر ٹاپ ماردی ہو۔ دوسرے دور میں وہ کسی حد تک انگیز کر سکا۔ تیسرے آبگینے کے بعد وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ دنیا کی سب سے ظالم فوجوں کے قلب میں بے دست و پا ہے اور اسے معلوم ہوا کہ وہ اپنے قصر کی سنسان پردہ پوش غلام گردش میں گھس آیا ہے اور مغرب کی وہ البیلی کنیز اپنے آقا کی خدمت سے مشرف ہے جسے اس کے والد نے ہزاروں دینار سرخ میں خرید کر اپنے بیٹے کو بخش دیا ہے۔ اس نے مسرور آنکھیں اٹھا کر دیکھا ملکہ اپنے شفق کول لباس میں صبح کے سورج کی مانند آنکھیں خیرہ کئے دے رہی تھیں۔ دراز پلکیں نیم باز آنکھوں پر لڑکھڑا رہی تھیں۔ گہری آنکھیں اور گہری ہو گئیں۔ مشرق کے افسانوں کی عاشق ملکہ طلوع ہوتے ہوئے مشرق کے سب سے بڑے سلطان کی بے پناہ دلکشی سے مسحور ہو چکی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھایا تو ملکہ ٹوٹ کر اس کے آغوش میں آ گئی۔



صبح کو لوئی شہنشاہِ فرانس کی آمد کا ہنگامہ گرم ہوا۔ وہ دریائے اردن کے شمال مشرق کی اسلامی آبادی کو تہ و بالا کر رہا تھا۔ ملکہ کی دوسری زندگی کی اطلاع ملی اور وہ فوراً سوار ہو گیا۔ شاہی طبیب نے کئی بار اس کے زخم کو دیکھا اور دو ہی دنوں میں اس قابل کر دیا



کہ وہ آسانی سے چل پھر سکے۔ پھر اسے حکم ملا کہ وہ شام کو "نائٹ" کا اعزاز قبول کرنے کے لئے دربار میں حاضر ہو۔ سرخ بارہ دری کے نیچے شامیانہ لگا تھا جس کے شہتیر غلاف پوش اور غلاف چاندی کے تاروں کے پھول پہنے ہوئے تھے اور اس کے چاروں گوشوں میں فرانس اور انٹیسک اور شہنشاہ اور ملکہ کے جھنڈوں کے بھڑک دار پھریرے لہرا رہے تھے۔ قالینوں اور کھالوں کے فرش پر جرمنی، آسٹریا، صقلیہ، یروشلم اور فرانس کے نواب، نائٹ، سردار، امیر اور طبقہ الوادیہ اور طبقہ الیبطار کے شہسوار اور جرمانیہ کے مشہور شمشیر زن بیٹھے ہوئے تھے۔ بارہ دری کے چبوترے پر اطلس کے زرد شگیرے کے نیچے چاندی کے تخت پر طلائی کرسی بچھی ہوئی تھی۔ اس پر میانہ قد، معمولی خدوخال اور بیقرار ہاتھ پیروں کا مالک، ایک کم رو آدمی جگمگاتا لباس اور بیش قیمت تاج پہنے مرغ زرّیں بنا بیٹھا تھا۔ اس کے ایک طرف ڈیوک آف برگنڈی دونوں ہاتھوں پر تلوار رین لئے کھڑا تھا تو دوسری طرف پیرس کے شاہی گرجا کا اسقف انجیل حمائل کئے موجود تھا۔ پھر وہ لوئی کے خاص برداروں کے گرزوں کے جلو میں نیزوں کی زبانوں اور بنے ہوئے دیو پیکر جسموں اور چمکدار تلواروں اور آئینہ بند بکتروں کے ہجوم سے گزرتا ہوا تخت کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ ایک خادم نے اسے گھٹنوں پر گرا دیا اور کمر سے پیٹی کھول دی۔ برگنڈی کا ڈیوک جس کے قد کو خود کی کلغی نے اور بالا کر دیا تھا آگے بڑھا اور تلوار لوئی کے ہاتھ میں دے کر اپنی کمر سے نائٹ ہڈ کی زرنگار پٹی کھول کر اس کی کمر میں باندھ دی۔ اب لوئی نے پادری کے منہ سے نکلتے ہوئے مقدس کلمات کے ساتھ کھڑے ہو کر تلوار کو چپٹا کر کے اس کے سر اور دونوں شانوں پر چھلا دیا اور تلوار برگنڈی کے ڈیوک کو پکڑا دی جس نے پورے احترام کے ساتھ اس کی پیٹی کے منقش نیام میں ڈال دی۔ پھر لوئی نے اپنا برہنہ ہاتھ پیش کیا جس پر اس نے عقیدت کا بوسہ دیا۔ اب جنگی باجے جنگی دھن میں بجنے لگے اور وہ گردن جھکا کر چاروں طرف تحسین کے نعرے لگانے والوں کا شکریہ ادا کرتا رہا۔ جب وہ الٹے قدموں سے واپس ہوا اور لوئی اندر چلا گیا اور اس کی کرسی پر پردہ ڈال دیا گیا تو ایک ایک آدمی نے مبارکباد دی۔ وہ بڑی احتیاط سے ہاتھ ملاتا رہا لیکن زخم میں تکلیف شروع ہو گئی۔ اس نے چلتے چلتے قحطان کو چند ہدایتیں دیں اور اپنے بیمار خانے کی طرف چلا جو ملکہ کی بارگاہ کی قنات بندی کے اندر تھا۔ داخلے کے دروازے پر ایک لانبے

Scanned by iqbalmt



ترنگے زرہ پوش آدمی نے بڑی عیار مسکراہٹ سے اس کو مبارکباد دی اور کینہ توز نگاہوں سے گھور کر ہاتھ ملایا۔ جب وہ اپنے خیمے کے اندر جانے لگا تو وہی اونچی چوڑی چنچل نارمن عورت آئی جو اسے تلوار کی نوک پر یہاں تک لائی تھی اور جس کا نام ایلس تھا، اس کو مبارکباد دی اور اس کے ساتھ ہی خیمے میں داخل ہوئی۔ لباس تبدیل کرنے میں مدد دی اور اس کے لیٹ جانے کے بعد بڑے ادب سے گزارش کی۔

''آپ آرک سے محفوظ رہنے کی کوشش کیجئے۔''

''آرک؟..........کون؟''

''آرک جرمانیہ کے سواروں کا سردار ہے۔ یورپ میں اس کی بہادری کی بڑی دھوم ہے۔ اسے ملکۂ عالم کی خدمت میسر تھی لیکن اِدھر کئی دن سے باریاب نہیں کیا گیا۔ آج اس نے آپ کو دیکھا ہے، آپ کا اعزاز دیکھا ہے اور میں نے اس کی دغاباز آنکھوں میں سازش رینگتی محسوس کی ہے۔''

ایلس کے جانے کے بعد وہ بڑی دیر تک ایلس اور آرک کے متعلق سوچتا رہا۔ پھر زندگی اور زندگی کے خدشات پر غور کرتا رہا۔ ہتھیلی پر ٹپک پڑنے والے مواقع پر فکر کرتا رہا جو اگر مٹھی میں بند کر لئے جائیں تو زندگی کی نہج بدل جاتی ہے اور اگر ان کو ہتھیلی سے گر جانے دیا جائے تو زندگی عذاب ہو جاتی ہے اور انسان مٹی کے ڈھیلوں سے بھی سستے ہو جاتے ہیں۔ پھر اسے اپنے باپ کی یاد آئی جو دمشق کے چھوٹے سے مو ملے کو اس قہار لشکر سے ٹکرانے کا خواب دیکھ رہے تھے اور چہیتے بیٹے کی خطرناک خدمت سے منسوب اندیشوں سے خائف تھے۔ پھر اس نے اپنے آپ کو یقین دلایا کہ موجودہ کیفیت ایک زندہ حقیقت ہے اور گزشتہ دنوں میں جو کچھ پیش آیا ہے وہ لوحِ محفوظ میں پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا اور یہ زرکار حادثہ کسی شاندار کارنامے کا دیباچہ ہے۔

اس رات ملکہ فرانس کے منظور نظر نائٹ، خاص برداروں کے افسر جون دی نائٹ کو لشکر کا انتظامی گشت کرنا تھا۔ اسے فرانسیسی اسلحہ خانے کا سب سے قیمتی بکتر پیش کیا گیا جس کے سینے پر سونے کا عقاب اڑ رہا تھا اور خود پر سونے کی کلغی لگی تھی اور ڈھال پر فرانس کا تاج بنا تھا اور جڑاؤ پیٹی میں کھڑکھڑاتی ہوئی وزنی تلوار کے صلیبی قبضے پر جواہرات جڑے



تھے۔ سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق ہو کر وہ اس گھوڑے پر سوار ہوا جو اس کی خطرناک محبت کا اکیلا رازدار تھا۔ آج وہ پہلی بار شاہی قیام گاہ کی پشت پر میلوں میں پھیلے ہوئے خیموں کے شہر کی طرف چلا تھا۔ آسمان پر چاند کی گول مشعل جل رہی تھی اور دمشق کے گلابی جاڑوں کی ٹھنڈی ہوا خنجر کی طرح کھلے ہوئے حصوں کو کاٹ رہی تھی اور وہ ایک دوسرے کا منہ دیکھتی ہوئی چھولداریوں اور خرگاہوں کے درمیان سے گزر رہا تھا جس کے دروازوں پر پتشاخے جل رہے تھے۔ اس کی تلوار کا سیمیں نیام گھوڑے کی آہنی پاکھر سے ٹکرا رہا تھا اور وہ آنکھیں پھاڑے تین طرف دیکھتا ہوا چل رہا تھا۔ راستوں میں جگہ جگہ بڑے بڑے الاؤ روشن تھے جن میں مسلمانوں کے گھروں سے لوٹے ہوئے لکڑی کے منقش صندوق، مقدس کتابوں کے نسخے، پچی کاری کئے ہوئے دروازے، آبنوسی کرسیاں، اخروٹ کی تپائیاں، اور صندل کی چوکیاں چیخ چیخ کر جل رہی تھیں۔ بھالوں میں پیوست ادھڑے ہوئے پرندے، بھیڑ اور بکری کے بچے بھن رہے تھے۔ نبیذ کے قرابے کھجوروں کی چٹائیوں سے ڈھکے تھے، ٹوٹے گھڑوں کے ٹکڑے اِدھر اُدھر ڈھیر تھے۔ انگوری کچی شراب کے مشکیزے مردہ جانوروں کی طرح پڑے تھے۔ رخشی سپاہی جنگلی آوازوں میں چیخ رہے تھے، چلا رہے تھے، گا رہے تھے، بجا رہے تھے، ہتھیاروں کو چمکا رہے تھے، گھوڑوں کا سازی رہے تھے، شام اور عراق کی سرحدی بستیوں سے پکڑی ہوئی ننگی معصوم عورتوں کے جسموں کو بھنبھوڑ رہے تھے۔ اس کا خون کھول گیا اور ہاتھ تلوار کے قبضے پر چلا گیا اور جی چاہا کہ...... لیکن وقت کی نزاکت نے صبر کی تلقین کی۔ وہ چلتا پھلتا اس حد بندی تک آ گیا جہاں جرمانیہ کے آہن پوش پیدل مجاہد پڑاؤ کئے ہوئے تھے۔ ہمرکاب سپاہی جو آگے آگے چل رہے تھے اپنے گھوڑے موڑنے لگے۔ اسی وقت پہلو کے خیمے سے بوڑھی بھیانک مردانہ چیخ نے اسے جھنجھوڑ ڈالا اور وہ بلبلا اٹھا۔ دروازے پر لوہے کے ڈانڈوں والے نیزوں کی انیوں میں اڑسی ہوئی مشعلیں جل رہی تھیں اور سبز استنبولی ریشمیں پردہ پڑا تھا جس پر چاندی کے تاروں سے قرآن پاک کی آیتیں کڑھی ہوئی تھیں اور جو شامی ابتدائی سردی کی برفیلی ہوا میں لرز رہا تھا وہ مع گھوڑے کے اندر گھس گیا۔ اندر سے کشادہ خیمے کے بیچوں بیچ شہتیر سے ایک بوڑھا آدمی بندھا ہوا تھا جس کی سفید بچی کھچی داڑھی کانپ رہی تھی اور ننگے جسم کے تازہ زخموں سے خون بہہ رہا

Scanned by iqbalmt



تھا اور اس کے سامنے ایک آدمی چھوٹی سی مشعل لئے پھونک ڈالنے کے انداز میں کھڑا تھا۔ ابھی وہ اس منظر کے خوف پر غالب نہیں ہو پایا تھا کہ ایک لمبے تڑنگے آدمی نے اس کے گھوڑے کی زنجیریں تھام لیں۔ اس کی ایک بغل میں ایک پھول سی لڑکی فتراک کے شکار کی طرح پھڑ پھڑا رہی تھی۔ اس کے گھوڑے کو ڈھکیل کر خیمے کے باہر کر دیا گیا۔ وہ بوڑھا آدمی اسی طرح چیختا رہا اور وہ دروازے پر کھڑا استتا رہا۔ ایک سوار نے اس کے گھوڑے کی راسیں شاہی بارگاہ کی طرف پھیر دیں اور وہ چلنے لگا اور اسی رات کی اس مقدس گھڑی میں جب فرشتے آسمانوں سے نزول کرتے ہیں اور گنہگار انسانوں اور بدنصیب قوموں کے آنسوؤں سے بھیگے ہوئے تقدیر نامے سروں پر رکھ کر لے جاتے ہیں اور عرش اعظم کا پایہ پکڑ کر خدائے قہار اور خدائے کریم کے حضور میں گڑگڑاتے ہیں اور تقدیریں بدل ڈالنے کا پروانہ حاصل کرتے ہیں۔ رات کی اسی برگزیدہ گھڑی میں اس نے گھوڑے کے ایال اور تلوار کا قبضہ پکڑ کر آنسوؤں سے وضو کی ہوئی آواز میں خدا سے دعا مانگی کہ اگر ہمارے امتحان اور عذاب کا زمانہ ختم ہو گیا ہو تو مجھے وہ حوصلہ اور طاقت عطا کر کہ میں ان ناپاک بھیڑیوں کو اپنی متبرک سرزمین سے ڈھکیل کر سمندر میں غرق کر دوں اور اگر یہ سعادت میرے مقدر میں نہیں ہے تو ابھی اور اسی وقت اور اسی گھڑی مجھے موت عطا کر دے۔ پھر ایک خیمے سے بڑی سریلی آواز آئی۔ اس نے راسیں کھینچ لیں اور سننے لگا۔

"میرے بال مشک کے دریا کی پرشور موجیں ہیں۔

میری آنکھوں کے آبگینوں میں وہ شراب چھلکتی ہے جس کے لئے فرشتے آسمانوں پر عبادت کرتے ہیں۔

اگر سورج اور چاند کو ایک ساتھ دیکھنا ہو تو میرا گریبان کھولو اور میری رفتار کا دوسرا نام ہی گردش ایام ہے۔"

وہ گھوڑا بڑھا کر خیمے کی جھری پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ ولایت دمشق کے سب سے بڑے عامل فضیل کی مشہور کنیز مغیرہ حوا کا لباس پہنے مشعلوں کی روشنی میں تڑپ رہی تھی، اور گا رہی تھی اور بعلبک کا عامل عیاز صلیبی افسروں کے کانوں سے خوشامدانہ سرگوشیاں کر رہا تھا۔ وہ ساری رات بکتر کے تابوت میں دفن گھوڑے کی پیٹھ پر گزارا رہا۔





لوئی ہفتم شام کے شمالی مضافات کو تاراج کر کے واپس آ رہا تھا اور شہنشاہ کونریڈ بعلبک کو غارت کر کے لشکر اٹھا چکا تھا۔ ملکہ ان دونوں لشکروں کے انتظار میں پڑی ہوئی تھی اور چاہتی تھی کہ ان کے ساتھ ہی دمشق پر یلغار کرے اور ایک ہی ریلے میں فیصلہ کر دے۔ صبح کی نماز کے بعد ہی الیس نے اسے خبر دی کہ دن میں آرام کر لو کیونکہ آج رات دمشق کی فصیلوں پر شب خون کے پرچم اڑائے جائیں گے۔ پھر اس نے ملکہ سے تصدیق کی اور بدحواس ہو گیا۔ جب قحطان سے ملاقات کی کوئی صورت نہ نکلی تب وہ ملکہ کو پرچا کر زرافشاں کی سیر کو نکلا اور تھوڑی دیر بعد ملکہ اپنی خدمت گزار عورتوں کے ساتھ مچھلی کے شکار میں پھنس گئی۔ وہ گھوڑا اٹھا کر "برج فتح" کے سنسان دروازے پر آیا۔ یہ برج عماد الدین زنگی نے اپنی فتح کی یادگار میں بنوایا تھا جو ایک طرف جبل لبنان کے جنگلی راستوں اور دوسری طرف زرافشاں کے اتاروں کی نگہبانی کرتا تھا لیکن اس کی فوجی اہمیت ختم ہو چکی تھی اور وہ شکاریوں کی قیام گاہ بن کر رہ گیا تھا۔ اس نے چاروں طرف گھوم پھر کر اطمینان کیا، پھر راسیں دروازے کے قلابے میں باندھیں اور تلوار کھینچ کر پوری احتیاط سے برج کی آخری منزل پر چڑھ گیا۔ اس نے شیرازی کبوتروں کا جوڑا طاقچوں سے اتارا۔ ایک کبوتر کو پکڑ کر گالوں سے لگایا اور گردن پر بوسہ دیا اور ذبح کر کے دوسرے کبوتر کو رنگ دیا اور ہوا میں اچھال دیا۔ وہ دمشق کی طرف اڑتے ہوئے کبوتر کو آنکھوں پر ہتھیلی کا چھجہ بنائے دیر تک دیکھتا رہا۔ جب وہ کھو گیا تو پھر مردہ کبوتر کو پھینک کر بھاری بھاری قدموں سے نیچے اتر آیا۔ برج فتح کا ایک چکر لگا کر وہ کانٹے دار جھاڑیوں اور کھجور کے درختوں میں کھوئے ہوئے چشمے کے کنارے آیا اور وضو کرنے لگا۔ بڑی دیر تک پوری محویت کے ساتھ اپنے خدا کو یاد کرتا رہا اور دمشق کی حفاظت کی دعا مانگتا رہا۔

شام ہوتے ہوتے شہنشاہ کونریڈ آ گیا اور آتے ہی طبل جنگ پر چوٹ لگا دی۔
رات چڑھتے چڑھتے پچاس ہزار بکتر پوش سواروں کا جرار لشکر دمشق پر شب خون کے لئے چڑھ دوڑا۔ آگے آگے لوئی ہفتم بیس ہزار سواروں کے ساتھ چل رہا تھا۔ اس کے پیچھے جرمانیہ کے دس ہزار مشہور سورما پیدل تھے۔ ان کے عقب میں کونریڈ شمالی یورپ کے بیس ہزار لشکر

Scanned by iqbalmt



کوکمان کی طرح پھیلائے ہوئے آرہا تھا۔ ابھی مشرق کی پیشانی پر سیاہی مسلط تھی کہ مسلح آدمیوں کا سمندر دمشق کی فصیل کے نیچے چھائے ہوئے باغوں کے سامنے آگیا۔ کونریڈ کے نقشے کے مطابق لشکر کو بابِ مغرب پر ہلّہ کر کے شہر میں گھس جانا چاہئے تھا لیکن اس کی گزارش پر ملکہ نے لوئی کی زبان سے مشورہ دیا کہ لشکر اس طرح پھیلا دیا جائے کہ شمالی مغرب اور جنوب کے دروازے ہدف بن جائیں اور زور کر کے تین طرف سے شہر میں داخل ہونے کی کوشش کی جائے کونریڈ نے بحث میں وقت کھونے کے بجائے اتفاق کرلیا۔ سارا لشکر باغوں میں پھیل کر چلنے لگا۔ ابھی وہ پتھر کے ان مکعب مکانوں سے دور تھے جو شہر پناہ کے دمدموں کا کام انجام دیتے تھے کہ درختوں سے نفظ کی ہانڈیاں برسنے لگیں جن کی چیختی ہوئی ہولناک روشنی موت کے خنجر کی طرح لپکنے لگی اور کونریڈ جیسا جانباز مجاہد گھوڑے سے اتر کر مسیح کی دہائی دینے لگا۔ میلوں میں پھیلے ہوئے لشکر کی ایک ایک انچ زمین نالوں، فریادوں اور آنسوؤں سے چھلک اٹھی۔ جب ہانڈیوں کا زور کم ہوا تو تیروں، نیزوں اور پتھروں کی بارش شروع ہوئی تب افرنجیوں نے سنبھالا لیا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر دھاوا کیا اور اپنی صفوں کو قائم کر کے چلے۔ اب درختوں پر چھپے ہوئے مسلمان سپاہی پھاندنے لگے اور جنگ مغلوبہ شروع ہوگئی۔ لوئی جس سے ایک عورت نہیں سنبھلتی تھی اس یلغار کو کیا سنبھالتا واپسی کا قرنا پھونک کر پیچھے ہٹ آیا۔ اب شہنشاہ کونریڈ نے نیزوں پر مشعلیں چڑھائیں۔ باب شمال کی کمان اپنے بھتیجے کو سونپی اور فرانس کی بدترین فوجوں کی ہمت بندھانے چلا اور آتے ہی آتے فرانس کی چھوڑی ہوئی جگہ کو اپنے سواروں سے بھر دیا۔ جرمانیہ کے سوار گھوڑوں سے اتر پڑے اور اپنی شہرت کے مطابق زمین پر گھٹنے گاڑ کر مسلمانوں کے سیلاب کو نیزوں پر واقعی روک لیا۔ وہ ملکہ پر اپنی تکونی ڈھال کا سایہ بنا میدان سے دور کھڑا رہا۔ اور خود کے چہرہ پوش میں بند ہونٹ مسلمانوں کی فتح کی دعا مانگتے رہے۔ صبح ہوتے ہوتے لشکر کا ایک حصہ کٹ چکا تھا اور کونریڈ باغوں سے پیچھے ہٹ آیا تھا اور مسلمان اپنی کمین گاہ میں واپس چلے گئے اور دوپہر ہوتے ہوتے سینٹ پال کی مقدس صلیب ایک ڈھلواں گاڑی پر چڑھ کر آگئی جسے بارہ کنواریاں اور چوبیس اسقف سفید داڑھیوں پر سیاہ لباس پہنے انجیل مقدس کی دعائیں پڑھتے روتے ہوئے اور عقب میں کل بوج لئے آگئے۔ ملکہ نے اسے دیکھتے ہی



سینے پر صلیب بنائی اور رو رو کر مسیح کے غضب کو اکسانے لگی۔ لاشوں سے پھلے ہوئے باغوں کو دیکھ کر تازہ دم لشکر جوش و خروش سے نعرے لگانے لگا۔ بڑے بڑے نائٹ طبقہ داؤد یہ اور اسپیطار کے شہسوار ہاسپٹلرز کی آبرو اور ٹمپلرز کے نام لیوا صلیب کے سامنے گر کر شہید ہو جانے کی قسمیں کھانے لگے۔ خود کونریڈ ننگے سر آیا اور بڑی دیر تک کھڑا آنسو بہاتا رہا۔ پھر سیکڑوں دبابے اور منجنیقیں باغات پر پتھر برساتی رہیں۔ لمبی چوڑی ڈھالوں کے سائے میں افرنجی سورما خاص کونریڈ کی کمان میں لیٹ کر آگے بڑھنے لگے اور ایسا معلوم ہوا کہ باغوں کے مورچے، مکعب، سنگین مکانوں کے دمدمے اور شہر پناہ کی کمین گاہیں سب مٹی کے کھلونوں کی طرح ٹوٹ پھوٹ کر بہہ جائیں گی۔ اس نے اپنے حواس کو درست کیا اور ملکہ کو سمجھا بجھا کر گھوڑے اڑاتا ہوا اسقف اعظم کے پاس پہنچا اور لوئی کی پشت پناہی میں ارشاد کیا کہ شہر پناہ کا مشرقی حصہ اتنا کمزور ہے کہ آپ پہنچتے پہنچتے شہر پناہ میں داخل ہو جائیں گے۔ اس بات میں وزن اس لئے محسوس ہوا کہ بہر حال وہ حصہ شہر کی پشت پر تھا اور وہاں حملہ آور غنیم اپنا وقت غارت کرنے کے بجائے پہلے ہی سامنے کے مغربی حصہ پر ٹوٹ پڑنا آسان سمجھتا تھا۔ ملکہ کی سوگوار صورت، دردناک آواز اور لوئی کا جھلسا ہوا زرہ بکتر کام آیا اور صلیب مقدس مشرق کی طرف چلنے لگی۔ کونریڈ جو دبابوں اور منجنیقوں کے سائے میں باغ پر نازل ہو چکا تھا اور ایک حد تک عبور کر چکا تھا اس نئے حکم پر بوکھلا گیا لیکن اسقف اعظم کے حکم کی تعمیل پر مجبور ہو کر پیش قدمی کرتے ہوئے سارے لشکر کو لپیٹ کر شہر پناہ کی مشرقی دیوار کے نیچے ڈال دیا۔ اس کارروائی میں شام ہو چکی تھی۔ لوئی ہفتم نے کمر کھولنے کا قرنا بجوا دیا۔ کونریڈ بھی گھوڑے سے اتر آیا۔ بادشاہوں اور نوابوں کے لئے خیمے نصب ہو رہے تھے کہ ہنگامہ مچ گیا۔ اب صلیبی لشکر کے آگے شہر پناہ کی اونچی مضبوط دیواریں اور نیچے بنجر زمین تھی جو کچھ دور چل کر ببولوں کے ناقابلِ عبور جنگل سے مل جاتی تھی۔ بائیں بازو پر کچی فصلوں کے کھیت تھے جن کے سلسلے دمشق کے مشہور عالم باغات تک چلے جاتے تھے اور داہنی طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا غیر آباد علاقہ تھا۔ ان میں اکا دکا پانی کے چشمے تھے جن کو زہر ڈال کر بیکار کر دیا گیا تھا۔ جب کونریڈ کا ذاتی دستہ پانی ڈھونڈ کر ہار گیا تو زرافشاں کی طرف چلا لیکن اب زرافشاں کے مشرقی کنارے پر اس کے چچا اور شام کے مشہور سپہ سالار اسد الدین شیر کوہ تازہ دم بکتر پوش

Scanned by iqbalmt



مجاہدوں کا سمندر لئے کھڑے تھے جن کی موجوں نے زرافشاں کی روانی چھین لی تھی۔ حکم سے معذور اور پیاس سے مجبور سپاہیوں نے باگیں اٹھا دیں اور شیرکوہ نے انھیں کاٹ کر پھینک دیا۔ کوئی تلوار کا مارا خوش نصیب زندہ بچ گیا اور یہ خبر بد سنائی۔ اس نے گھوڑے کی پیٹھ ہی پر گردن جھکا کر خدا کا شکر ادا کیا۔ کونریڈ جس کے لنگر سے گھوڑا دھچکتا تھا چنگھاڑتا ہوا نکلا اور المانیہ سے انتر دتک اپنی تاریخ رکھنے والے نامی گرامی خاندانوں کے شمشیرزنوں کو نام لے لے کر پکارا اور پانچ ہزار سواروں کے ساتھ جن میں صرف نائٹس بائیس سو تھے پانی لینے چلا اور جاتے ہی جاتے شیرکوہ پر ٹوٹ پڑا لیکن ہزاروں لاشیں اور ان کی دوگنی مشکیں اور ان سب سے زیادہ قیمتی اپنی آبرو کھو کر صرف جان بچا سکا۔ وہ ساری رات سوتے جاگتے خدا کا شکر ادا کرتا رہا۔

ملکہ جو صلیب کے نام پر مشرقی شہروں اور قلعوں کا شکار کھیلنے نکلی تھی دمشق کے نقصان زدہ محاصرے سے اکتا گئی تھی اور لوئی کی لجلجاتی قربت سے اکسانے لگی تھی دمشق کے مشرق میں دور دراز مقامات سے رسد لانے والے لشکر پر امیر ہو کر ستاروں کی چھاؤں میں سوار ہوئی۔ مسلح نارمن عورتوں کے ہجوم میں وہ اس کی باگ سے باگ اڑاتا چلا جا رہا تھا۔ جربہ کے چھوٹے سے ویران قصبے کو کوستے ہوئے جب وہ آگے بڑھے تو دمشق بیس میل پیچھے چھوٹ چکا تھا۔ اس صحرائے شام کے سلسلے نظر آنے لگتے تھے جس کا سلسلہ عربستان تک چلا جاتا ہے اور جہاں کا موسم دن رات میں دو مرتبہ کینچل بدل لیتا ہے اور مستقل طور پر دمشق سے مختلف رہتا ہے۔ یہاں اس نے ببول اور سنا کے جنگلوں کے ٹیڑھے میڑھے راستوں میں الجھا کر ملکہ کو لشکر سے کاٹ لیا اور لشکر کی سمت مخالف میں اڑا لے گیا۔ پلٹ کر دیکھا تو گرمی سے پریشان ایلس، اس کی کچھ رفیقوں اور ذات خاص کے محافظ رسالے کے چند سواروں کے سوا کوئی نہ تھا۔ اب دھوپ تیز اور ہوا معتدل ہونے لگی تھی اور زرہ بکتر جلنے لگے تھے اور پانی کی چھاگلیں خالی ہونے لگی تھیں اور ملکہ کا ''آبدار خانہ'' لشکر کے ساتھ بچھڑ چکا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر ملک شاہ سلجوقی کی ویران رصدگاہ کے سامنے اتر پڑا جو لاتعداد کھجوروں کی چھتریوں میں منہ چھپائے کھڑی تھی۔

اس کی اکثر چھتیں گر چکی تھیں، دروازے نکل چکے تھے اور فرش کے منقش پتھر



غائب ہو چکے تھے۔ داخلے کی محراب میں لوہے کے بجائے کانٹے دار جھاڑیوں کا دروازہ کھڑا تھا جسے اس نے تلوار سے گرا دیا۔ اس کے ارد گرد سواروں کو پھیلا کر اندر داخل ہوا اور لق ودق صحن میں اتر پڑا۔ اس کے وسط میں آٹھ دس سیڑھیوں کے نیچے باؤلی کا سبز پانی مردہ پڑا تھا اور اس کے چاروں طرف چبوترا تھا جس پر کنیر اور کھجور کے درخت تھے اور ہر چہار طرف بھورے پتھر کے کوشک اور دوہرے دالان اور صحنچیاں تھیں جن کی چھتیں گر چکی تھیں یا گرنے کا انتظار کر رہی تھیں اور اب جن میں کبوتر اور ابابیلیں پڑاؤ کئے ہوئے تھیں اور ملک شاہ سلجوقی کو دعائیں دے رہی تھیں۔ داخلے کی محراب پر بھاری قبہ تھا جس کے بیٹھے ہوئے زینے پر وہ تلوار ٹیک کر چڑھ گیا۔ قبہ سلامت اور خشک تھا۔ وہ نیچے اترا اور اپنے گھوڑے محراب میں اس طرح دھانس کر باندھ دیئے کہ وہ زندہ پھاٹک ہو گئے۔ ایلس نے کنیر کی گھنی چھاؤں میں چادر بچھا دی اور ملکہ کا بکتر کھولنے لگی۔ ملکہ زرد مخمل کا زیر جامہ پہنے اٹھتے آفتاب کی چڑھتی گرمی میں وسیع وعریض باؤلی کے ٹھنڈے ہرے پانی کو گھور رہی تھی اور آستین چڑھا رہی تھی اور وہ ان کے جسم کی قاتل گولائیوں میں کھو گیا تھا۔ پھر وہ بیدار ہوا اور ایلس سے اپنا بکتر کھلواتے ہوئے بولا۔

''اگر ملکہ عالم غسل فرمائیں تو میں ہٹ جاؤں۔''

ملکۂ عالم اپنے سرخ بالوں کی ریشمی رسی کھول رہی تھیں۔ وہ اپنا بکتر ایلس کے حوالے کر صرف تلوار لے کر باؤلی میں اتر گیا۔ گھوم کر دیکھا کوئی صورت اس کے سامنے نہ تھی۔ اس نے اطمینان سے وضو کیا اور کنکھیوں سے ملکہ عالم کے بدن کو دیکھتا ہوا محراب میں آیا، اپنے ابلق کی گردن تھپتھپائی اور اسی کا زین پوش لے کر قبے پر چڑھ گیا۔ تھوڑی دیر وہ اس پر فضا مقام پر سکوت کے عالم میں بیٹھا رہا۔ پھر کبوتروں کی بیٹ سے سفید فرش پر زین پوش بچھا کر نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اتنے دنوں بعد خدا کے حضور میں پہنچا تو خشیت الٰہی کا غلبہ ہوا اور وہ بڑی دیر تک روتا رہا اور پوری محویت کے ساتھ نفلیں پڑھتا رہا۔ معلوم نہیں کب تک پڑھتا رہا۔ ایک بار اس نے سلام پھیرا تو ملکہ سامنے کھڑی تھیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گھورتے رہے۔ جب نگاہوں میں تحیر کی جگہ اجنبیت اور بے اعتمادی بڑھنے لگی اور ملکہ کے بھیگے سرخ بالوں سے دو موتی ٹپک کر ان کی نیلی آنکھوں

Scanned by iqbalmt



کی لمبی پلکوں پر تھرتھرانے لگے اور وہ پلکیں جھپکانے لگیں۔ تب اس نے بیٹھے ہی بیٹھے اپنے سامنے سے تلوار اٹھائی اور اسے ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔ ملکہ نے اس کی طرف دیکھے بغیر دھیمے اور تلخ لہجے میں پوچھا۔

"تم...... تم مسلمان ہو؟"

اس نے گویائی کی ساری طاقت سمیٹ کر بھاری اور مضبوط آواز میں جواب دیا۔

"ہاں خدا کا شکر ہے کہ ہم اس کے سچے دین اسلام کے نام لیوا ہیں۔"

"جھوٹے بھی ہو۔"

"غدار بھی ہو۔"

"جاسوس بھی ہو۔"

انھوں نے دیوار کا سہارا لے لیا تھا اور کانپنے لگی تھیں اور ان کی آواز تھرا گئی تھی۔

"ملکۂ عالم...... ہمارے کان ایسے خطابات سننے کے عادی نہیں۔ اگر ان الزامات میں سے کوئی بھی صحیح ہوتا تو آپ جام بہشت کے کنارے شیر کا لقمہ بن چکی ہوتیں۔"

"نہیں، تم نے وہ خدمت ہماری نگاہ میں اعتبار حاصل کرنے کے لئے انجام دی...... تم نے اس شجاعت کی بہت بڑی قیمت وصول کی...... تم نے مغرب کی ایک جلیل المرتبت ملکہ کی ناموس کے لئے سازش کی...... تم نے جون دی نائٹ بن کر ہمارے شب خون کا منصوبہ مٹی میں ملا دیا۔ تم نے دمشق کے محاصرے میں ہمارے جرّار لشکر کو دغا دی اور اسے پیا سا مار دیا۔ اور اب......"

"اب ہمارا خیال ہے کہ ہم جون دی نائٹ کے شامی سواروں کی حراست میں ہیں۔ وہ وقت دور نہیں جب ہمارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں گی اور ہم گندے اونٹ پر سوار دمشق کی ناپاک گلیوں میں گشت کر رہے ہوں گے...... اور شیر کوہ یورپ کو ذلیل کر دینے والی شرطوں کا مسودہ رقم کر رہا ہو گا۔"

"قبل اس کے کہ بیان کئے ہوئے اندیشوں میں سے کوئی اندیشہ مکمل ہونے کی جسارت کرے...... قبل اس کے کہ ملکۂ عالم کے ناچیز سواروں کے گھوڑوں کی طرف کوئی ناپاک ہاتھ بڑھے...... قبل اس کے کہ ملکۂ عالم کے راستے پر کوئی بے ادب نگاہ اٹھے ہمارا



سر آپ کے قدموں میں لوٹتا ہو گا۔"

یہ کہہ کر اس نے تلوار بے نیام کر دی جس کی جھنکار سے تنبو گونج گیا اور نائٹوں کی طرح گھٹنوں پر گر کر تلوار کے پھل کو بیچ سے چوم کر دونوں ہتھیلیوں پر رکھی اور اسی طرح بیٹھا رہا۔ ملکہ اس کا چہرہ پڑھتی رہیں اور آنسوؤں کے دو قطرے ان کے رخساروں پر لرزنے لگے۔

"ملکۂ عالیہ مسلمان اپنے دین کے بعد اپنی تلوار کی ناموس کے لئے جیتا اور مرتا ہے۔"

ملکہ نے تلوار اس کے ہاتھوں سے اٹھا کر نیام کر دی اور جانے کے لئے مڑیں۔ اس نے اٹھ کر بازو پکڑ لیا اور اس نے دیکھا کہ جنت کی سب سے حسین حور زرد مخملی لباس پہن کر اس کے سینے سے لگ گئی ہے۔ وہ اسی طرح کھڑے رہے۔ کئی یگ بیت گئے، کئی صدیاں بیت گئیں۔ جس کے پاس جتنے آنسو تھے اس نے لٹا دیئے۔ جب آنکھیں سوکھ گئیں اور ملکہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ دونوں مسکرا دیئے۔ معصوم بچوں کی سی بے لوث، بے ساختہ مسکراہٹ بھی کتنی مہنگی ہوتی ہے جو کسی کسی کو اور کبھی کبھی نصیب ہوتی ہے۔

شام قریب تھی اور وہ دمشق سے دور تھے کہ ایک لشکر طلوع ہوا جس کے سر پر فرانس کا پرچم سایہ کئے ہوئے تھا۔ سپہ سالار ملکہ کو سلامی دے کر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

ہمارے لشکر نے محاصرہ اٹھا لیا ہے اور حمص تک پیچھے ہٹ گیا ہے۔ آپ ہماری رہنمائی میں تشریف لے چلیں۔"

ملکہ نے داہنے ہاتھ پر چھلبل کرتے گھوڑے پر سوار اور دھوپ میں جگمگاتے بکتر میں ملبوس جون دی نائٹ کو دیکھا تو اس نے آنکھیں جھکا لیں۔ جب وہ حمص کے نیچے صلیبوں کی قیام گاہ میں پہنچا تو معلوم ہوتا تھا کہ مُردے قبر سے نکل آئے ہیں۔ اجڑے ہوئے تاریک خیموں میں سپاہی غلّے کی بوریوں کی طرح دھنسے پڑے تھے۔ دھندلی دھندلی آگ کی روشنی میں...... وحشت ناک ٹمٹماتی آنکھیں پھاڑے ایک دوسرے کے دل میں جھانک رہے تھے۔ ایک ایک تلوار کے بدلے ایک ایک روٹی مانگ رہے تھے اور مردہ گھوڑوں کا گوشت بھون رہے تھے۔ ننگے جسموں سے تیر نکالے جا رہے تھے جیسے مچھلی کے فتلوں سے کانٹے کھینچے جاتے ہیں۔ ایک آدمی ایک زخمی کی چھاگل کھول رہا تھا اور وہ مسیح کا واسطہ دے کر ایک

Scanned by iqbalmt



گھونٹ پانی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ اس کے آگے پیچھے چلنے والے سوار اپنے گھوڑوں سے کچلے جانے والوں کی فریادوں کے لئے بہرے ہو گئے تھے۔ کونریڈ اور لوئی ہفتم حمص کے قلعے میں مقیم تھے۔ بیرونی حصہ کونریڈ کے قبضہ میں تھا اور اندرونی عمارتوں پر لوئی ہفتم کا عمل دخل تھا۔ تیسری منزل کا ایک ہشت پہل برج اس کی حفاظت میں دیا گیا ہے خبر گرم تھی کہ مسلمانوں کا تازہ دم لشکر رات کو دھاوا کرے گا اس لئے بھوکے پیاسے زخمی شکست خوردہ ایک لاکھ کے لشکر کو کمر بستہ رہنے کا حکم تھا۔ وہ سوکھے گوشت کے ٹکڑے اور لکڑی کے مانند سخت بسکٹ پانی کے ساتھ نگل کر اور دیوار سے ڈھال لگا کر نیم دراز ہو گیا اور اپنے اس خوف کو بھٹکانے کی کوشش کرنے لگا جو اس کے دل پر منڈلا رہا تھا۔

اس رات جب وہ تیسری منزل کی تمام برجیوں کا چکر کاٹ کر اپنے خیمے میں بچھی ہوئی شام کی جوان چاندنی پر بیٹھا تھا اور سنسان صحن کے اس پار نیم روشن دالانوں میں پہرہ دیتی ہوئی عورتوں کے سائے انسانی ستونوں کی طرح ساکت ہو گئے تھے اسی وقت اس نے ایک پرچھائیں دیکھی جو اپنے سیاہ لبادے کے دامنوں کو زمین پر ڈالے ہوئے وقار کے ساتھ اس کے برج کی طرف آ رہی تھی۔ ان کے آتے ہی اس نے ان تمام دروازوں پر پردے ڈال دیئے جو عمارت کے دوسرے حصّوں سے نظر آتے تھے۔ صرف ایک دروازہ جو نیچے چوڑی چکلی خندق کے سامنے تھا، برہنہ رہا۔ اس کے راستے سے برج کے فرش پر چاندنی کا پتلا سا بستر بچھا رہا۔ پھر اس نے اپنے دستانہ پوش ہاتھوں سے سینے پر ڈھیر ریشم کے گچھوں کو اٹھایا تو ملکہ کی آنکھوں، رخساروں اور صلیب کے ہیروں نے سارے برج کو منور کر دیا۔ پھر ان کی آواز کے ترنم سے سارا برج کھنکنے لگا۔

"تم کون ہو..... کہاں کے ہو..... کیا ہو..... اپنے خدا کی قسم ہم کو بتلاؤ۔"

"ہمارا نام یوسف ہے۔"

"اور؟"

"ہم والیٔ دمشق کے ولی عہد ہیں۔"

"اور؟"

"اور؟..... اور یورپ کی ایک عظیم الشان ملکہ کے ناچیز....."



ملکہ کے ہاتھوں نے اس کے ہونٹوں کو جملہ مکمل کرنے کی اجازت نہ دی۔

"تم مشرق کے کس شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟"

"مشرق کے شاہی خاندانوں کی ماں تلوار ہوتی ہے جو ہماری کمر میں موجود ہے اور جس پر ہمارا حق محفوظ ہے۔"

"نہیں، تم عرب ہو یا سلجوقی..... عباسی ہو یا فاطمی؟"

"ہم کرد ہیں جنھوں نے عرب پر گھوڑے اٹھائے ہیں اور عجم پر جھنڈے اڑائے ہیں۔"

"تم جانتے ہو کہ ہم کون ہیں؟"

"آپ کے لئے یہی سب سے بڑا شرف ہے کہ ہم آپ کے....."

دمشق کے مشہور عالم گلابوں سے کہیں نازک ہاتھ نے اس کو روک دیا۔

"ہماری ذاتی ریاست "اینٹیک" فرانس کی سلطنت سے کہیں بڑی ہے، زرخیز اور آباد ہے۔ فرانس کا تخت "اینٹیک" کا محتاج ہے۔ "اینٹیک" کا تخت فرانس سے بے نیاز ہے۔ ہم چاہتے ہیں..... اس تاریکی میں کوئی ستون ہماری جاسوسی تو نہیں کر رہا ہے؟"

اس نے ملکہ کو سینے سے الگ کیا۔ تلوار کھینچ کر باہر نکلا، ہر طرف سے اطمینان کر کے واپس آیا۔

"ہماری آرزو ہے کہ تمہارے سوا کوئی آرزو نہ کریں۔"

"کیا اچھا ہوتا کہ تمہارے سر پر "اینٹیک" کا تاج ہوتا اور تمہارے قدموں میں "اینٹیک" کا تخت۔"

"لیکن ملکۂ عالم۔"

"مذہب تمہاری ذاتی چیز ہے جسے تم اپنی ذات کی تنہائی تک محدود رکھ سکتے ہو۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟"

"بادشاہت کے دوسرے ناگوار لوازمات کی طرح چند مذہبی رسوم کی ظاہری بجا آوری بھی برداشت کی جاسکتی ہے۔"

"لوئی؟..... لوئی کو پرانے تاج کی طرح تبدیل کیا جاسکتا ہے۔"

Scanned by iqbalmt



''لیکن تم چپ ہو۔''

''تم بولتے کیوں نہیں؟

''بولو...... تمہاری بھیانک خاموشی سے ہماری ہڈیاں پگھلی جاتی ہیں۔''

''تم خاموش ہو...... محبت ایک لفظ ہے جسے زبان کی ایک حقیری لغزش ادا کر دیتی ہے لیکن اس پر ثابت قدم رہنا بڑے بڑے بادشاہوں کے لئے بھی دشوار ہے۔''

''یوسف...... اگر تم مشرق میں ایک سلطنت پیدا کر سکو اور ہم کو مذہب کی ذاتی آزادی دینے کا وعدہ کرو تو ہم مغرب کا ایک جلیل المرتبت تاج اتار کر ایشیائی گورنر کے چھوٹے سے ولی عہد کی سوتی پگڑی قبول کر سکتے ہیں۔''

''تم اسی طرح ساکت ہو...... لوئی کا خیال تھا کہ ہم آدمیوں کو پرکھنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے...... لیکن آخر کار اس کی بہت سی باتوں کی طرح یہ بات بھی ناقابلِ قبول ہوئی۔ ہم نے جب تم کو دیکھا تو محسوس کیا کہ ہم نے جس چیز کے لئے ایشیا میں نزول فرمایا تھا وہ میسر آ گئی۔ جب تم نے ہمارے ذاتی رسالہ داروں کا شاندار لباس زیب تن کیا تو اس خیال کو اور تقویت ہوئی اور جب تم نے خالص ایشیائی شہزادوں کی جلادت کا اظہار کر کے ہماری زندگی کا سب سے بڑا شیر گیدڑ کی طرح شکار کیا تو ہمیں لوئی کے قول پر الہام کا دھوکا ہوا اور اپنی نگاہ پر ناز لیکن......

''لیکن اس وقت انکشاف ہوا کہ ہم نے چاندنی سے قبا تراشنے کی کوشش کی تھی، ہم نے سنگین مجسموں سے رقص کی فرمائش کی تھی، ہم نے ایشیائی افسانوں کو حقیقت میں بدل دینے کا خواب دیکھا تھا۔''

''ملکۂ عالم۔''

''مشرق کے گورنر کے ولی عہد، ہمارے دیس کی کنواریاں دغاباز عاشقوں کا خون پی لیا کرتی ہیں لیکن تم۔''

''ملکۂ عالم...... تاج بادشاہوں کے لئے اتارے گئے ہیں۔ اگر کوئی بیوقوف سپاہی اپنے سر پر رکھ لیتا ہے تو تاج کا کچھ نہیں بگڑتا سپاہی کی گردن تلوار کا غلاف ہو جاتی ہے۔''

''تمہاری صورت کی طرح تمہاری زبان میں بھی جادو ہے۔ کاش......''



جملہ مکمل ہونے سے قبل برج ان کی خوشبو دار روشنی سے خالی ہو گیا اور پہلی بار اسے اپنی غربت کا احساس ہوا۔ ایسی غربت جو بادشاہت سے کم پر رضامند نہیں ہو سکتی۔ پہلی بار اسے اپنے سینے میں خنجر سا تیرتا محسوس ہوا۔ وہ درد کی شدت بلبلا اٹھا اور برج کے باہر نکل آیا۔ دور کوشکوں کے دونوں سروں پر نیزوں کے اژدہے مشعلوں کی زبان نکالے کھڑے تھے جن کی دھندلی روشنی میں مسلح عورتیں پرچھائیوں کی طرح ستونوں سے لگی کھڑی تھیں۔ اندر آ کر اس نے خود، بکتر اور دستانوں کے کانٹے درست کئے۔ نیزہ اور ڈھال سنبھال کر نیچے آیا۔ وہ پہرہ داروں کی سوالیہ نگاہوں سے بے نیاز اصطبل پہنچا، اپنے گھوڑے پر اپنے ہاتھ سے ساز رکھ کر سوار ہو گیا۔ ملکۂ عالم کے محافظ نائٹ کی سواری دیکھتے ہی دربانوں نے پھاٹک کھول دیا۔ حمص سے نکلتے ہی ہر قدم پر دل اس کی باگ پکڑ لیتا اور انانیت آگے دھکیل دیتی۔ سورج کی پہلی کرن کے ساتھ وہ حمص کے قلعہ کی فصیل پر چڑھ رہا تھا۔

کمر بستہ لشکر سارا دن یروشلم کے بادشاہ اور کرک کے ریجینالڈ کی کمک کا انتظار کرتا رہا۔ تمام دن شہنشاہ کونریڈ، لوئی ہفتم، ملکہ ایلینور، نواب، شہزادے، نائٹ، پادری اور فوجی سردار دمشق پر حملے کا منصوبہ بناتے رہے اور وہ دن بھر ملکہ کے کمرۂ خاص کی محراب میں ہتھیار پہنے کھڑا رہا۔ ساری رات وہ سوتے میں جاگتا رہا اور جاگتے میں سوتا رہا اور ملکہ کے چہرے کی ایک جھلک کے لئے ترستا رہا۔ دوسرے دن کے غروب ہوتے ہوتے افرنجیوں کے ڈھول گرجنے لگے، قرنا چیخنے لگے۔ پہلے وہ بھی یہی سمجھا کہ شاہ یروشلم کی پیشوائی ہو رہی ہے۔ پھر انکشاف ہوا کہ دمشق کا شاہی لشکر حرکت کر رہا ہے اور پچاس ہزار سوار حمص کو تین طرف سے گھیرے ہوئے بڑھ رہے ہیں جن کے پیچھے بغدادی دبابے اور صلیبیوں سے چھینی ہوئی منجنیقیں ہیں۔ آرام سے آراستہ فوجیں اٹھیں اور گھوڑوں کی موجوں پر سوار ہو گئیں۔ آگے آگے لوئی ہفتم خالی موزوں پر مہمیز لگائے مخمل کی قبا پہنے، ننگے سر فرانسیسی نوابوں اور نائٹوں کے جھرمٹ میں نکلا۔ اس کے پیچھے فرانسیسی افواج تھیں۔ اس کے اور کونریڈ کے لشکر کے درمیان صلیب مقدس تھی جسے ستاروں کی طرح حسین کنواریاں اور فرشتوں کے مانند پُرجلال پادری اٹھائے ہوئے تھے جو آنسو لٹا رہے تھے اور بائبل کی آیتیں پڑھ رہے تھے۔ ان کے پیچھے طلایہ کے سوار تھے جو تیر انداز میں شہرت رکھتے تھے۔ ان کی کمانوں پر چڑا

Scanned by iqbalmt



چڑھا ہوا تھا اور پیٹھ پر تیروں کے گُھر تھے۔ وہ آج بھی ملکہ کے پہلو اور مسلح عورتوں کے جلوس میں گھوڑا گھوڑے کو زقند لگا رہا تھا کدار ہا تھا۔ انہوں نے سرعت کے ساتھ دریائے اردن پار کیا اور اس کے مغربی کنارے پر پھیل کر مورچے بنانے لگے۔ یروشلم، صور، عکہ اور عسقلان سے آئے ہوئے خیمے کھڑے کئے کیونکہ محاصرہ دمشق ہی کے زمانے میں شیر کوہ نے صلیبیوں کی ساری قیام گاہ لوٹ لی تھی اور پھونک دی تھی۔ اور یروشلم کے باربرداراونٹوں سے اتاری ہوئی غذا تقسیم ہوئی۔ ملکہ نے لوئی سے دور بارگاہ صلیب کے سائے اور اپنی نگرانی میں اپنے خیمے نصب کرائے اور خواب گاہ کی پشت کی چھولداری اسے عنایت کی۔ ہر طرف سے مطمئن ہو کر اس نے خنجر سے نمدے کی دیوار چاک کی اور اس کے پلنگ کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا جس کے پائے نیچے اور بستر گُھر درا تھا۔ چھوٹے نیزے کے برابر شمع کی تیز روشنی میں ملکہ اسے خالی خالی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے گھٹنوں پر جھک کر دونوں ہاتھوں میں ملکہ کا ہاتھ تھام لیا۔ گرم، ملائم، سفید، خوشبودار ہاتھ جس کا لمس اس کی روح میں سرایت کر گیا تھا۔ پھر اس نے بہشت کا وہ زندہ گلاب اپنی آنکھوں میں رکھ لیا۔

"ہمارے لئے کیا حکم ہے۔"

ملکہ نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"حکم یا مشورہ۔"

ملکہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہونٹوں پر رکھ لیا۔

"ہمارا مشورہ ہے کہ تم واپس چلے جاؤ۔ دمشق پر ناکامی میں کونریڈ کو تمہارا ہاتھ نظر آیا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ تمہاری موت ہمیں کونریڈ کے خلاف تلوار اٹھانے پر مجبور کر دے اور آپس میں لڑتے ہوئے صلیبی لشکر غلام ہو کر دمشق کے بازاروں میں بک جائیں۔"

"بس یا اور کچھ؟"

"ہاں ہماری دعا ہے کہ تم صحیح سلامت دمشق پہنچ جاؤ۔ کسی آہو چشم نمازی بنت عم سے شادی کر لو۔ لڑکے پیدا کرو اور بوڑھے ہو جاؤ اور قصر دمشق کے خنک دالانوں میں مؤدب بیٹھے ہوئے پوتوں، نواسوں سے جب دوسری صلیبی لڑائی میں اپنے کارنامے بیان کرو تو تمہاری آواز رندھ جائے، تمہاری آنکھیں بھیگ جائیں اور تم طلائی کام سے مزین آستینوں



سے آنسو پونچھ کر اٹھ جاؤ اور شہتوت کی چھاؤں اور گلاب کی جھاڑیوں کی آڑ میں بچھی ہوئی سنگ سماق کی کرسی پر بیٹھ کر روتے رہو اور جب تمہاری بے گناہ خادم نارگیلی اور نبیذ لے کر حاضر ہوں تو تم ان پر برس پڑو اور تمہاری تنہائی کی حفاظت پر زرّیں کمر خواجہ سرا ہلالی تلواریں علم کر کے کھڑے ہو جائیں۔"

پھر کوئی آواز نہ آئی......دیر تک کسی کو زبان ہلانے کا یارا نہ رہا۔

"یوسف......اگر تمہارے ہاتھ تھک جائیں اور تلوار پر زنگ چڑھ جائے تو ہمارے پاس چلے آنا۔ مسیح کی قسم۔ ہمارے قصر کے دروازے تمہیں خوش آمدید کہنے کے لئے عمر بھر کھلے رہیں گے......عمر بھر کھلے رہیں گے۔"

"ہم صبح سوار ہو کر نکلیں گے، اردن کے کسی سنسان گھاٹ پر کوئی بہانہ کر کے تم کو اترنے کا حکم دیں گے۔ وہ گھڑی......وہی گھڑی ہماری جدائی کی گھڑی ہو گی۔"

باقی تمام رات ایک دوسرے کو دیکھنے اور دیکھنے والی آنکھوں کے دیکھنے میں کٹ گئی۔

اب سامنے دریائے اردن بہہ رہا تھا۔ اس کے مشرقی کنارے پر جنگلی درختوں کا گنجان خاموش جنگل کھڑا تھا۔ ملکہ کی ذات خاص کا رسالہ علموں اور بیرقوں کی چھاؤں میں پیچھے کھڑا تھا جن کے ہتھیار اور بکتر دھوپ میں جگمگا رہے تھے۔ ان کے آگے خود ملکہ کھڑی تھی جس کے خود کی کلغی کے ہیرے دھوپ میں تڑپ رہے تھے، صلیب دمک رہی تھی اور سرخ آنکھیں سفید گھوڑے کی شعلہ رنگ کلغی پر جمی ہوئی تھیں۔ ان کے بائیں دستانہ پوش ہاتھ میں گھوڑے کی سنہری زنجیر تھی۔ داہنے ننگے ہاتھوں میں سونے کا عصا تھا جس کے سر پر یاقوت کا تاج تھا اور بدن پر جواہرات جڑے تھے۔ گھوڑا دم کو چنور کر کے گردن جھکاتا تو ملکہ کی تلوار کا زرّیں نیام گھوڑے کی آہنی پاکھر سے ٹکرا کر بج اٹھتا۔

"جون دی نائٹ۔"

"ملکۂ عالم۔"

"دریا اتر کر جاؤ اور دشمن کی خبر لے کر آؤ۔"

وہ اپنے بکتر اور تلوار کو کھڑکھڑاتا ہوا ابلق سے نیچے اترا اور مشرق کے بادشاہوں

Scanned by iqbalmt



کی طرح باوقار قدم رکھتا ملکہ کی سیدھی زرّیں رکاب کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ سرخ بوجھل، بغیر آنسوؤں کے روتی آنکھوں سے ملکہ کو دیکھا۔ نیام سے تلوار نکالی اس پر بوسہ دیا اور نیام کر لیا، ملکہ نے جو اب بھی گھوڑے کی کلغی دیکھ رہی تھیں اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ اس نے ننگے تھرتھراتے ہاتھ کی پشت پر ہونٹوں کے انگارے رکھ دیئے اور بے ادبی کی حد تک تاخیر کرتا رہا۔ پھر الٹے قدموں چل کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ نصف دستہ صفوں سے نکل کر اس کے گھوڑے کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ ملکہ نے اس کی طرف پلٹ کر دیکھا اور آخری بار سماعت کو لالہ زار کر دیا۔

"مسلمانوں کے ایک لشکر کے لئے جون دی نائٹ کافی ہے۔"

سوار اپنی جگہ قائم رہے۔ وہ گھوڑے کو ترچھا چلاتا ہوا خود کے پھجے کے سائے سے ملکہ کو دیکھتا ہوا اردن میں اتر گیا۔ کنارے پر پہنچ کر گھوڑا پھیر دیا اور اسے الٹے قدموں ڈھکیلتا ہوا ملکہ کو اسی جگہ، اسی طرح دیکھتا ہوا درختوں کے ہجوم میں کھو گیا۔

اس نے ابلق کی لگام ڈھیلی کر دی۔ جنگوں اور گھاٹیوں کے چور راستوں پر وہ چکاروں کی طرح طرارے بھرنے لگا۔ پھر وہ اس دمشق میں داخل ہوا جو ایک لمبے چوڑے بیمارستان (شفا خانہ) کی طرح کراہ رہا تھا۔ دواؤں کی بدبو مریض زخمیوں کی طرح گلی گلی اور کوچہ کوچہ لنگڑاتی پھر رہی تھی۔ گنجان بازاروں کی چہل پہل قبرستانوں میں بیٹھی عود اور لوبان سلگا رہی تھی۔ مکانوں میں مکینوں کے بجائے شہیدوں کی یادیں آباد تھیں۔ کوئی چھت ایسی نہ تھی جہاں سے فاتحوں اور نیازوں کا سیہ پوش دھواں نہ اٹھ رہا ہو۔ وہ اپنوں اور بیگانوں سے مل کر قصر دمشق کے سامنے دور تک پھیلے ہوئے میدان کی طرف چلا جہاں عیسائی زخمیوں کا ملبہ اور قیدیوں کا انبار پڑا تھا اور جن کا مقدر جنگی مجلس کے احکام کے انتظار میں سر بمہر تھا۔ ان ہی کے قریب فرانس کے دبابے، آسٹریا کی منجنیقیں اور جرمانیہ کے ہتھیار ڈھیر تھے۔ اس نے کسی نہ کسی طرح وہ زرد خیمہ جس کے سائے میں ہیلینور نے چارہ گری کی تھی حاصل کیا۔ وہ نمگیرہ مانگ لیا جس کے نیچے اسے نائٹ بنایا گیا تھا۔ وہ سامان خرید لیا جو ہیلینور کے جسم کے لمس کا امین اور اس کی پہلی محبت کا رازدار تھا، لیکن کسی چیز نے اس کے زخموں پر مرہم کا کام نہ کیا۔ دل کی ویرانی اور بے قراری اسے اس غم کے حضور میں لے گئی جو اپنی ذات کی شکست سے پھوٹتا ہے، لیکن آہنی شخصیتوں کے آسمانی حوصلوں سے نمو پا کر ساری کائنات پر چھا جاتا



ہے اور اس عظیم الشان میلے میں انسان اپنی ذات کو ٹوٹے کھلونے کی طرح بھول جاتا ہے اور ستاروں کا شکار کھیلتا ہے، ماہتابوں پر کمند ڈالتا ہے اور آفتابوں پر گھوڑے اٹھاتا ہے۔ جب اسلامی سلطنت کے سرحدی شہروں سے آنے والے بدنصیبوں کی تعداد بڑھتی گئی اور ان کے ساتھ آئے ہوئے خونی افسانوں کی سفاکی نے یقین کو زخمی کر دیا تب اس نے غنیمت میں آئے ہوئے ایک جرمن گھوڑے پر سوتی چار جامہ رکھا اور خود رومانیہ کے راہب کا زعفرانی چغہ پہنا اور آبنوس کی صلیب گلے میں ڈال کر شابک کی طرف کوچ کیا۔ شابک کو سیراب کرنے والی تین نیزوں کے برابر چوڑی نہر زبیدہ کا چمکیلا پانی دیکھتے ہی گھوڑا اچھلنے اور ہنہنانے لگا اور شہر کی سفید، بھوری اور سرخ عماتوں کا سلسلہ نظر آنے لگا جیسے کھجور کے درختوں کے نیچے مصری قالین ٹانگ دیئے گئے ہوں۔ وہ پانی سے آسودہ تھا لیکن جانور کی دلداری کی خاطر اتر پڑا۔ نہر کے کنارے دس پندرہ شامی مسلمان زرد دھاری کی پرانی میلی عبائیں پہنے بچے کھچے عمامے باندھے ہاتھ منہ دھو رہے تھے، پانی پی رہے تھے۔ اس نے گھوڑے کو چھوڑا اور ہرے بھرے کنیر کے درخت سے مسواک توڑنے لگا۔ گھوڑے نے لپک کر منہ پانی میں ڈال دیا کہ ایک طرف سے ہتھیاروں کے کھڑکھڑانے اور گنگنانے کی آواز آئی۔ ایک نائٹ زرہ بکتر پہنے (جس کے سینے پر سرخ عقاب، بائیں شانے پر جھولتی ہوئی بھاری ڈھال پر سیاہ صلیب کا نقش تھا۔) خود سے گز بھر نکلتا نیزہ باندھے گھوڑے پر سوار مسیح کے گیت کا قصیدہ گاتا چلا آ رہا تھا۔ نائٹ نے اس کو دیکھ کر سینے پر صلیب بنائی۔ اسی وقت نہر کے کنارے آدمیوں اور گھوڑے پر نظر پڑی۔ نائٹ اپنا راستہ چھوڑ کر نہر کے پشتے پر چڑھ گیا اور مسلمانوں پر گھوڑا ریل دیا اور تلوار کھینچ کر ان پر ٹوٹ پڑا۔ وہ ذبح ہوتی ہوئی بھیڑوں کی طرح چلانے لگے۔ اچھے خاصے ہاتھ پیروں کے دس بارہ آدمیوں سے یہ بھی نہ ہو سکا کہ بھاگ کر ہی اپنی جان بچا لیں۔ وہ چار چھ کو قتل کر کے بقیہ کو زخمی کر کے ان کے پاس آیا۔

"مقدس باپ ان پلید مسلمانوں نے بہاؤ پر بیٹھ کر اپنا نجس پانی آپ کے گھوڑے کو پلایا ہے۔ اس کے لئے طبقہ زادہ دیہ کا نائٹ آپ سے معافی مانگتا ہے۔"

اس نے پھر سینے پر صلیب بنائی اور بائیبل کی آیتیں پڑھتا چلا گیا اور وہ اسی طرح منہ میں مسواک دبائے مجسم حیرت بنا کھڑا رہا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے زخمی سنگین زخمیوں

Scanned by iqbalmt



اور مردوں کو رودھو کر لادے گئے اور جب وہ ہوش میں آیا تو رات بڑھنے لگی تھی اور ہوا خنک ہو چلی تھی اور گھوڑا اس کے سامنے کھڑا منہ کا لوہا چبا رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر گردن پر تھپکی دی اور سوار ہو کر شہر کی طرف چلا جس کے چراغوں سے جگنو چمکتے نظر آ رہے تھے۔ وہ بستی کی تنگ و تاریک پتھریلی گلی سے گزر رہا تھا کہ ایک مکان کے دروازے سے چراغ کی روشنی کی تھرتھراتی دھاری نظر آئی۔ اس نے گھوڑا روک لیا اور سیڑھیوں پر چڑھ کر دیکھا۔ ایک آدمی تھرتھراتی دھندلی روشنی میں مٹی کے ڈھیر کی طرح بیٹھا بکری دودھ رہا تھا۔ چاپ پر وہ کھڑا ہو گیا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے راہب کو دیکھ کر سینے پر صلیب بنانے لگا۔ اس نے مطمئن ہو کر مسیح کی رحمت کا یقین دلایا۔

''تم پر مسیح کی رحمتیں نازل ہوں...... مجھے آج کی رات اتنی جگہ دے دو کہ کمر سیدھی کر لوں۔''

''یہ...... یہ تو ہماری نجات کا سبب ہوگا مقدس باپ''

لیکن اس کی آواز پر بدحواسی کا عکس تھا اور چہرے پر مصیبت ٹوٹ پڑی تھی۔ اس کو بڑی حیرت ہوئی۔ پھر وہ اس کے ساتھ مکان میں داخل ہو گیا۔ صحن کے ایک طرف دالان میں چراغ جل رہا تھا۔ پلنگ پر ایک نسوانی سایہ دو بچوں کی پرچھائیاں سمیٹے بیٹھا تھا۔ وہ دوسری سمت کے دالان کے اس تخت پر بیٹھ گیا جس میں ایک پائے کی جگہ پتھر لگے تھے اور بیچ کے تختے نیچے جھک گئے تھے۔ پھر اس گھر میں بھونچال مچ گیا۔ اکلوتا چراغ لکڑی کا چراغ دان سمیت اس کے دالان میں آ گیا۔ دالان کے پردے کھول کر اس کے دالان کے دروں پر ڈال گئے۔ پلنگ پر کھجور کی چھال سے بھرا کپڑے کا گدا بچھایا گیا۔ گرم پانی سے اس کے ہاتھ دھلوائے گئے اور بکری کا دودھ، جو کی تازی روٹی اور خشک کھجوریں کھانے میں رکھی گئیں اور پھر اس کے گھوڑے کو اندر کے کوشک میں باندھ کر دروازے پر چٹائیاں ڈال دی گئیں اور وہ لیٹ کر کمبلوں میں لپٹ کر آج کے مقتولوں کی تقدیر کے متعلق سوچتا رہا کہ جب ان کی لاشیں گھر پہنچی ہوں گی تو بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں پر کیا گزری ہوگی اور اس کے گھوڑے کو کیسی بددعائیں دی ہوں گی۔ دوسرے دالان سے بچے کے رونے کی آواز آئی اور اس کے بستر کے قریب ایک جوان عورت آ کر کھڑی ہو گئی۔ مدھم روشنی میں بھی اس کی



آنکھوں سے بیچارگی اور چہرے سے نامرادی ٹپک رہی تھی۔ اس نے اپنے کالے، لانبے، کثیف کرتے کی کمر پر بندھی ہوئی بالوں کی رسی کھولی اور سر کا رومال اتار کر کھونٹی پر ٹانگ دیا اور کرتے کے دامن پکڑ لئے جس سے اس کے گندمی گداز گھٹنے چمک اٹھے۔

''کیا کرتا اتاروں؟''

''کیوں؟'' وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔

''میں...... میں آپ کی خدمت کے لئے۔'' اس کی آواز کا گلا گھٹ گیا۔

''خدمت؟''

پھر پردہ اٹھا کر وہ ادھیڑ آدمی اندر آ گیا جس کی گود میں دو تین برس کا ایک مرگھلا لڑکا بلک رہا تھا۔

''قرآن مجید کی قسم میرے گھر میں یہی ایک بیٹی ہے...... جسے میں نے مقدس باپ کی خدمت کے لئے بھیج دیا ہے۔ آپ اس بچے کی فکر نہ کریں۔ یہ اس کے پاس بھی روتا ہے...... یہ تو اس دن سے روئے جاتا ہے جس دن اس کا باپ اپنے آقا اور خدا کے بیٹے کے بچے خادم سے گستاخی کے جرم میں قتل ہوا ہے۔ یہ تو یوں بھی میرے پاس سوتا ہے۔ آپ سکینہ کے ساتھ آرام کریں۔ سو جائیں...... میں، میں اسے لئے جاتا ہوں۔''

وہ بلکتے ہوئے مری مری آواز میں روتے ہوئے بچے کو کندھے سے لگا کر باہر چلا گیا۔ وہ عورت اپنی کالی آنکھوں سے اس ہرنی کی طرح پردے کی درز سے جھانکتی رہی جس کا بچہ گرفتار کر لیا گیا ہو۔ وہ بڑی دیر تک اپنے کمبلوں میں لپٹا ساکت بیٹھا رہا۔ سکینہ اسی طرح کھڑی رہی۔ پھر اس نے اٹھ کر ٹھنڈے پانی سے وضو کیا اور نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ سلام پھیرا تو دیکھا کہ سکینہ کے پاس اس کا باپ کھڑا ہوا ہے اور اسے گھور رہا ہے اس نے اشارے سے ان دونوں کو رخصت کر دیا۔ رات لیٹے لیٹے کاٹ کر اندھیرے میں فجر کی نماز پڑھی اور اس گھر سے نکل بھاگا جس کے در و دیوار اسے کھائے جاتے تھے۔ جب وہ شابک کے گرجا کی چکیلی غلام گردش میں بچھی ہوئی ساگون کی کرسی پر بیٹھا ہوا گرجا کے نگہبان سے پادری کے گھر کا پتہ پوچھ رہا تھا تب ایک مسلح سوار دروازے پر گھوڑے سے اترا اور اسے غور سے دیکھ کر اپنے ساتھ چلنے کی گزارش کی۔ شابک کا عیسائی عامل بھورے پتھر کے شاندار محل کے

Scanned by iqbalmt



مخملیں سبزے پر کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔ اس کی پشت پر ہتھیار بند سپاہیوں کا ایک دستہ کھڑا تھا اور قدموں میں سکینہ کا باپ دوزانو بیٹھا ہوا تھا۔ والیٔ شابک نے کھڑے ہو کر تعظیم دی اور کرسی پیش کر کے بولا۔

''مقدس باپ اس کافر کو جانتے ہیں؟''

''ہاں میں اسی کی تلاش میں دمشق سے نکلا تھا۔ مجھے پتہ چلا تھا کہ میری مسلمان کنیز جو شام کے ایک مجاہد کی بیٹی ہے اس کے یہاں روپوش ہے۔ جب وہ مجھے اس کے گھر میں نظر نہ آئی تو میں نے مسلمانوں کے طریقے پر نماز پڑھ کر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے اور اس کنیز کو عیسائی ثابت کر سراغ لگانا چاہا لیکن شاید مجھے غلط اطلاع ملی تھی۔

عاص نے گردن ہلائی اور مڑ کر سپاہیوں کو حکم دیا۔

''مقدس باپ پر مسلمان ہونے کا پلید الزام لگانے کے جرم میں اس کی زبان کھینچ لو۔''

سپاہی اس کی طرف جھپٹے لیکن وہ بیچ میں آ گیا اور والی سے درخواست کی۔

''چونکہ اس آدمی نے میری خدمت کی ہے اور کھانا کھلایا ہے اس لئے میری خاطر اس کی خطا بخش دی جائے۔'' اور مقدس باپ کے سفارشی کلمات پر اس نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اور سینے پر صلیب بنا تا بدحواس ہو کر بھاگا۔

''ان کتوں کو ہم نے اسی خدمت کے لئے زندہ رکھا ہے۔ ان کا فرض ہے کہ ہماری چاکری کریں۔ خیر آپ فرماتے ہیں تو درگزر کی جاتی ہے۔''

شابک ہی میں اس نے اپنے اس گھوڑے کو بیچ دیا جس پر کئی مسلمانوں کا خون تھا، جو کئی خاندانوں کی بربادی کا سبب بنا تھا اور جاڑے کا موسم شابک کے قلعے اور مضافات کی چوکیوں کے استحکام کی دیکھ بھال میں گزرا۔ موسم گرما کے طلوع ہوتے ہی اس نے ایک گدھا خریدا اور کرک کی طرف چل پڑا جس کے رنجینالڈ کا ظلم مسلمانوں میں طاعون کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ ابھی کرک پہاڑیوں میں گھرے ہوئے سفید مکانوں کے کنگرے ٹھیک سے نظر بھی نہیں آ رہے تھے کہ پشت سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آئی۔ اس نے اپنے گدھے کو کنارے کر لیا۔ ایک ایک عیسائی سپاہی کے نیزے پر ایک ایک مسلمان کا سر خربوزے کی طرح ٹکا



ہوا تھا جن کی مردہ داڑھیاں خون سے لال تھیں۔ ایک سپاہی نے اسے دیکھ کر سینے پر صلیب بنائی اور مبارکبادیاں گانے والی آواز میں سروں کی طرف ابروؤں کا اشارہ کر کے بولا۔

''یہ بیچارے جنت جانا چاہتے تھے ہم نے ان کو حج کی مصیبت سے نجات دلا کر سیدھا جنت روانہ کر دیا۔''

پھر خود ہی اپنے مذاق پر اس زور سے ہنسا کہ دوسروں نے بھی تکرار کی اور پہاڑیاں قہقہوں سے گونج گئیں۔ ہزار سروں کو نیزوں میں پروئے ہوئے یہ چھوٹا سا لشکر کرک میں داخل ہو گیا۔ وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے گدھے کو ڈپٹتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ کرک کے قلعہ نما گرجا کے سامنے لشکر اتر پڑا اور میدان میں نیزوں سے سر اتار کر ڈھیر کر دیئے جس پر ڈھیروں بچے اور عورتیں ٹوٹ پڑیں اور ٹھوکروں سے الٹ پلٹ کر گنگناتی مسرت کا اظہار کرنے لگیں۔ زندگی میں پہلی بار اس نے رنجینالڈ کو دیکھا۔ وہ اونچے قد اور بھاری بدن کا جوان آدمی تھا۔ اس کی داڑھی بھوری تھی اور بال شانوں پر جھول رہے تھے اور آنکھوں میں بھیڑیوں کی سی چمک تھی۔ وہ زعفرانی عبا کی کمر پر چمڑے کی پیٹی میں تلوار باندھے ہوئے تھا۔۔ گلے میں سونے کی صلیب، پیروں میں دور نگے چمڑے کے موزے اور بھیڑ کی کھال کے بھدے جوتے تھے۔ وہ سروں کا ڈھیر دیکھ کر شیطانی ہنسی ہنسا اور بھیگے ہوئے سرخ گیندوں کو تلوار کی نوک سے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ پھر اس کی نظر پادری پر اٹھی۔ اس نے مسرور آواز میں مخاطب کیا اور قریب آ کر ہاتھ پر بوسہ دیا اور عبادت خانے کے خادم کو حکم دیا۔

''آج کے جشن میں مقدس باپ کو نہ بھولنا۔''

جب اس نے بتایا کہ وہ دمشق میں پیدا ہوا ہے اور اب بیت المقدس کی زیارت کو نکلا ہے تو وہ بہت خوش ہوا اور دیر تک کھڑا شام کی سیاست پر گفتگو کرتا رہا۔ پھر ایک اونچے وحشی گھوڑے کے ایال پکڑ کر ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر نکل گیا۔ چرچ میں تیوہاروں کا سا جوش و خروش تھا۔ عورتیں بوڑھے اور بچے آتے اور سر کے بالوں، داڑھیوں، ناکوں، کانوں اور آنکھوں کو جوتے کی نوکوں اور پنجوں سے ٹھیلتے، حقیر ہنسی ہنستے اور واپس چلے جاتے اور ان کی جگہ نئے شائقین آتے اور یہی عمل دہراتے۔ وہ ایک حجرے میں دمشق کی واپسی کے متعلق سوچتا رہا۔ پھر معلوم نہیں کب شام ہو گئی اور چرچ کا خادم اس کے گدھے کی لگام پکڑ کر چلا اور اسے

Scanned by iqbalmt



ریجینالڈ کے بھورے پتھر کے بے ہنگم مکان کے بدوضع دروازے کے سامنے اتار دیا اور ایک دوسرا خادم اسے اندر لے گیا۔

عجلت میں جوڑے ہوئے چوکور ستونوں کے چوڑے برآمدوں کے سامنے پتھر کے کھردرے چبوترے پر چاندی کے کام کی ساگون اور آبنوس کی بھاری بھاری کرسیاں پڑی تھیں۔ ان کے وسیع دائرے کے بیچ میں ایک اونچا سا تخت بچھا تھا۔ اس پر سنہری ریشمی چادر پڑی تھی جس کے حاشیے پر چاندی کے تاروں سے عربی اشعار کڑھے ہوئے تھے۔ کرسیوں کے بیچ میں چھوٹی چھوٹی تپائیاں رکھی ہوئی تھیں اور ادھر ادھر منبت کار شمعدانوں میں موٹی موٹی تھوپی ہوئی شمعیں جل رہی تھیں جن کی لوؤں سے کڑوے دھوئیں کی دبیز لکیریں اٹھ رہی تھیں۔ تانبے کی انگیٹھیوں میں سلگتے ہوئے میلے عنبر سے خوشبودار چراند پھیل رہی تھی۔ بیمار پیلی روشنی میں موصل اور حلب، دمشق اور قاہرہ کے مخمل اور اطلس سنجاب کے کفتان پہنے سرخ منہ اور مضبوط ہاتھ پیروں والے آدمی بیٹھے تھے جن کی اجاڑ داڑھیوں سے بربریت ٹپک رہی تھی اور آنکھوں میں خون کی دھاریاں تیر رہی تھیں۔ ریجینالڈ نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا اور ان لوگوں کا تعارف کرایا جو طبقہ الداویہ، ٹمپلرز اور ہاسپٹلرز کے نام لیوا تھے۔ وہ آپس میں فرانسیسی میں گفتگو کر رہے تھے اور اس سے کبھی کبھی لنگو فرینکا میں مخاطب ہو جاتے۔ پھر ریجینالڈ نے تالی بجائی۔ تیکھے خطوط، کالی آنکھوں، کالے بالوں، میانہ قدوں، گداز جسموں، گندمی اور سفید و سرخ رنگوں کی برہنہ عورتوں کا پرا نکل کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ان کے بدن پر کہیں کہیں گلاب کی کلیوں کے چھدرے چھدرے ہار لپٹے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں شربت کے جام، شراب کے مشکیزے، نقل کی کشتیاں اور چاندی کے پھیلے پھیلے منہ والے چھوٹے چھوٹے پیالے تھے۔ انھوں نے سب کے سامنے پلیٹیں چنیں اور انھیں نقل سے لبریز کیا اور پیالوں کو سرخ شراب سے چھلکا لیا اور محفل کی بدمعاش نگاہوں اور شرمناک دست درازیوں کو جھیلتی رہیں۔ اس کی کرسی کے پاس جو عورت کھڑی تھی اس کی طرف اشارہ کر کے ریجینالڈ نے ننگی آواز میں کہا۔

''مقدس باپ یہ مسلمان امیروں کی لڑکیاں ہیں جو مسیح نے آپ پر حلال کر کے اتاری ہیں۔''



وہ مسکرا کر بہانہ کر کے اپنی پلیٹ پر جھک گیا۔ دور چلتا رہا۔ پھر ریجینالڈ نے دو تالیاں بجائیں۔ ایک غلام جس کی لبیں ترشی ہوئی تھیں اور داڑھی بڑی نفاست سے کتری ہوئی اور ماتھے پر سجدوں کا نشان تھا میلا کفتان پہنے حاضر ہوا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے حکم ملا۔

''ماریہ کو لاؤ۔''

ایک لڑکی لائی گئی۔ اسے بیچ تخت پر کھڑا کر دیا گیا۔ اس کا لباس اتار لیا گیا جیسے بکرے کی کھال کھینچ لی جاتی ہے۔ جیسے شمعوں کی روشنی تیز ہو گئی۔ محفل اپنے پہلوؤں میں کچلی ہوئی مجبور عورتوں کی لذت بھول گئی۔ اس کے نظارے میں کھو گئی اور ریجینالڈ کی آواز سے بھی نہ چونکی۔

''مقدس باپ دمشق سے آئے ہیں اس لئے عربی جانتے ہوں گے۔ یہ کمبخت سوائے عربی کے کچھ گانا ہی نہیں جانتی مگر آواز ایسی پائی ہے کہ یہ منحوس زبان بھی برداشت کرنا پڑتی ہے۔

پھر لڑکیوں کی طرف اشارہ ہوا۔ ان میں سے ایک نے رباب بجانا شروع کیا۔ دوسری نے کمنچہ سنبھال لیا اور اس نے انتہائی دلگیر اور پاکیزہ لحن میں نغمہ چھیڑ دیا۔

کبھی میری آنکھوں کی آب نے عدن کی موتیوں کو آبرو عطا کی تھی
لیکن اب تقدیر نالے پڑھتے پڑھتے کم نور ہو گئی ہیں
اس لئے کہ میں غلام ہوں

میرے سیاہ بالوں کے جالوں میں گزرے زمانوں کے تمام ناکام عاشقوں اور آنے والی صدیوں کے تمام نامراد معشوقوں کے مقدر کی سیاہی تڑپ رہی ہے...... اس لئے کہ میں غلام ہوں۔ میں...... کہ اگر پتھر پہن لوں تو ہیروں کی طرح جگمگا اٹھیں...... اگر صوف پہن لوں تو زربفت کی طرح جگ مگ جگ مگ کرنے لگے...... لیکن آہ...... مجھے اونٹ کی مینگنیوں اور گھوڑے کے چابکوں سے کہاں فرصت...... اس لئے کہ میں مسلمان ہوں۔ میرے جسم کا سونا، ناخن کے لعل، ہونٹوں کا یاقوت، دانتوں کے گوہر، آنکھوں کا نیلم اور ہیرا اگر بغداد اور قاہرہ کے خلیفہ دیکھ لیں تو قیامت تک ان کی تلواریں بے نیام رہیں مگر آہ...... میں تو مئی

کا ڈھیلا ہوں جس سے سور اپنی نجاست پاک کرتے ہیں...... اس لئے کہ میں غلام ہوں۔

میں کہ اگر شہنشاہوں کے حضور میں لاپرواہی سے ایک پیمانہ ڈھال کر رکھ دوں
تو سات پشتوں کی تربیت کی ہوئی شہزادیاں مجھ سے تہذیب سیکھنے کے لئے میری جوتیوں کو سلام کریں۔

لیکن میں تو گدھوں کے چرانے والوں کے ساتھ سونے پر مجبور ہوں
اس لئے کہ میں غلام ہوں

میں اس قوم کی بیٹی ہوں
جس قوم کے بیٹوں کے ہاتھ تلوار اور پاؤں رکاب کا مزہ بھول گئے
نہیں تو ہندوستان سے مصر تک اور سمرقند سے افریقہ تک کسی نہ کسی نے تو میری فریاد سنی ہوگی

مگر آہ میرے بھائی تو غلام ہیں
جنھوں نے اپنے باپ ''مذہب'' کا سر اتار لیا
اپنی ماں ''زبان'' کے پیٹ میں چھرا بھونک دیا
جس نے انھیں جنم دیا تھا
ہائے میرے بھائی تو غلام ہیں مگر
میں کیوں روؤں؟
مجھ جیسی ہزاروں بہنیں مجھ سے بدتر جانوروں کی زندگی گذار رہی ہیں
میرے ہاتھ تو ہیں، پاؤں تو ہیں، آنکھیں تو ہیں، زبان تو ہے
باوجود اس کے کہ میں غلام ہوں
ہائے میں غلام ہوں۔

بدنصیب مغنیہ چلی گئی۔ محفل اجڑ گئی۔ وہ اٹھ کر چلا آیا۔ گرجا کے حجرے میں لیٹ بھی رہا لیکن گیت کے الفاظ اس کی سماعت پر ہتھوڑے چلاتے رہے۔ اس کے کان بجنے لگے۔ ایک ایک ہڈی بجنے لگی اور صبح تک کروٹیں بدلتا رہا۔ اس مظلوم مطربہ کے بھائیوں کو تلوار اور رکاب کی لذت یاد دلانے کا منصوبہ بناتا رہا۔





اب وہ عسقلان کے راستے پر چل رہا تھا جس کے دونوں طرف سیب، انجیر اور خوبانی کے باغ تھے۔ ایک باغ کے سائے میں چشمے کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہوئے آدمیوں کے سوکھے جسم، روکھے چہرے، خالی نظریں اور پرانی عبائیں چلا چلا کر کہہ رہی تھیں کہ ہم مسلمان ہیں، ہم مسلمان ہیں۔ اس کے گدھے سے اترتے ہی ان مجبوروں نے اپنا آرام تہہ کیا اور کھڑے ہو گئے، سینوں پر صلیب بنائی اور سارا باغ اس ایک تنفس کے لئے چھوڑ کر ننگی زمین اور چمکیلی دھوپ میں بکھر گئے اور وہ اپنے گدھے کے پاس چشمے کے کنارے بیٹھا ہوا میٹھی کھجوریں چباتا رہا اور نمکین آنسو پیتا رہا۔

وہ عسقلان کے اس محلے سے گزر رہا تھا جس کے مکان بوسیدہ، دیواریں شکستہ، دروازے میلے اور دن کے وقت بند تھے اور گلیاں سنسان اور گندی تھیں جیسے یہاں کوئی وبا ڈیرے ڈالے پڑی ہو۔ پھر ایک لمبی چوڑی میلی کچیلی عمارت کے کھلے ہوئے دروازے کی پیشانی پر نگاہ پڑی۔

''مدرسۂ علوم اسلامیہ''

اس نے اپنے گدھے کی لگام دہلیز کی کنڈی سے باندھی اور اندر چلا گیا۔ غلام گردش میں کھڑے ہو کر اپنے چہرے کا پسینہ خشک کیا اور پانی کے لئے ادھر اُدھر دیکھ کر اس کشادہ کمرے میں داخل ہو گیا جس سے زندگی کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ ان گنت ستون اس وسیع کمرے کی اونچی چھت کو سنبھالے ہوئے تھے۔ چاروں طرف کی اندرونی محرابوں پر قرآن مجید کی آیتوں کے کتبے دھندلا گئے تھے۔ چھت کا روغن اڑ گیا تھا۔ فرش کے میلے میلے نقش و نگار پر کہیں کہیں پرانی چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ان پر بوڑھے، جوان اور بچے دو زانو بیٹھے ہوئے فرانسیسی زبان کی کتابیں پڑھ رہے تھے، تختیاں لکھ رہے تھے۔ سامنے اونچی سی کرسی پر ایک پادری بیٹھا بازو میں کھڑے ایک لڑکے کی تختی دیکھ رہا تھا جیسے ظالم عدالت مجرم کی فرد جرم ملاحظہ کر رہی ہو۔ کرسی کے پیچھے ایک جلاد نما سپاہی اونٹ کے بالوں کا کوڑا لئے سامنے بیٹھے ہوئے آدمیوں کو گھور رہا تھا جیسے قصائی جانوروں کے گلّے میں کھڑا ہوا راس ٹٹول رہا ہو۔ اس نے پادری کی نگاہ اٹھتے ہی رسمی گفتگو کی اور اسے کرسی پر بٹھا کر باہر

Scanned by iqbalmt



نکل آیا۔ وہ محراب ہی میں تھا کہ جیسے اس کی پیٹھ پر کوڑے برسنے لگے۔ بھیڑیوں کو شکار مل چکا تھا۔ قبروں کی طرح پھیلے ہوئے چھوٹے چھوٹے مکانوں کے قبرستان سے نکل کر وہ عسقلان کے دوسرے محلوں میں آ گیا جہاں سفید اور بھورے پتھر کے صاف ستھرے بلند و بالا مکانات تھے جن میں پچی کاری کے گرانڈیل خوبصورت دروازے لگے ہوئے تھے جن پر سبک نقشے اور سڈول ہاتھ پیروں اور گندمی رنگ کے مسلمان غلاموں کا ہجوم تھا۔ راستوں پر مسلمان جھاڑو دے رہے تھے، مشکیں لادے پانی چھڑک رہے تھے۔ گدھوں کی لگامیں اور گھوڑوں کی رکابیں تھامے ملنے جلنے والوں کو دیکھ کر سینے پر صلیب بناتے گزر رہے تھے۔ بازار میں مسلمان حمالوں کا انبوہ کھجور کے پتوں کے ٹوکروں میں بیٹھا ہوا مزدوری دینے والی آسمانی آوازوں کا انتظار کر رہا تھا۔ پھول سی عورتیں بوروں کی سی عبائیں پہنے گھاس اور ایندھن کی ڈھیریوں سستے سوکھے پھلوں کی ٹوکریوں کے پیچھے بیٹھی ہوئی کالی آنکھوں سے گاہکوں کی بھیک مانگ رہی تھیں۔ سونے چاندی کی دوکان کے پاس ایک مسلمان جوان آدمی گدھے کی لگام تھامے کھڑا تھا جس پر ایک عورت سیاہ سوتی گفتان پہنے آدھے چہرے پر نقاب ڈالے بیٹھی تھی اور اسے دو تین نوجوان عیسائی اپنے گھیرے میں لیے نوچ کھسوٹ رہے تھے اور قہقہے لگا رہے تھے۔ سب اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک آدمی سے کہا کہ میں اپنا گدھا بیچنا چاہتا ہوں۔ اس نے ایک گلی میں چھوڑ کر گدھا ہانک دیا جواں گشت آدمیوں سے بجبجا رہی تھی اور ان کے پسینے اور گدھوں کی لید سے بھیگ رہی تھی۔ اس نے جیسے تیسے اپنے گدھے کے چار دینار (سفید) کھرے کئے اور اجلے بازار کے کشادہ کوچے میں آ گیا۔ اب اسے بھوک لگی اور ایک آدمی سے پتہ پوچھ کر دوسری گلی میں گھس گیا۔ گلی کے موڑ پر لمبا چوڑا میدان تھا۔ اس کے چاروں طرف دالان در دالان حجرے اور کمرے تھے جن کے پتھر مختلف رنگوں سے رنگے ہوئے تھے اور جو ریشمی قباؤں، چمکیلی چادروں، قیمتی ہتھیاروں اور چمڑے کے موزوں سے آراستہ، تندرست اور خوبصورت انسانوں سے بھرے ہوئے تھے۔ میدان میں چھوٹے بڑے سنگین چبوترے بنے ہوئے تھے جن پر قلمکار شامیانے لگے تھے، کرسیاں بچھی تھیں اور تختوں پر قالینوں کا فرش تھا۔ ان پر عیسائیوں کے گروہ نارگیلی سے شغل کر رہے تھے، جام لنڈھا رہے تھے اور رانیں کھجا کھجا کر



قہقہے لگا رہے تھے۔ پھر ایک چبوترے پر آفتاب اتر آیا۔ ایک کمسن لڑکی مہین حریر کی چادر پر ستر پوشی کی تہمت لگائے کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں پیروں کے پنجوں پر گڑی ہوئی تھیں اور سفید چہرہ تمتما کر سرخ ہو گیا تھا اور آنکھوں میں خشک آنسوؤں کے زخم تھے۔ کمر میں بندھی ہوئی رسی ایک دلاّل کے ہاتھ میں تھی اور وہ ننگی آواز میں چلاّ رہا تھا۔

"صاحبان ہارون الرشید کے بغداد کا سورج ہے۔"

"صاحبان!"

"عبدالملک کے دمشق کا چاند ہے۔"

"صاحبان۔ یہ وہ چیز ہے جس پر سو سو دربانوں کی تلواریں پہرہ دیا کرتی تھیں۔"

"صاحبان۔ یہ قاہرہ کے امیر المومنین کا لختِ جگر ہے۔"

"اور صاحبان اس کے دام ہیں پانچ دینار...... پانچ دینار"

"پانچ دینار میں ایک حور۔ صاحبان صرف پانچ دینا۔"

"پانچ دینار میں سمور کی ایک قبا ملتی ہے جو دو برس میں بیکار ہو جاتی ہے۔"

"صاحبان پانچ دینار میں یہ ریشمی قبا لیجئے اور ہارون الرشید کی طرح بیس برس عیش کیجئے۔ نہیں ساری عمر عیش کیجئے۔"

ایک ادھیڑ عیسائی نے اپنے گندے پیلے دانت نکوس کر اسے دیکھا اور قبا کی پیٹی میں جھولتے بٹوے سے پانچ دینار نکال کر دلاّل کی ہتھیلی پر ڈال دیئے اور اس کی کمر پکڑ کر اپنے کندھے پر لاد لیا جیسے مزدور آٹے کی بوری لادتا ہے۔ اس کی بھوک اڑ گئی اور پیروں میں پر لگ گئے۔ دوڑتا ہوا آیا اور گرجے کے دالان میں بچھی ہوئی سنگ سرخ کی تپائی پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر گرجے کا خادم آیا۔ ادب سے سلام کر کے بازو میں بنے ہوئے مہمان خانے کے ایک کمرے میں ٹھہرا دیا جس میں ایک آراستہ پلنگ، دو کرسیاں، ایک تپائی، ایک شمعدان، ایک عوددان، ایک انگیٹھی اور ایک بائیبل موجود تھی۔ وہ کٹے ہوئے کھجوروں کی طرح اس پر پڑا رہا۔

اتوار کی صبح تھی اور وہ گرجا کے سامنے سبزے پر ٹہل رہا تھا اور پھولوں کی جھاڑیوں کے سرمئی گملے دیکھ رہا تھا کہ دروازے پر ایک آدمی آیا اور سڑک پر ادھر ادھر دیکھ کر شانے

Scanned by iqbalmt



پر جھولتے کپڑے کے تھیلے سے کچھ کاغذات نکال کر بکھیر دیئے۔ وہ ٹہلتا ہوا اڑتے اوراق کی طرف چلا کہ پشت سے آواز آئی۔

"ناشتہ حاضر ہے۔"

گرجے کا خادم ناشتے کی کشتی لئے کھڑا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں چلا آیا اور ناشتہ کرنے لگا۔ ابھی وہ کمرے ہی میں تھا کہ گرجا کے دروازے پر تند و تیز آوازیں اچھلنے لگیں اور جب تک وہ باہر آئے چھوٹی موٹی بھیڑ جمع ہو گئی۔ گرجے کے خادم آرائش و زیبائش کو ادھورا چھوڑ کر نکل آئے۔ ایک نوجوان راہب چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"کسی مسلمان نے ہماری بائیبل کو پھاڑ کر جوتوں سے مسل دیا ہے۔"

"عین گرجے کے سامنے مقدس دین کی بے حرمتی کی گئی ہے۔"

دوسری آواز۔

"سارے شہر کے مسلمانوں کی ایک منظم سازش ہے۔"

کسی منچلے نے ٹکڑا دیا۔

"تو پھر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر پھینک کیوں نہیں دیتے؟؟"

پھر بھیڑ مجمع بن گئی اور مجمع جلوس کی شکل اختیار کر گیا اور جلوس لشکر کی طرح نعروں کے جھنڈے اڑاتا شہر کے اس حصے میں داخل ہو گیا جہاں بیس ہزار مسلمان جانوروں کی زندگی گزار رہے تھے۔ ٹوٹے پھوٹے مکانوں میں قربانی کے بکروں کی طرح اپنی جان کی خیر منا رہے تھے، اپنی بے نام آبرو کی حفاظت کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ پھر بکتر پوش سواروں نے نیزوں میں مشعلیں باندھیں اور مکانات پھنکنے لگے۔ جس طرح چھتے سے مکھیاں نکلتی ہیں بوڑھے، جوان، بچے اور عورتیں نکلنے لگیں۔ ان کے ہاتھ خالی تھے اور پیروں میں خوف کی زنجیریں پڑی تھیں۔ پھر ان پر بہادر شہسواروں اور نامی گرامی نائٹوں کی پیاسی تلواریں برسنے لگیں اور دم کے دم میں جامع عسقلان تک تمام کوچے اس خون سے جو پانی سے بھی سستا ہے غسل کرنے لگے۔ ان کی بکریاں، بھیڑیں، گدھے، کھجور کی پتیوں کے پٹارے، لکڑی کے چھوٹے بھدے صندوق، مٹیالے بدبودار بستر، جھنگلا، چارپائیاں، لکڑی کے سادے پیالے اور مٹی کے برتن جلتے رہے اور جامع مسجد گھیر لی گئی۔ سواروں نے اپنے گھوڑے مسجد



میں دھکیل دیئے اور دس بارہ ہزار مظلوم بے گناہ انسان اپنے خدا کو، رسول کو اور علی کو اور بغداد کے خلیفہ کو اور قاہرہ کے امیر المومنین کو آوازیں دے دے کر روتے رہے اور چھتے میں بند بھڑوں کی طرح عیسائی سورماؤں اور بہادروں کی تلواروں اور نیزوں کی آگ سے جل جل کر مرتے رہے۔ سیکڑوں جوان اور حسین لڑکیاں اور تندرست اور خوش رو لڑکے بچا کر ہانک لائے گئے اور گرجا کے میدان میں کھڑا کر کے خون میں ڈوبی تلواروں اور نیزوں کو ان عظیم الشان خدمات اور بے نظیر شجاعت کے صلے میں بطور انعام عطا کر دیئے گئے۔ اس مقدس فرض سے سبکدوش ہو کر لوگ ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہوئے عبادت گاہ میں داخل ہوئے۔ پاک مریم کی شبیہ کے نیچے زریں شمع دانوں میں شمعیں جلا کر گرجا کے بڑے پادری نے ارشاد کیا۔

"ہم دین مسیح کے سچے خادم خوں ریزی کو پسند نہیں کرتے اور صلح و آشتی پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ہم کو یاد رکھنا چاہئے کہ یروشلم کی مسیحی سلطنت کی آدھی آبادی اب بھی مسلمان ہے اور یہ وہ مسلمان ہیں جن کے اجداد نے یہاں صدیوں تک حکومت کی ہے اور ان کی حکومتیں آج بھی ہندوستان سے افریقہ تک اور یمن سے سمرقند تک قائم ہیں۔ اگر ان کے ذہن سے ان کے شاندار ماضی کو فراموش نہ کیا گیا اور انہیں تلواریں ٹیک کر کھڑے ہو جانے کا موقع دیا گیا تو یاد رکھو کہ پڑوسی مسلمان حکومتوں کی مدد پا کر یہ تمہیں بحیرۂ روم میں غرق کر دیں گے۔ اس لئے ہماری ہدایت ہے کہ ایشیا کی اس مسیحی سلطنت کو اپنی مسلمان آبادی نابود کر دینی چاہئے۔ سلطنت سے خارج کر دینا چاہئے۔ بچی کھچی آبادی کو اپنی حقیر خدمت کے لئے قبول کر کے ان کی خود اعتمادی کو اس حد تک کچل دینا چاہئے کہ وہ اپنے مسلمان ہونے پر شرمندہ ہو جائیں، عاجز ہو جائیں اور ترک مذہب پر آمادہ ہو جائیں۔ آج جو کچھ ہوا ہے وہ اصولی طور پر برا ہوتے ہوئے بھی مبارک ہے۔ اپنے دور رس نتائج کے اعتبار سے بہت بہتر ہے۔ یہ بار بار ہونا چاہئے۔

Scanned by iqbalmt



نہ صرف مسیحی سلطنت کے اندر بلکہ مسلمان حکومتوں کی سرحدی آبادیوں
پر بھی اس کی تکرار ہونا چاہئے۔ طرابلس کے ریمنڈ اور کرک کے
ریجینالڈ نے یہی خدمات انجام دی ہیں جنھوں نے ان کو نہ صرف
ہماری بلکہ یورپ کی نگاہ میں افتخار اور امتیاز عطا کیا ہے۔''

شام کو کئی ہزار کا قافلہ جن میں بوڑھے آدمیوں اور ادھیڑ عمر عورتوں کی کثرت تھی اپنے مقتولوں کو تڑپ کر، گھر وندوں کو جلتا ہوا چھوڑ کر روتا دھوتا، بھوکا پیاسا عسقلان سے نکل گیا۔ تھوڑے دن بعد قاہرہ کے فاطمی خلیفہ کا سفیر عسقلان کے گورنر سے مذہبی فسادات پر گفتگو کرنے آیا۔ وہ شام کو سفیر کی زیارت کرنے گیا جو والیٔ عسقلان کے سرخ محل کے ''روکار'' (سامنے) کی عمارتوں میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کے گھوڑے سبز زریں مخمل کے زین اور چاندی کے زیور پہنے ہوئے تھے۔ پانچ سو سپاہیوں کے علاوہ جو اطلس کی عباؤں، زربفت کی پگڑیوں اور مرصع ہتھیاروں سے سجے ہوئے تھے، پانچ سو کنیزیں بھی تھیں جن کے کپڑوں اور زیب و زینت کے سامان کے لئے ایک ہزار خچر ساتھ تھے۔ سارا عسقلان اس بارات کے جلوس کو دیکھنے کے لئے نکل آیا۔ سلطنت یروشلم کے اس معمولی گورنر نے امیر المومنین کے اس سفیر کو جو اُن کا بھانجا بھی تھا تین دن تک ملاقات کا شرف نہ بخشا۔ آخر چوتھے دن صبح جب سورج ایک نیزہ چڑھ چکا تھا، محفل منعقد ہوئی جس میں اراکین حکومت کے علاوہ عسقلان کے پادری بھی شریک کئے گئے۔ سفیر کبیر راستے میں خریدی ہوئی نئی نئی کنیزوں کے اجلے پنڈے کی گلابی خوشبو میں غرق بیٹھا تھا۔ جب اس نے اپنے خنجر کے مرصع قبضے پر انگوٹھیوں سے جڑا ہوا نازک گلابی ہاتھ رکھ کر اور نزاکت و نفاست سے ترشے ہوئے بالوں اور مونچھوں اور داڑھی کے پس منظر میں دمکتی ہوئی پیشانی پر حریری شکنیں ڈال کر گفتگو شروع کی تو والیٔ عسقلان نے گنے چنے متمول یا فارغ البال مسلمانوں کا وفد اس کے سامنے پیش کیا۔

وفد کے سربراہ نے گلے میں حمائل قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر اعلان حق کیا۔

''ہم کو مسیحی سلطنت میں وہی حقوق حاصل ہیں جو بغداد میں فاطمیوں
کو اور قاہرہ میں عباسیوں کو نصیب ہیں۔ ہماری عبادت گاہیں محفوظ
ہیں۔ ہماری زبان اور ہمارا تمدن زندہ ہے۔ ہم اپنی مسجدوں میں نماز



پڑھتے ہیں اور گھروں میں روزے رکھتے ہیں اور بازاروں اور سیر گاہوں
میں مساویانہ انداز میں ٹہلتے ہیں۔ اس فساد کا سبب خود مسلمان ہیں۔
چونکہ مسلمان ماضی میں کامل حاکم رہے ہیں اس لئے آج بھی ان
میں ایسے نوجوانوں کی کثرت ہے جو کام سے جی چراتے ہیں اور جب
کام نہیں ہوتا تو شیطان کا جادو ارزاں ہو جاتا ہے۔ جس دن یہ چھوٹا
سا واقعہ ہوا اس کی شب میں ایک مسلمان نے ایک پادری کی کنواری
اور کمسن بیٹی کا اغوا کر لیا۔ جب وہ برآمد ہو گئی تو اس نے پادری کے
گھر میں گھس کر اس کو زدو کوب کیا۔ یہی نہیں بلکہ اس کی صبح کو اس
وقت جب کہ میں نماز پڑھنے جا رہا تھا وہ گرجا پر چڑھ آیا اور بائیبل
کو پھاڑ کر بے گناہ عیسائیوں پر تلوار کھینچ کر حملہ آور ہوا اور کئی کو موت
کے گھاٹ اتار دیا۔ نتیجے میں کچھ چپقلش ہو گئی جن کے متعلق آپ
کو، ایک بیرونی حکومت کے سفیر کو پوچھ گچھ کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔
ہم اسے اپنی حکومت کے داخلی معاملات میں دست اندازی تصور
کرتے ہیں اور احتجاج کرتے ہیں۔''

سفیر جو کنیزوں کے ہجر میں عذاب بھوگ رہا تھا اس مدلل تقریر سے لاجواب ہو گیا اور کمسن اور خوبصورت غلاموں کے اطلسیں کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھا اور بغیر کچھ کہے ہوئے چلا گیا۔ سفیر کبیر کی رخصت کے بعد گورنر کے حاشیہ نشین اور پادری بھی اٹھ کر چلے گئے لیکن وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔ پھر وفد کا سربراہ بھکاری کی طرح چہرہ لٹکا کر اور ہاتھ سینے پر باندھ کر گورنر کی کرسی کے پائنداز کے پاس گھٹنوں کے بل کھڑا ہو گیا اور گڑگڑایا۔

''سرکار عالی نے غلام زادے پر توجہ نہیں کی۔''

''کیا؟ مجھے یاد نہیں آرہا ہے۔''

''وہ آپ کے غلام کا بڑا بیٹا جو مسلمانوں سے ٹیکس وصول کرنے کی نظامت میں منشی ہے اس کے متعلق حضور عالی کے معتمد کو بہکا کر یقین دلایا گیا ہے کہ وہ عربی آشنا ہے۔ قرآن مجید کی قسم وہ عربی کے حروف سے بھی ناواقف ہے اور خواب میں بھی کوئی زبان بولتا

Scanned by iqbalmt



ہے تو فرانسیسی بولتا ہے۔ میرے ایسے نصیب کہاں ورنہ اگر حضور عالی غریب خانے پر قدم رنجہ فرمائیں تو روشن ہو جائے کہ میری لڑکیاں تک فرانسیسی میں گفتگو کرتی ہیں۔ لنگوفرنیکا تک سے نا واقف ہیں۔ اگر کبھی سعادت ملی تو در دولت پر حاضر کر کے سرکارِ عالی کے گوش گذار کروں گا۔ بڑے پادری صاحب قبلہ نے بڑی توجہ سے انھیں تعلیم دی ہے۔''

یہ کہتے کہتے اس کی باچھیں مصنوعی مسرت سے کانوں تک چر گئیں اور انداز سے ایسا معلوم ہوا کہ اب گورنر کے قدموں پر سر رکھ دے گا۔

''اچھا میں معتمد کو ہدایت کر کے تمہارے بیٹے کو بحال کرا دوں گا۔''

وہ پیشہ ور گداگروں کی طرح گورنر کی گذشتہ اور آنے والی تین تین نسلوں کو عمر و اقبال کی دعائیں دینے لگا۔ گورنر اس کی گجلجی صورت اور گھناؤنی خوشامد سے اکتا کر اس سے مخاطب ہوا۔

''آپ ہمارے مہمان اور دوست جون ہیں جو دمشق سے آرہے ہیں اور بیت المقدس کی زیارت کو جا رہے ہیں اور آپ یہاں کے سب سے معزز خاندان کے چشم و چراغ ہیں اور عسقلان کی مسلمان آبادی کے ہادی عبادہ بن عباس ہیں۔''

''تو آپ دمشق سے آرہے ہیں...... بڑی خوشی ہوئی جناب عالی...... فرمایئے وہاں کے مسلمانوں پر کیا گزر رہی ہے۔ میں نے سنا تھا کہ نورالدین محمود زنگی نے وہاں قتل و خون کا بازار گرم کر رکھا ہے اور مسلمان بھاگ بھاگ کر دوسری حکومتوں میں پناہ لے رہے ہیں۔''

''یہ اطلاع تو مجھے یہاں پہنچ کر مل رہی ہے۔''

''ممکن ہے کہ جناب عالی کو مسلمانوں کے افکار و اعمال سے زیادہ دلچسپی نہ ہو...... اچھا حضور والا ایک گذارش ہے۔''

''فرمایئے۔''

''آپ شام کو میرے ساتھ تشریف لے چلیے۔ عسقلان کی سیر کیجیے اور جو دال دلیا نصیب ہو تناول فرمایئے۔''

اس نے گورنر کی طرف دیکھا اور گورنر نے ''ضرور ضرور'' کہہ کر اپنی جان بچائی اور اس کے سینے پر سجی ہوئی صلیب کی طرف نگاہ کئے بغیر اٹھ گیا۔



شام سے قبل ہی وہ ایک گھوڑے پر سوار دوسرے کوتل گھوڑے کی لگام تھامے وارد ہوا اور اسے سوار کرا کے شہر کی طرف چل دیا۔ معمولی معمولی عیسائیوں کو سلام کرنے میں کبھی وہ گھوڑے کی گردن پر پیشانی رکھ دیتا اور کبھی داہنی بائیں رکابوں تک جھک جاتا۔ وہ اس کے ان کرتبوں کو دیکھتا رہا اور چلتا رہا۔ جب وہ گھر پہنچا تو غلاموں نے جن کے چہروں پر مجبوری اور مظلومی کے سائے تھے انھیں گھوڑوں سے اتارا اور پتھر کا منقش دروازہ کھول دیا۔ سبزے کے کنارے گرجے کے باغ کا ایک ایک مغربی پھول اور پودا اپنی اسی شکل اور صورت میں کھڑا تھا۔ مکعب کمرے کے بھورے پتھر کی دیواریں سفید رنگی ہوئی تھیں۔ فرش پر سیاہ قالین بچھا ہوا تھا۔ چاندی کے چراغ دانوں اور آبنوس کی دیوارگیریوں پر پاک ماں مریم اور خدا کے بیٹے کی تصویریں کھدی ہوئی تھیں اور دیواروں پر بھدے رنگوں میں بائبل کے افسانے منقش تھے۔ پھر دروازے پر پڑا ہوا مغرب کے منظر سے آراستہ پردہ ہٹا کر نصرانی دوشیزاؤں کا لباس پہنے ایک لڑکی آئی اور سینے پر صلیب بنا کر اس طرح گھوم گئی کہ کمر کے اوپر کے تمام نشیب و فراز بول اٹھے۔ عبادہ اس لسان جوہری کی طرح جو اپنے معمولی موتیوں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتا ہے چہک اٹھا۔

''یہ میری بڑی بیٹی ہے حضور والا۔''

اور بیٹی گاڑھی فرانسیسی میں گویا ہوئی جس کی شد بد سے وہ بھی آشنا تھا۔

''میرا نام ایمینا ہے۔''

''ایمینا؟ اچھا، امینہ ہے...... خوب خوب۔''

اس نے فصیح عربی کے ٹکسالی لہجے میں لقمہ دیا۔ اتنی دیر میں دوسری بیٹی تشریف لا چکی تھیں اور بڑی بہن کی پر جوش تقلید کر چکی تھیں۔

''میرا نام ایڈریسیا ہے۔''

''یعنی ادریسہ ہے۔''

اس نے چٹکی لی اور وہ دونوں بیٹیاں اپنے باپ کو اس طرح دیکھنے لگیں گویا اس نے ان کی بھیانک تذلیل کے لئے سازش کی ہو اور عبادہ نے سمندر پار کے پادریوں کے لہجے میں ارشاد کیا۔

Scanned by iqbalmt



"مہذب انسان ہونا بھی کتنی بڑی نعمت ہے۔"

ایک بیٹی نے جل کر تند لہجے میں سوال کیا۔

"کیا مقدس باپ بالکل فرانسیسی نہیں جانتے؟"

"ہاں اسی طرح جس طرح فرانسیسی عربی سے نابلد ہیں۔ میں دمشق میں پیدا ہوا ہوں اور دنیا کی سب سے مہذب اور دولت مند زبان کو مادری زبان کہنے کا شرف رکھتا ہوں۔"

پھر محفل بڑی خشکی کے ساتھ کھانے کا انتظار کرنے لگی۔ اسے دوسرے کمرے میں لے جایا گیا جہاں آتش دان کے سامنے ایک بدصورت میز پر ابلے ہوئے گوشت اور پھیکے شوربے کی اقسام چنی ہوئی تھیں اور پانی کے بجائے شراب چھلک رہی تھی۔ وہ تازہ پھل ٹونگتا رہا۔ جب اصرار کی شدت بڑھ گئی تو اس نے کہا۔

"میں مغرب کے بے مزہ اور پھیکے کھانے قطعی ناپسند کرتا ہوں اور ان کی بدبو کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ براہ کرم اس آتش دان کی آگ بجھا کر ٹھنڈا پانی منگوا دیجئے۔"



عسقلان پر لنگر انداز یروشلم کے جنگی بیڑے کی قوت کا اندازہ کرتا ہوا وہ ساحل ساحل بیت المقدس کی طرف بڑھا۔ خچر کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے اس کی کمر ٹوٹ گئی اور پنڈلیاں ٹیڑھی ہو گئی تھیں لیکن وہ اپنے عزم پر ثابت قدم رہا۔ بیت المقدس کی شہر پناہ کی سرخ دیوار نے جب اس کی نگاہ پر جلوس کیا تو خچر سے پھاند پڑا اور نظر آتے ہوئے حضرت ابو خیر انصاری کے گنبد کی طرف چل پڑا۔ مزار کے کبوتروں اور ابابیلوں نے پر پھڑپھڑا کر اس کی پیشوائی کی اور وہ ان کی بیٹ کے فرش پر دو زانو بیٹھ گیا اور تنہائی کو غنیمت جان کر نماز ادا کی اور باؤلی میں نہا دھو کر مسجد اقصیٰ کی زیارت کے لئے اٹھا اور مقام قدس کی قربت کے نشے میں سرشار جھومتا ہوا چلا۔ بڑی دیر تک وہ بھٹکتا رہا لیکن اس مسجد کا راستہ نہ ملا جس کے عظیم الشان گنبد پر ٹوٹا ہوا ہلال، شکست خوردہ قوم کا نشان ٹوٹے ہوئے خنجر کی طرح چمک رہا تھا۔ ہر طرف ٹمپلرز اور ہاسپٹلرز کے سواروں اور نائٹوں کے مکانات راستہ روکے کھڑے تھے اور راستہ سفید داڑھیوں، بھاری صلیبوں اور نیچی عباؤں سے لبریز تھا۔ آخر اس نے ایک مسلمان غلام سے مسجد حضرت عمر کا پتہ پوچھا۔ اس نے حیرت سے دیکھا اور اس کے آگے آگے چلنے



لگا۔ پھر وہ ایک محراب سے اندر داخل ہوا جس کے دالانوں میں عامیوں کے حمام تھے اور صحن میں گھوڑے بندھے تھے۔ محراب کے کڑوں میں گندی عبائیں جھول رہی تھیں۔ دیواروں پر دھوئیں کی دھاریوں کے سانپ لپٹے ہوئے تھے، فرش پر غلیظ برتن بھٹک رہے تھے۔ وہ ان ہیبت ناک نظاروں سے کانپتا ہوا اس مصلے پر جا کھڑا ہوا جسے حضرت عمر کے نام سے نسبت تھی۔ دھوپ کی آڑی گلابی کرنوں میں اندرونی عمارت کی چھت اور اس کی دیواریں اور منطقے اور ستون اور ان کے پرکالے اور قرآن مجید کی آیتوں کے سونے کے حروف جگمگا رہے تھے جیسے ایک ایک پتھر کی مجلی اور مرصع سطح پر ان گنت رنگوں کی شمعیں جل رہی ہوں۔ وہ کھڑا رہا، کانپتا رہا، روتا رہا۔ پھر قبلہ رو ہو کر دو زانو بیٹھ گیا اور تلاوت کرتا رہا۔ جب ہوش آیا تو بیرونی دالانوں میں روشنیاں لرزنے لگی تھیں اور بے ادب آوازوں کا بازار لگ گیا تھا اور گھوڑے پاؤں پٹخ پٹخ کر منہ پر چڑھے توبڑے ہلا ہلا کر دانہ کھا رہے تھے۔ وہ غیظ و غضب کے عالم میں اٹھا اور اس مقدس پتھر کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا جس کا نام "صخرا" ہے اور جس پر حضرت ابراہیم، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان نے قربانیاں کی تھیں اور جہاں سے حضرت رسالت مآب کو معراج ہوئی تھی، وہیں اس نے آنسوؤں کی زبان سے قسم کھائی کہ جب تک دین کے اس سنگین صحیفہ کو اپنی تلوار سے پاک نہ کر دوں گا کوئی راحت قبول نہ کروں گا۔

وہ کئی دن وہاں پڑا رہا۔ فصیل کے دروازوں، دمدموں، برجوں اور مورچوں کی مضبوطی اور خندقوں کی گہرائی دیکھتا رہا۔ سپاہ کے ولولے اور سرداروں کے حوصلے پڑھتا رہا اور دیواروں کے رخنے اور دلوں کے اندیشے ٹٹولتا رہا۔



اب مصر سامنے تھا۔ وہ مصر جس کے بادشاہ فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور جس کے سینے پر تلوار ٹیک کر اس نے بیت المقدس کی فتح کا منصوبہ بنایا تھا۔ جب نور الدین زنگی کے سپہ سالار اور اس کے چچا اسد الدین شیرکوہ نے سفر آخرت اختیار کیا اس وقت اس کی عمر ملک شاہ سلجوقی کے آئین حکومت کی ایک دفعہ کے مطابق چھتیس برس پورے کر چکی تھی اور اس کے سر پر فاطمی خلافت کی وزارت عظمیٰ کی دستار حکومت باندھی جا چکی تھی اور جب

Scanned by iqbalmt



اس نے خلیفہ کے سوڈانی سواروں کے امیر نجاح کے سازشی ہاتھ توڑ دیئے تب کم عمر امیر المومنین کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا جس کی عیاشیوں اور دربار کی سازشوں نے عیسائیوں کو جرأت دلائی تھی کہ وہ مقامات مقدسہ کو تاراج کر ڈالنے کا بھیانک خواب دیکھیں۔ وہ ممالک محروسہ کے امیروں کے نام فرامین لکھوا رہا تھا کہ طبیب خلافت باریاب ہوا۔ وہ سبز حریری عبا پر سبز چادر ڈالے، سبز عمامہ باندھے زمرّد کی تسبیح لئے اندر آئے۔ مسند کے کونے پر تسبیح روکی اور گذارش کی۔

''میں وزارتِ عظمیٰ کے حضور میں ایک ضرورت سے حاضر ہوا ہوں۔''

''میں ارشاد کی تعمیل کی سعادت حاصل کروں گا۔''

''آپ کو علم ہوگا کہ ایک عرصے سے امیر المومنین کی صحت خراب ہے۔''

''دوسرے ذرائع سے میں نے معلوم کیا ہے۔''

''آپ کو درست بتلایا گیا ہے......ان کا جگر خراب ہو چکا ہے......نہیں تباہ ہو چکا ہے......نبض کی قوت میں فرق آ چکا ہے......لیکن نہ شراب چھوٹتی ہے اور نہ عورتوں سے رغبت میں کمی آتی ہے۔ آپ کا وہ لحاظ فرماتے ہیں، آپ انہیں سمجھائیں۔''

''میں کوشش کروں گا لیکن......''

''شاید میں معاملہ کو پوری نزاکت اور اہمیت سے بیان نہ کر سکا۔ آج جب میں نے ان کی نبض دیکھی تو مجھے یقین ہو گیا کہ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو وہ چند روز سے زیادہ....''

''کیا آپ کے خیال میں مجھے ابھی باریاب ہونے کی کوشش کرنا چاہیے؟''

''جی ہاں......ابھی...... اسی وقت۔''

''بہتر ہے۔''

طبیب کی رخصت اور ظہر کی نماز کے بعد وزیر اعظم کا وہ چغہ پہنا جس کے تکمے موتیوں کے تھے اور جس کے شمسوں پر جواہرات لٹکے ہوئے تھے۔ وہ عمامہ پہنا جس پر ایک انگل کا بیضوی ہیرا جڑا تھا اور موتیوں کا سرپیچ پڑا تھا، زرنگار کلغی لگی تھی، جڑاؤ کمر بند میں وہ تلوار باندھی جو خلیفہ کی کمر میں کئی مہینے رہ چکی تھی اور جس کے نیام کی قیمت دس ہزار دینار سرخ تھی اور اپنے مملوکوں اور ترکمانوں کے جلوس میں مشکی گھوڑے پر سوار ہوا جس کا شجرۂ



نسب اس شبدیز سے مل جاتا تھا جس کی پیٹھ سے شہید کربلا نے یزیدی لشکر پر یلغار کی تھی اور جسے خلیفہ نے بطور خاص عنایت فرمایا تھا۔ امیر المومنین کے خاص محل قصر کبیر کے سامنے میدان میں جسے ''بین القصرین'' کہا جاتا تھا، امیر المومنین کا ذاتی محافظ لشکر کا ایک دستہ نیزے بازی کی مشق کر رہا تھا۔ باب الغرب کے نوبت خانے میں دف، نے اور ارگن سلامی دینے والی دھن میں بج رہے تھے۔ وہ اس محل میں داخل ہو گیا جس میں چار ہزار کمرے تھے اور اٹھارہ ہزار انسان قیام کئے ہوئے تھے۔ تین ہزار مرمریں ستونوں کے سامنے زربفت کے لباس اور سونے کے ہتھیار پہنے غلام ہر گھڑی کھڑے رہتے تھے۔ قصر کے اندر باب الحضرت پر پانچ سو دیو پیکر حبشی سرخ حریر کے تہبند پر سونے کی پٹی میں ایک ایک بالشت چوڑے ننگے تیغے ڈالے، کندھوں پر خاردار گرز رکھے لال لال دیدے نکالے ایستادہ تھے۔ ان کے سردار نے سلامی دے کر اور رکاب پکڑ کر اسے اتار لیا اور آگے بڑھ کر ٹھوس چاندی کا بھاری دروازہ کھول دیا۔ اب وہ بارہ مملوکوں کی ننگی تلواروں کی حفاظت میں چل رہا تھا۔ سارا راستہ سفید تھا اور ایک ایک انگل پچی کاری تھی۔ دونوں طرف مشرق و مغرب کے مشہور پھولوں، پھلوں کے مختلف الصورت بیلوں اور درختوں کو اس طرح سجایا گیا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح جانور کی قامت سے مشابہ تھے۔ ان میں ہاتھی، گھوڑے، اونٹ اور شیر کثیر تعداد میں تھے۔ ان پر انسانی تخیل میں آنے والے ہر رنگ اور ہر صورت کے پرند چہچہا رہے تھے اور ہر قسم کے پھولوں کے تختے لہلہا رہے تھے۔ وہ تیسرے دروازے باب الداخلہ کے اس مشہور کمرے میں ٹھہرا دیا گیا جس میں بڑے بڑے سفیروں اور امیروں کو باریاب ہونے سے قبل ٹھہرنا پڑتا تھا۔ اس کے فرش پر وہ قالین تھے جو سونے اور چاندی کے تاروں سے بُنے گئے تھے۔ دیواریں کمخواب سے منڈھی ہوئی تھیں اور چھت سونے کی تھی۔ جس پر ہر رنگ کے جواہر سے گل بوٹے بنائے گئے تھے۔ چاندی کے دروازوں پر معجز رقم خطاطوں نے آب زر سے عربی میں اشعار لکھے تھے۔ کمرے کے کونوں میں پورے قد کے چار زرّیں شیر تھے جن کی پیٹھ پر بیضاوی سیمیں کشتیوں میں شربت نبیذ اور شراب کے بلوریں قرابے اور آبگینے اور نقل کی ہر قسم ہر وقت موجود ہوا کرتی تھی۔ چھت میں وہ فانوس جھول رہا تھا جس میں ایک سو ایک شمعیں روشن ہوا کرتی تھیں اور جس کے لعل شمعوں کی طرح منور تھے اور جو ہر وقت سفید عنبر

Scanned by iqbalmt



کے دھوئیں سے معطر رہا کرتا تھا۔اس کی آنکھیں ان لوازمات کو دیکھتی رہیں اور کان ان مظلوموں کی فریاد سنتے رہے، جن کے سینے صلیبیوں کی تلواروں سے لال تھے۔ پھر مشہور خواجہ سرا حریم آیا جس نے خونی ڈاکو جوسلن اور شاہ یروشلم بالڈون سے رشوتیں چاٹی تھیں اور مصر کے خزانے لوٹے تھے اور خلافت کی حرمت پر چرکے لگائے تھے۔ یہ وہ شخص تھا جس سے مصر کے خلفاء ڈرتے تھے اور جو مہر خلافت کا امین تھا۔اس کا قد اونچا، رنگ روشن، آنکھیں سبز اور داڑھی مہندی سے لال تھی۔اس کی آواز میں دلیوں کا جلال اور نگاہ میں شہنشاہوں کی جبروت تھی۔اس نے آتے ہی دست بوسی کی اور پیشوائی کی صورت بنا کر کھڑا ہو گیا۔
وہ اپنے سرداروں کو چھوڑ کر اس حرم میں داخل ہوا جس نے صدیوں سے اپنے جلیل المرتبت امراء کے علاوہ کسی مرد کی صورت نہ دیکھی تھی، کسی ہتھیار کو بے خلاف نہ پایا تھا۔ یہاں حریم ٹھہر گیا۔سنگ مرمر کے قد آدم چبوترے کے چاروں طرف اونچے اور سبز درختوں کا حلقہ تھا۔مطلا سیڑھیوں پر بربری کنیزیں کمر کسے تلواریں علم کئے کھڑی تھیں۔ چبوترے پر ایک طرف چاندی کے ستونوں پر سونے کے تاروں کا شامیانہ اور زمین پر بے نظیر قالینوں کا فرش تھا۔ وسط میں مطلا و مرصع تخت تھا۔اس کے چاروں طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سونے کے ہرن، مرغ، طاؤس اور عقاب اپنے پورے قد میں کھڑے بیٹھے تھے۔ان کی آنکھیں ہیرے اور نیلم کی تھیں۔تخت پر مسند سے لگا نوعمر خلیفہ بیٹھا تھا۔اس کی داڑھی ہلکی سنہری تھی۔آنکھوں میں مستی اور چہرے پر زردی تھی۔سر پر موتیوں کا عمامہ، شانوں پر جواہرات سے مزین طیلساں ڈالے ایک نئے متعہ کا جشن منا رہا تھا۔پشت پر کھڑی ہوئی بے انتہا حسین کنیزیں سفید طاؤس کے پروں کے پنکھے اس ادا سے ہلا رہی تھیں کہ ان کے نیم برہنہ جسم کا ایک ایک عضو حرکت کر رہا تھا۔تخت کے بازو میں مطلا کرسی خالی تھی۔سامنے موصل کی سرخ باریک ریشم کی حنائی قباؤں میں رومی، ایرانی اور عربی کنیزیں اپنی عریانی سے بے نیاز، دف، چنگ، نے، بربط، طنبورہ، کمنچہ، قانون، ارگن، المعزہ، سلباق، شیر دو اور القیارہ لئے کھڑی بیٹھی اور نیم دراز تھیں۔شامیانے کے سامنے وہ مشہور عالم باغ لگا تھا جس کی زمینیں روپہلی اور سنہری تھیں۔کیاریاں عنبر کی، درخت چاندی کے اور پھل پتے سونے اور جواہرات کے تھے اور روشیں مشک و عنبر اور زعفران سے کاٹی گئی تھیں۔ایک طرف سونے کا



فوارہ عرق گلاب کی پھواریں اڑا رہا تھا۔سارے باغ میں مدتوں کی تربیت یافتہ، حسن میں بے نظیر کنیزیں صرف کمر پر چھوٹے چھوٹے موتیوں کی لڑیاں باندھے رقص کے کمالات دکھلا رہی تھی۔وہ تخت کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔تین مرتبہ کمر سے تلوار کھولی اور باندھی۔
خلیفہ نے داہنے ہاتھ کا اشارہ کیا یعنی سلام قبول کر چکا تھا۔وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔باغ کی عورتیں بدستور ناچتی رہیں اور اپنے جسم کی ہوش ربا نمائش کرتی رہیں۔خلیفہ کے چہرے پر تکدر کے آثار نمایاں ہو چلے تھے۔سوکھا ہوا غبی چہرہ سرخ ہونے لگا تھا۔اس نے عرض مدعا کرنا چاہا کہ پشت سے ایک کنیز برآمد ہوئی۔اس کے سر پر سونے کا طشت تھا جس میں سرخ شراب کا شیشہ اور آبگینہ رکھا ہوا تھا۔دوسری کنیز نے طشت اتار کر اس کو پیش کیا۔اس نے آبگینہ کو سر تک اٹھایا اور طشت پر رکھ دیا۔ سینے پر ہاتھ باندھ کر اور سر کو خم دے کر عرض کیا۔

''میں اس نعمت سے محروم کر دیا گیا ہوں۔''

امیر المومنین حقارت سے ہنس دیئے اور ناچنے والیوں کے ہلکے قہقہوں سے سارا دربار لبریز ہو گیا اور وہ سر سے پاؤں تک ندامت سے شرابور ہو گیا۔امیر المومنین کے ہاتھ کی جنبش پر باجے گنگنانے لگے، پھر بجنے لگے اور آفتاب و ماہتاب سے حسین دو کنیزیں حوا کا لباس پہنے پاگلوں کی طرح ناچنے لگیں۔ناچ کے زوال کے وقت وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور خلیفہ کی طرف دیکھا لیکن اس کی نگاہ ناچنے والیوں کے عریاں کولھوں پر ٹنگی ہوئی تھیں۔اس نے تخت کا طواف کرنے کے بجائے اس کے پائے کو بوسہ دیا اور الٹے پیروں باہر نکل آیا۔
قصر وزارت کے میدان میں قدم رکھتے ہی بوڑھے مردوں، عورتوں اور بچوں کا قافلہ نظر آیا جن کے پیروں میں پاپوش کے بجائے گودڑ بندھا ہوا تھا اور بدن پر لباس کی جگہ چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے۔ہاتھوں اور پیروں میں خون سے داغدار میلی پٹیاں بندھی تھیں۔آنکھیں مردوں کی طرح خالی اور چہرے بھکاریوں کے مانند بے کس تھے۔ایک چھ سات برس کا ننگا لڑکا اس کے جگمگاتے لباس اور گھوڑے کا ساز و سامان آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔عورتوں کے بے نقاب چہرے اس کے وجود سے بے نیاز روٹی کی فکر کی پرچھائیوں سے آباد تھے۔ اس نے گھوڑا روک لیا اور قریب آتے ہوئے بوڑھے کو مخاطب کیا جس کے چہرے سے نجابت ٹپک رہی تھی۔

"تم کون ہو؟"

"ہم کسی زمانے میں انسان ہوا کرتے تھے لیکن اب مٹی کے ڈھیلوں سے بھی سستے ہیں۔ خچروں سے بھی بدتر ہیں یعنی عیسائی لشکروں کی اجاڑی ہوئی رعایا ہیں، آپ کی رعایا ہیں۔"

"کہاں سے آئے ہو؟"

"صور سے۔"

"ہوں..... ہمارے ساتھ آؤ۔"

پشت پر کھڑی ہوئی غلاموں کی قطار کو حکم ملا۔

قافلہ ہمارا مہمان ہے اور رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھائے گا۔"

وزارتِ عظمیٰ کی بارگاہِ خاص کی مسند پر اسے بٹھایا گیا۔ چاندی کی سیلابچی میں ہاتھ دھلائے گئے اور دسترخوان پر وہ سب کچھ چن دیا گیا جو فرعون مصر کے وزیراعظم کو میسر ہو سکتا تھا۔ بوڑھا کھانا کھاتا رہا، روتا رہا۔ جب پیٹ بھر گیا اور نارگیلی پیش کی گئی تب بولا۔

"عالی جاہ..... ہم عیسائی ہیں..... اس لئے کہ ہم عیسائی گھروں میں پیدا ہوئے۔ جہاں تک واقعی مذہب کا سوال ہے تو ہمارا مذہب ہے بھوک، روٹی اور مصیبت۔ ہم جو اپنے بچوں کا دوزخ بھرنے کے لئے خچروں کی طرح محنت کرتے ہیں اور آدھا پیٹ کھا کر سو رہتے ہیں روح القدس کی صفات کیا جانیں۔ وحدانیت اور تثلیث کے رموز کیا سمجھیں۔ مدتیں ہو گئیں عالی جاہ جس طرح حاکم عیسائیوں کے گھوڑے ہمارے کھیتوں میں رہتے ہیں اس طرح ہم خود اپنے گھروں میں نہیں رہ سکتے۔ ہمارے جسم لباس کی لذت فراموش کر چکے۔ زبان ذائقہ بھول چکی۔ ہم چشموں سے پیاسے لوٹ آتے ہیں کہ حاکموں کے جانوروں کی بے حرمتی کے سزاوار نہ ٹھہرائے جائیں۔ ہم اپنے بیٹے اس لئے پالتے ہیں کہ وہ اپنے سینے تیراندازی کی مشق کرتے ہوئے عیسائی حاکموں کے تیروں کا ہدف بنائیں، گردنیں آوارہ عیسائی لونڈوں کی تلواروں کے خلاف ہو جائیں۔ ہم بیٹیاں اس لئے پیدا کرتے ہیں کہ وہ اپنی بے کس ماؤں، مجبور باپوں اور مقتول بھائیوں کی آنکھوں کے سامنے عیسائی حاکموں کی نفسانی آگ بجھائیں۔"



"عالی جاہ! ہم کو اب قیامت کا انتظار نہیں رہا۔"

"وہ ہمارے لئے آ چکی۔"

"ہمارے سروں سے گزر چکی۔"

اس نے اپنے اطلسیں شملے سے آنکھیں پوچھیں۔ ذہین سائل ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنا مہر وزارت سے مرصع ہاتھ بوڑھے کے کمزور شانے پر رکھ دیا اور اعلان کیا۔

"تمہاری گردنیں تلوار کا غلاف بن چکیں لیکن رب العالمین کی قسم ایک ایک گردن کا ایک ایک ہزار گردن سے حساب ہو گا۔"

بوڑھا سائل آنسوؤں کی نذر قدموں پر نچھاور کر کے چلا گیا۔ اس کا ہاتھ تلوار کے قبضے پر اسی طرح جما رہا۔ فریاد اسی طرح کانوں میں زہر ٹپکاتی رہی اور آنکھوں میں امیر المومنین کا دربار ناچتا رہا۔ نماز مغرب کے بعد سنگ مرمر کی دیوار پر آب زر سے بنے ہوئے نقشے میں وہ صور کا شہر دیکھ رہا تھا کہ نقیب نے افسر البرید (خفیہ پولیس اور محکمہ ڈاک کا ناظم اعلیٰ) کی آمد کی اطلاع دی۔ اس نے آتے ہی ایک سرخ لفافہ ہاتھ کی کشتی پر رکھ کر پیش کیا۔ اس نے گردن ہلا دی۔ افسر البرید نے مہر توڑ کر پڑھنا شروع کیا۔

"یکم محرم الحرام ۵۶۷ھ کی صبح کو غزہ پر یروشلم کی شاہی فوجوں نے ہلہ بول دیا۔ جامع مسجد میں آگ لگا دی، قرآن مجید کی جلدیں پھونک دیں۔ عیسائی اور مسلمان آبادی کو تہ تیغ کر دیا۔ شکیل اور جوان عورتیں تقسیم ہو چکیں، بچے غلام بنا لئے گئے۔ بوڑھے اور زخمی مضافات میں ہجرت کر گئے۔ فوج اب اُن بستیوں کے گرد گھیرا ڈال رہی ہے اور قتل عام کی تیاری کر رہی ہے۔ صبا رفتار قاصدوں کے ذریعہ وزارتِ عظمیٰ کو مطلع کیا جاتا ہے۔

(مہر برائے) خادم البرید ۲ محرم الحرام ۵۶۷ھ

وہ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر تالی بجائی۔ غلام کو حکم دیا۔

"امیر عساکر..... افسر الشرط..... اور میر عدل کو طلب کیا جائے۔"

افسر البرید نے پیشانی کی شکن سے بہت کچھ سمجھ لیا اور گزارش کی۔

Scanned by iqbalmt



"بارگاہِ خلافت سے حضور کی واپسی کے انداز کو امیر المومنین نے ناپسند فرمایا ہے۔ خواجہ سرا حریم سے تخلیے میں گفتگو فرمائی۔ خاندان کے معتوب بزرگوں کے ساتھ عصر کی نماز ادا کی۔ اس کا امکان ہے کہ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں کسی سیاسی طوفان کا پیش خیمہ بن جائیں۔ قاہرہ کے مضافات میں وہ ہزاروں سوڈانی شمشیر زن موجود ہیں جنھوں نے صدیوں خلافت کی خدمت کی ہے اور جن کو آپ نے معزول کر دیا ہے۔"

اس کی سوچ گہری ہوگئی۔

سنگ مرمر کے چبوترے پر قالینوں کا فرش تھا۔ آبنوسی کرسیوں کا سیمیں کام قد آدم شمعدانوں کی روشنی میں جگمگا رہا تھا۔ آسمان پر چاند روشن تھا۔ چبوترے کے نیچے چاروں طرف سنگ سیاہ کی نہر سے پانی اچھل رہا تھا جس پر سنگ مرمر کا چھوٹا سا پل تھا اور جس کی آخری سیڑھی سبزے پر رکھی تھی اور انجیروں کے جھنڈ کے پاس مسلح ترکمانوں کا ہجوم کھڑا تھا۔ آگے آگے میر عدل قاضی عماد الدین تھے جن کے سفید عمامے اور سفید جبے پر سیاہ داڑھی نے وجاہت کو دو چند کر دیا تھا۔ ان کے پیچھے امیر لشکر ملک العادل تھے جن کے طرز پوش میں پکھراج کی کلغی لگی تھی اور تلوار کا زرکار نیام زمین پر گھسٹ رہا تھا۔ ان کی پشت پر امیر الشرط طغرل تھے جو لوہے میں جکڑے جوانی کے نشے میں چور جھومتے چلے آرہے تھے۔ اس نے کھڑے ہو کر آنے والوں کو تعظیم دی اور وہ تینوں دست بوسی کر کے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ رسمی گفتگو کے بعد اس نے معاملے کی بات چھیڑی۔

"ہماری سرحدوں پر مسلمان بستیوں کی حالت قابلِ رحم ہو چکی ہے۔ اجڑے ہوئے قافلوں کی داستانوں نے ممالک محروسہ کے اسلامیوں پر افرنجیوں کی ہیبت بٹھا دی ہے۔ اندیشہ ہے کہ اس صورتِ حال سے پوری ملت بے حس نہ ہو جائے اور اپنی بدحالی پر قانع ہو رہے اس لئے ضرورت ہے کہ ایک جرار لشکر جائے اور عیسائی شہروں کو ہمارا ادب کرنا سکھلائے۔"

"اس کے لئے آپ نے اتنا اہتمام کیوں کیا۔ کسی غلام کو حکم دیتے اور ہم گھوڑوں پر سوار ہو جاتے۔" لیکن قاضی عماد الدین خاموش بیٹھے رہے اور ان کی داڑھی جبے کے زرد گریبان پر ہلتی رہی۔



"مجھے اس رائے سے اتفاق نہیں۔ امیر عساکر اور افسر الشرط مجھے معاف کریں۔ اگر دس بیس ہزار کا لشکر جاتا ہے تو اس کا خطرہ ہے کہ وہ ساحل کے عیسائی قلعوں کے زنجیرے میں پھنس کر غارت ہو جائے اور افرنجیوں کا فاتح لشکر قاہرہ کی دیواروں کے نیچے موجیں مارنے لگے اور اگر جرار لشکر روانہ ہوتا ہے یعنی پچاس ہزار سوار کوچ کرتے ہیں... تو میرا خیال ہے کہ گھات میں بیٹھا ہوا حریم، جھاڑیوں میں چھپے ہوئے سوڈانی سوار اور فاطمیوں کے خزانے سازش کر لیں گے اور وزیر اعظم کو کسی دوسرے اور مضبوط شادر سے نپٹنا پڑے گا۔"

"دمشق سے لشکر مانگوں؟"

"دمشق کا سلطان وزیر اعظم کی بڑھتی ہوئی شہرت سے خائف ہے اور وہ خود آپ کی رکاب کے شامی لشکر کی واپسی کا بہانہ ڈھونڈ رہا ہے۔ مجھے توقع نہیں کہ وہ مزید لشکر دے گا اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ آنے والا لشکر آپ کے بازوؤں کی طاقت بننے کے بجائے مصر کے تخت پر قبضے کا منصوبہ نہ بنائے گا۔"

"پھر میں کیا کروں میر عدل؟"

"آپ وہی کیجئے جو بار بار عرض کیا جا چکا ہے اور آپ جسے بار بار نظر انداز کر چکے ہیں۔"

"یعنی؟"

"یعنی فاطمی خلافت کی پرانی مسند لپیٹ کر کونے میں رکھ دیجئے۔ بیمار عاضد (خلیفہ) کو محل کی عورتوں کے حوالے کر دیجئے اور مصر کے تخت پر اپنا نیزہ گاڑ دیجئے اور جامع مسجد میں نور الدین محمود اور خلیفہ عباسی کا خطبہ پڑھا دیجئے اور بادشاہوں کے تخت اور عوام کے دل اپنی مٹھی میں کر لیجئے۔ پھر یروشلم پر فیصلہ کن چڑھائی کا منصوبہ بنائیے۔"

پھر اسی چبوترے پر عشاء کی نماز ہوئی اور قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر قسمیں کھائی گئیں اور ساری رات مملوکوں کے گھوڑے دوڑتے رہے اور صبح ہوتے ہوتے حریم اور خلافت کے حقداروں کو حراست میں لے لیا گیا۔ قصر کبیر کی فوجیں بے دست و پا کر دی گئیں۔ پھاٹکوں، غلام گردشوں، ستونوں، مورچوں اور دمدموں پر ترکمانوں کی تلواریں کھڑی کر دی گئیں اور اس وقت جب عیاش امیر المومنین کے بیمار ہاتھوں میں دوا کا پیالہ اور پیروں کے نیچے رومی

Scanned by iqbalmt



کنیزوں کے برہنہ بدن لرز رہے تھے قاہرہ کی جامع مسجد کے منبر پر موصل کے قاضی القضاۃ صمصام الدین خطبہ پڑھ رہے تھے اور خلیفہ بغداد کے حق میں دعا کر رہے تھے۔

تین صدیوں کی خلافت ختم ہو گئی اور اتنی آواز بھی نہ ہوئی جتنی دو جانوروں کے ٹکرانے میں ہوتی ہے۔ تیسرے دن اس انقلاب سے لاعلم عاضد کا انتقال ہو گیا اور قیراط نے اس کے سامنے شہنشاہیت کی جمع کی ہوئی دولت ڈھیر کر دی جس میں ایک زمرّد بارہ انگشت کا تھا اور ایک یاقوت "جبل نور" دو ہزار چار سو قیراط کے وزن کا تھا۔ موتی، ہیرے، نیلم اور پکھراج اس طرح ڈھیر تھے جیسے منڈی میں اناج کے انبار لگے ہوتے ہیں۔ سونے کے تخت، پلنگ کرسیاں، تپائیاں، شیر، چیتے، مرغ، طاؤس، گھوڑے، مینڈھے سب سامنے لائے گئے۔ سونے اور چاندی کے ستونوں کے اَن گنت شامیانے اور پچاس ہزار مرصّع قبضوں کی تلواریں، مشک و عنبر کی ہزار ہا چیزیں، ہاتھی دانت، صندل اور آبنوس کو موم کی طرح ڈھال کر محیر العقول صناعی سے بنایا ہوا سامان اس کے سامنے سے گزارا گیا۔ وہ قالینوں، دیوار پوشوں اور فانوسوں کی چھوٹی سی پہاڑی کے پاس کھڑا تھا کہ اگر ایلینور نے اس مال کا دسواں حصہ بھی دیکھ لیا ہوتا تو...... اور اس سے زیادہ وہ سوچنے پر رضامند نہ ہو سکا اور خلیفہ راشد کی تقلید میں یہ تمام سامان سپاہ اور عوام میں کھڑے کھڑے تقسیم کر دیا اور عجائبات سے سجے ہوئے قصر الکبیر کی سکونت اپنے امیروں کو عطا کر دی اور خود یروشلم پر چڑھائی کے سامان کے لئے افریقہ میں ابریم تک اور یمن سے نغز تک زیر نگیں کر لیا۔

پھر شام و جزیرے کا سلطان آقا نور الدین محمود زنگی کا انتقال ہو گیا اور ساری حکومت خود مختاری کا دم بھرنے لگی۔ ان کا گیارہ برس کا بیٹا حلب کے لالچی امیر گمشتگین کی تولیت میں تخت و تاج سے کھیلنے لگا اور موصل سے یروشلم تک سازش کے بادل امڈ آئے جو مصر کے اٹھتے ہوئے آفتاب کو غروب کر دینا چاہتے تھے۔ اس کے خون میں سپہ سالاری نے حکم لگایا کہ اگر ان چھوٹے چھوٹے لشکروں کو نہ سنبھالا گیا تو ایک دن بحر ذخار بن کر بغداد سے مدینہ تک ٹوٹے پھوٹے جہازوں کو ڈبو دیں گے۔ وہ چیدہ سواروں کو رکاب میں لے کر اڑا۔ قلعوں اور شہروں کو شکار کرتا ہوا دمشق کے دروازے پر جا پہنچا۔ امیر دمشق نے تخت حکومت پیش کر کے قصر خالی کر دیا جسے ٹھکرا کر وہ اپنے باپ ایوب کے دروازے پر جا پہنچا۔ داد و دہش



کرتا اٹھا اور حلب کے دروازے کو کھلنے کا حکم دیا۔ حلب آقا زادے صالح کا دار الحکومت تھا اور گمشتگین کے ہاتھوں میں سونے کا انڈا دینے والی مرغی بنا ہوا تھا۔ حلب کے دروازے مسلمانوں کی تقدیر کی طرح بند رہے۔ پھر سات آٹھ برس کا صالح تاج پہن کر اور گمشتگین کی انگلی تھام کر شہر کے برج پر آیا اور رعایا سے دروازے پر پڑے ہوئے لشکر کو ہٹا دینے کی درخواست کی۔ اس کے آنسوؤں نے مدافعت کو شعلہ سامان کر دیا۔ تب اس نے بغداد اور قرطاجنہ کے درمیان سب سے بڑے سپاہی سے مصر سے کمک طلب کی اور دمشق کو منجنیقیں اور دبابے مہیا کرنے کا حکم دیا۔ حلب کا قلعہ ایک گول نکیلی چکنی پہاڑی پر تھا جو اردگرد کی ہموار سطح سے کئی ہزار فٹ بلند تھی۔ موسم سرما عروج پر تھا۔ پہاڑوں کی چوٹیاں سفید دُلائیاں اوڑھے کانپ رہی تھیں۔ حلب کے چاروں طرف پھیلی ہوئی فوج الاؤ روشن کئے کمک کا انتظار کر رہی تھی کہ ایک خط گرفتار ہو کر پیش ہوا جس میں گمشتگین نے طرابلس کے نواب ریمنڈ اور یروشلم کے بادشاہ کو لکھا تھا۔

> "امیر طرابلس اور شاہ یروشلم کو معاہدے کی اوّلین دفعہ کے مطابق مطلع کیا جاتا ہے کہ مصر کا غاصب بادشاہ یوسف ابن ایوب ہمارے صوبوں کو غارت کرتا ہوا دار الحکومت پر چڑھ آیا ہے۔ آپ دوسرے حلیف شاہ صقلیہ کی امداد لے کر اس کی پشت پر حملہ کریں۔ ہم کیفا اور ماردین کے فرمانروا اشارے کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ آپ کے حرکت کرتے ہی فاطمی مصر دبا لیں گے اور ہم یلغار کریں گے۔ تاکید سے مطلع کیا جاتا ہے کہ یوسف بن ایوب جو مصر، سوڈان اور یمن فتح کر چکا ہے شام اور جزیرے کے بعد یروشلم کی طرف متوجہ ہو گا۔ وہ مشرق کی شہنشاہی کا خواب دیکھ رہا ہے۔ آپ اس معاملے کی سنگینی پر توجہ دیں۔
>
> مہر برائے
>
> گمشتگین اتالیق سلطنت جزیرہ و شام"

خط پر صالح اور گمشتگین کی دوہری مہریں تھیں۔ اس کو وہ سازش یاد آ گئی

Scanned by iqbalmt



جس میں صقلیہ کا بحری بیڑہ، یروشلم کی مرکب سوار فوجیں اور فاطمیوں کی دولت نے ایک ساتھ شریک ہو کر اس کی بربادی کا دام بچھایا تھا۔ وہ خط میر عدل کے حوالے کر کے انتظام میں مصروف ہو گیا۔ پھر پرچہ لگا کر ریمنڈ نے حمص کو لے لیا۔ حمص جو اس کا اسلحہ خانہ اور رسد گاہ تھا۔ اس نے مجبور ہو کر محاصرہ اٹھایا اور آندھی کی طرح حمص پر چلا اور ریمنڈ کے چالیس ہزار لشکر سے ایک ایک گردن کا حساب کیا۔ بعلبک کے مشہور عیسائی قلعے کو خون میں نہلا کر اور برف پوش مورچوں کو لالہ زار بنا کر چلا تو دریائے عاصی کے کنارے موصل، حلب، کیفا اور ماردین کے متحدہ لشکر کا سامنا ہوا یعنی عہد نامے کی دوسری شق پوری ہوئی۔ اس سازش کا جس میں مذہب و ملت کی قید اٹھ چکی تھی، دوسرا قدم سامنے تھا۔ امیرانِ بارگاہ نے گزارش کی کہ تازہ دم لشکر کا انتظار کیا جائے لیکن جلاوت نے گوارہ نہ کیا اور گھوڑے اٹھا دیئے اور ایک ہی یلغار میں میدان چھین لیا۔ دمشق آ کر صالح کا نام خطبے سے اڑا دیا اور اپنا خطبہ پڑھایا۔ سکہ مضروب کرایا اور صلاح الدین کا لقب اختیار کر کے تاج پہن لیا۔ دوسری بار حلب پر چڑھائی کر دی۔ مکمل ناکہ بندی کر کے شہر لے لیا اور قلعے کی دیواروں پر منجنیقیں لگا دیں اور طغرل اور طفتگین کو تہرناک فوجیں دے کر کیفا اور ماردین کی گوشمالی کے لئے روانہ کیا اور خود اپنی کمان میں لشکر کی موجیں قلعے کی برف پوش چوٹیوں پر چڑھا دیں اور یقین کیا کہ صبح تک فتح قدموں میں پڑی ہو گی۔

حلب کی پہاڑی پر واقع زرد شاہی بارگاہ پر زرد پرچم لہرا رہا تھا۔ اندر وہ آبنوس کی کرسی پر بیٹھا تھا جس کے پایوں پر ہاتھی دانت کا کام تھا اور جو ہرن کے سینگوں کی طرح باہر کی طرف نکلے ہوئے تھے جس کے دستوں اور پشت پر زرد مخمل چڑھا تھا اور تکیے پر چاندی کا فرانسیسی مرصع تاج رکھا تھا۔ سامنے یمن میں تربیت کیا ہوا وہ بچھڑا کھڑا تھا جو ایلینور کے بخشے ہوئے گھوڑے سے نسل کشی میں نصیب ہوا تھا اور جو اپنے باپ کی طرح شوکت کا اظہار کر رہا تھا اور جس کی اداؤں سے وہ محظوظ ہو رہا تھا کہ سامنے کھڑے ہوئے ذاتِ خاص کے رسالے کے سپاہی نے خنجر نکال کر اپنے سینے پر رکھ لیا اور گرج کر بولا۔

"شیخ الجبال کے حکم کے مطابق آپ محاصرہ اٹھا لیں ورنہ قتل ہو جائیں گے۔"

آخر لفظ کے ساتھ خنجر سینے میں تیر گیا اور وہ تڑپنے لگا اور ٹھنڈا ہو گیا۔ وہ دم بخود



بیٹھا۔ پھر تفتیش ہوئی۔ پتہ چلا کہ اس فدائی نے ذاتِ خاص کے سپاہی کا بہروپ بھرا اور اصلی سپاہی کو قتل کر کے خود اس کی خدمت انجام دینے لگا اور آج موقع پا کر یہ حرکت کی۔ بارگاہ پر زبردست پہرا قائم ہو گیا۔ تاج الملوک (ایک بھائی) بکتر پہن کر دروازے پر نصب ہو گئے۔ وہ اپنے خیالوں میں گم تہجد کی نماز کے لئے اٹھا۔ سلام پھیر کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تھے کہ مدتوں کے وفادار خادم نے چھرا چلا دیا جسے طربوش کے نیچے لوہے کی کڑیوں نے روک لیا۔ دوسرے وار کو ہاتھوں پر سنبھالا اور تیسرے وار سے پہلے تاج الملوک نے اس کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ مقتول بھی ترکمان خادم کے بھیس میں فدائی نکلا۔ سارے لشکر میں سنسنی پھیل گئی۔ بڑے بڑے جلیل الشان سردار گھوڑوں پر سوار ہو کر ایک ایک آدمی کو کھوجتے پھرے۔ آخر ایک ترکمان نے نام و نسب کے سوال پر بہکے بہکے جواب دیئے اور گرفتار ہوا اور پیش کیا گیا۔ اسے اپنی مسند پر بٹھا کر قرآن مجید پر ہاتھ رکھوایا اور قسم کھلائی کہ اگر اس نے سچ سچ ساری روداد سنا دی تو جان بخشی کر دی جائے گی ورنہ ایسی سزا ملے گی کہ جہنم کے عفریت کانپ اٹھیں گے۔ وہ تھوڑی دیر گم سم بیٹھا رہا۔ پھر بولا۔

"میرا نام صہیب ہے۔ میں مشہد میں پیدا ہوا۔ سترہ برس کی عمر میں دستار باندھی گئی اور مصیاف کی نظامت میں ملازمت ہو گیا۔ دن میں قلم گھستا اور رات میں شعر کہتا۔ زندگی بھلی بری گزر رہی تھی۔ اس وقت تک میری کوئی نماز قضا نہ ہوئی تھی، کوئی روزہ ساقط نہ ہوا تھا۔ پھر میں اپنے ایک ہم پیشہ سے قریب ہو گیا۔ جب دوستی بڑھتی گئی تو میں نے اس سے پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ اس نے جواب دیا نماز وہ پڑھیں جو مرنے کے بعد جنت حاصل کرنا چاہیں۔ میں تو زندگی ہی میں جنتی ہو چکا۔ اس جواب سے مجھ پر حیرت کی بجلی گر پڑی۔ جب میں نے تفصیل چاہی تو وہ مکر گیا۔ آخر میں جستجو کی آگ میں بھٹکنے لگا اور ایک دن اپنے آپ کو میں نے اس کے قدموں میں ڈال دیا۔ اس نے مجھے قبول کر لیا اور کہا کہ کل شام کو میرے پاس آنا۔ میں سہ پہر ہی سے اس کے گھر جا کر بیٹھ گیا۔ مغرب کے بعد وہ گھر سے نکلا اور مصیاف کے قلعے کی فصیل کے نیچے بنے ہوئے مکانوں میں سے ایک مکان میں داخل ہو گیا۔ میں بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہیں ایک کمرے میں اس نے میری آنکھوں پر پٹی باندھی اور میرا ہاتھ پکڑ کر چلا۔ میں کوئی دو گھڑی تک چلتا رہا اور جب پٹی کھلی

Scanned by iqbalmt



تو میں ایک کمرے میں تھا جس میں سفید چاندی کا فرش تھا، چھت پر فانوس روشن تھے، طاقوں میں عوددان مہک رہے تھے اور مسند پر ایک بزرگ متمکن تھے جو سفید عبا اور عمامہ پہنے تھے۔ ان کی داڑھی عمامے سے زیادہ سفید تھی اور آنکھوں میں ستارے جل رہے تھے۔ میں نے ایسی پرُ جلال صورتیں زندگی میں دو چار ہی دیکھی تھیں۔ میں بے خود ہو کر ان کے سامنے دوزانو بیٹھ گیا۔ ان کے نصف چہرے کے نقاب کا آخری سرا اُن کے دونوں سفید ہاتھوں تک لمبا تھا۔ تھوڑی دیر بعد انھوں نے اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھ دیا اور میں بے خود ہونے لگا۔ پھر انھوں نے چاندی کا ایک لانبا گلاس مجھے عنایت کیا جو برف سے زیادہ ٹھنڈا، دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ میں نے ایک گھونٹ پیا۔ انھوں نے گلاس میرے ہاتھ سے لے لیا اور اپنا نقاب میرے سر پر ڈال دیا۔ اب مجھ پر رقت طاری ہوئی، ہچکیاں بندھ گئیں اور گریبان آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ انھوں نے نقاب اٹھا لیا اور گلاس میرے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ میں نے پورا پی لیا۔ میری روح تسکین اور طمانیت سے سیر ہو گئی اور میں نے پھر ان کے مقدس ہاتھوں پر سر رکھ دیا۔ اب دنیا کے گھناؤنے پردے ہٹ چکے تھے اور میں جنت میں تھا۔ میرا محل چاندی کا تھا۔ تمام ستون، دیوار، محراب، فرش سب کچھ چاندی کا تھا۔ تمام دروازے سونے کے تھے۔ فرش کے قالینوں میں سونے کے تار پروئے ہوئے تھے اور پردوں پر موتی ٹنکے تھے۔ ہر کمرے میں ہر قسم کے کھانے اور شربت جو انسان تصور کر سکتا ہے موجود تھے۔ میں قاقم کا لباس، یاقوت کی جوتیاں اور ہیرے کا تاج پہنے ہوئے تھا۔ میرے لباس کو اگر بغداد کا خلیفہ دیکھ لیتا تو بھوک پیاس اڑ جاتی۔ دروازوں پر غلمان کھڑے تھے جو موتیوں کے عمامے اور ہیرے کی پاپوش پہنے ہوئے تھے اور ان کے جسم سے ایسی خوشبو اٹھ رہی تھی جس کی نظیر نہیں ہو سکتی۔ میں جب ان کے سامنے سے گزرتا تو وہ جھک جھک کر سلام کرتے۔ پھر حوروں کا ایک پرا آیا، جن کی صورتوں کا انسان تصور نہیں کر سکتا۔ میں کسی کے حسن کو بیان نہیں کر سکتا۔ سب لامثال تھیں۔ ان میں سانولی، سفید، زرد، سرخ، ہر رنگ کی تھیں۔ سب کے شانوں پر پر تھے جن میں عقیق کی جھالریں لگی تھیں۔ ان کے جسم پر کپڑے کے بجائے ہیرے، نیلم، عقیق، زمرد، فیروزہ، پکھراج اور موتی کے ہار اس طرح لپٹے ہوئے تھے کہ ستر پوشی ہو گئی تھی۔ وہ جب آئیں تو میں بدحواس ہو گیا لیکن وہ سب میرا طواف کر کے



مجھ سے بے تکلف ہو گئیں۔ کوئی میرے بالوں سے کھیلنے لگی، کوئی میرے شانوں سے جھول گئی۔ ان کے منہ سے عنبر اور جسم سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔ میں ان کی بہارِ حسن کی گل چینی کرتا رہا اور اپنے پیر کو دعا دیتا رہا۔ پھر مجھے وہ باغ میں لائیں جس کی زمین مشک کی تھی، کیاریاں زعفران کی، درخت چاندی کے، شاخیں سونے کی، پھل، پھول اور پتے عقیق و زمرّد کے تھے۔ اس کے بیچ میں شیشے کی نہریں تھیں جن میں شہد، دودھ اور شراب بہہ رہی تھی۔ ان کے کنارے ہاتھی دانت کے تخت بچھے ہوئے تھے جن پر حوریں لیٹی بیٹھی تھیں جو مجھ پر نچھاور ہوئی جا رہی تھیں۔ ان میں سے کسی کے سر پر نقل کی کشتی، کسی کے کاندھے پر شراب کا کدو تھا اور کسی کی چکیلی کمر پر شرابِ سرخ کی بلّوریں صراحی تھی جس کے عکس سے اس کے عریاں کولھے جو خود شراب کے قرابے تھے، سرخ ہو گئے تھے۔ کچھ کے ہاتھوں میں موسیقی کے آسمانی آلات تھے جن سے ملکوتی نغمے پھوٹ رہے تھے۔ پھر وہ گنگنانے لگیں۔ ایک نے تان لگائی اور مجھے محسوس ہوا کہ میرا دل سینہ توڑ کر نکل جائے گا۔ پھر ایک حور نے ناچنا شروع کر دیا اور معلوم ہوا کہ اس کے رقص کے سحر سے زمین و آسمان ٹکرا کر چور چور ہو جائیں گے۔ میرے پہلو سے لگی ہوئی حور نے دوسری حور کی کمر سے صراحی اتاری اور یشعب کے پیالے میں ڈھال کر مجھے دیا۔ وہ شرابِ طہور تھی جو مزے میں شہد سے شیریں تر، برف سے سرد اور تیزی میں آگ سے کہیں تیز اور رنگ میں دودھ سے سفید تھی۔ میں نے دوسرا پیالہ مانگا، اس نے دیا۔ میں نے تیسرا پیالہ بھی سیر ہو کر پیا۔ پھر رقص اپنے عروج پر پہنچ گیا اور زمین و آسمان چکرا گئے۔ جب ہوش آیا میں اپنے مکان میں پڑا تھا۔"

"سلطانِ اعظم!"

"جنت میں گزرے ہوئے تھوڑے سے لمحے یہاں کے کئی دنوں سے بھی لمبے تھے۔ میرے دوست نے بھی حساب لگا کر بتایا لیکن نہ مجھے اجابت محسوس ہوئی اور نہ استنجے کی خواہش ہوئی۔ اب دنیا میری نگاہ میں تاریک تھی۔ نہ دن کو سکون، نہ رات کو قرار۔ بس ایک آرزو تھی جو بے قرار کیے ہوئے تھی یعنی جنت کے ان چند لمحوں کا دوبارہ حصول۔ بڑے ریاض کے بعد پھر اپنے شیخ کے حضور میں باریابی ہوئی۔ شیخ نے دست بوسی کے بعد ایک خنجر عنایت کیا اور حکم دیا کہ اس کی مہارت حاصل کروں۔ میں کہ فنونِ جنگ سے آشنا تھا چند ہی

Scanned by iqbalmt



دنوں کی کوشش میں ایسا کامل ہو گیا کہ انسان کے جس حصے کے جس روئیں کو چاہوں تراش لوں۔ پھر مجھے حکم ہوا کہ بغداد کے میر عدل کو جس نے ہمارے شیخ الجبال سے گستاخی کی تھی، جہنم پہنچا دوں۔ میں نے اپنے شیخ کے مریدوں کی مدد سے میر عدل کے محافظوں میں سے ایک کا بہروپ بھرا اور اس محافظ کو اس کے مکان سے غائب کر کے میر عدل کی خواب گاہ پر پہرہ دینے کھڑا ہو گیا اور موقع ملتے ہی اس کے ٹکڑے کر دیئے۔ میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر انعام جنت حاصل کرنے کو تھا کہ دوسرا حکم پہنچا کہ پر خنجر چلاؤں اور ساری عمر کے لئے جنت میں داخل ہو جاؤں۔ میں جو جنت میں داخلے کی کوشش سے زیادہ وہاں سے نکلنے کے اندیشے سے مضطرب تھا سرور ہو گیا اور سلطان اعظم کے لشکر میں ترکمان کا بھیس بنا کر داخل ہو گیا۔"

"لیکن خدا کا شکر ہے کہ ہمارے جاسوسوں نے تجھے تلاش کر لیا۔"

تاج الملوک نے لقمہ دیا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے نگاہ اٹھائی۔ فدائی نے گردن جھکائی۔

"اپنے مرشد اور الموت کے ساحر سے پوچھنا کہ اس کی جھولی میں کوئی ایسا بھی خنجر ہے جو کرک کے رہزن، طرابلس کے ڈاکو اور بیت المقدس کے غاصب پر بھی چمک سکے یا اس کی ملعون آستین میں وہی پلید چھرے ہیں جو افرنجیوں سے نبرد آزما لشکروں پر چلا کرتے ہیں۔ اس مار آستین کو شاید علم بھی نہ ہو کہ فلسطین کے فاتح عیسائی لشکر نہیں، اس کے کمبخت خنجر ہیں۔ ہم تیری زندگی کی حفاظت کریں گے تا کہ تو اس پہاڑی چوہے کو ہمارا پیغام پہنچا سکے کہ ہم شیروں کی طرح للکار کر شکار پر جھپٹتے ہیں۔ اس کو خبردار کر دو کہ اپنے لشکروں کو استوار کر لے، اپنے قلعوں کو آراستہ کر لے۔ ہماری یلغار ان تاجداروں کا محاصرہ نہیں جو موت کے خوف سے اپنے لشکر اٹھا لائے۔ ہم جب رکاب میں پاؤں رکھتے ہیں تو اس یقین کے ساتھ کہ شہادت ہماری رکاب پکڑے گی اور رضوان ہمیں اتار لے گا۔ ہماری موت لڑائی کا خاتمہ نہ ہو گی۔ ہمارا ہر سردار صلاح الدین ہو گا جسے اس کے زمانے نے تلوار پکڑا کر اٹھایا ہے۔ ہمارے جلو میں زربفت کے لباسوں اور جواہرات میں لپٹے ہوئے امیر و رئیس نہیں ہیں جو عزت کی موت اور ذلت کی زندگی کا فرق نہیں جانتے۔ ہماری رکاب



میں وہ مجاہد ہیں جو موت کی جستجو میں دشمن کی صفیں چھانتے گھومتے ہیں...... جاؤ اور خدا نے چاہا تو اسی مہینے الموت کے دروازے پر تمہارے شیخ الجبال کی لاش لٹک رہی ہو گی۔"

مصر کے نائب السلطنت کو فرمان لکھا کہ فاطمیوں کے خلاف تلوار پر گرفت مضبوط رکھو۔ سپہ سالار عادل کو قاہر فوجوں کے ساتھ حکم دیا کہ افرنجیوں کی سرحدی بستی میں تہلکہ ڈال دے اور خود دس ہزار خچروں پر قلعہ شکن آلات بار کئے اور بارہ ہزار سواروں کے ساتھ بادل کی طرح اٹھا اور حشیشیوں کے مرکز پر بجلی کی طرح گرا۔ وہ تاریک جنگل جن کی ناقابل عبور ویرانی شیخ الجبال کی سپر تھی جلا کر خاک کر دیئے۔ وہ آبادیاں جو فدائیوں کا اسلحہ خانہ اور رسد گاہ تھیں تہ و بالا کر دیں۔ وہ فلک بوس قلعے جن تک پہنچتے پہنچتے عقاب تھک جاتے تھے اور جن کے برج میں بیٹھ کر شیخ الجبال مصر سے خوارزم تک اور افریقہ سے یمن تک کے بادشاہوں کو احکام لکھا کرتا تھا، زیر و زبر کر ڈالے۔ مصیاف کے قلعے کی طرف جنبش کر رہا تھا جس کا نام آشیانہ عقاب تھا اور جو اسم بامسمیٰ تھا۔ سطح زمین سے آسمان کے تارے کی طرح نظر آتا تھا کہ راستے میں شیخ کے سفیر آئے اور گلے میں چادریں ڈال کر اور خالی نیام پہن کر اور دن میں چراغ جلا کر آئے اور پچھلے گناہوں کی معافی کے خواستگار ہوئے۔ جواب دیا گیا کہ "مصیاف" کے دربار میں برج پر بیٹھ کر تم سے ملاقات کریں گے اور اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا جس کے نیچے سے بڑے سے بڑے مغرور بادشاہ ایک ایک لاکھ لشکر لے کر ناکام پھرے تھے۔ منجنیقیں اور دبابے لادے ہوئے دس ہزار خچر سیدھی چڑھائی پر چڑھتے ہوئے ٹڈی دل کی طرح فصیل کے چاروں طرف پھیل گئے اور ایک ہی رات میں پانچ سو دبابے اور دو سو منجنیقیں پتھروں کی بارش کرنے لگیں۔ شیخ الجبال چوہے کی طرح اپنے بل سے بلبلا کر نکلا اور بغیر کسی شرط کے حضوری کی گزارش کی۔ وہی امیروں کی کانپتی زبانوں کی گڑگڑاتی وکالت سے عاجز ہو کر باریابی کا شرف بخشا گیا۔

آدھی رات ادھر تھی اور آدھی رات ادھر۔ وہ مدور زرد بارگاہ میں لکڑی کے تختے پر شیر کی کھال بچھائے، کھجور کی چھال کا تکیہ لگائے طربوش اور بکتر پہنے قد آدم شمعوں کی روشنی میں بیٹھا تھا۔ طغرل اور طفتگین کے آہن پوش ہاتھ ایک بوڑھے کا بازو پکڑ کر لائے اور تخت کے سامنے سرخ نمدے پر کھڑا کر دیا اور اس کی پشت پر ننگی تلواریں ٹیک کر کھڑے

Scanned by iqbalmt



ہو گئے وہ بھاری بدن پر ڈھیلا ڈھالا اطلسیں چغہ پہنے تھا۔ سفید مخروطی ریشمی داڑھی ناف تک چلی گئی تھی۔ شانوں پر دودھ میں دھلے گھونگھریالے گیسو پڑے تھے۔ اس بڑھاپے میں بھی چہرے سے خون ٹپک رہا تھا۔ سر پر سفید اصفہانی پگڑی تھی جس کا شملہ کمر کے نیچے پڑا تھا۔ داہنے ہاتھ کی بیچ کی انگلی میں گول نیلم کی بڑی سی انگوٹھی، پیروں میں مخمل کی پاپوش اور آنکھوں میں بے خوفی چمک رہی تھی۔

"تو تم ہو وہ شیخ الجبال...... جس نے سارے عالم اسلام میں بزدلانہ خونریزیوں کا جال بچھا رکھا ہے۔"

"سلطانوں کے سلطان! میری ایک گزارش۔"

"شیخ الجبال تمہاری پیشانی پر سجدوں کا نشان ہے اور دامن پر خون کے داغ۔ تم کو دیکھ کر قرب قیامت کا یقین ہو گیا۔ تم اس قبیلے سے ہو جس کے سینے میں قرآن ہوتا ہے اور زبان غلاظت میں لت پت ہوتی ہے۔ تمہاری بند آنکھوں کے سامنے عیسائی لشکر آتے ہیں۔ مسجدوں میں گھوڑے باندھ کر قرآن پاک پھونک دیتے ہیں۔ مردوں کو قتل کر دیتے ہیں اور عورتوں کو ہانک لے جاتے ہیں اور تم شدادی جنت میں بیٹھے ہوئے اپنے بڑھاپے کو عورتوں سے بہلایا کرتے ہو اور چھرے چمکایا کرتے ہو۔"

"سلطان اعظم۔"

"تم کرک کے ریجینالڈ، طرابلس کے ریمنڈ اور یروشلم کے بالدون کے حلیف ہو۔ تم نے اپنی اس خونیں تنظیم میں جکڑے ہوئے سرفروشوں کو بیت المقدس پر چڑھا دیا ہوتا تو رب العالمین کی قسم ہم تمہارے ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔ تمہارے لشکر کے آگے آگے لڑ کر مر جانے والے پہلے سپاہی کا نام "صلاح الدین" ہوتا لیکن تم نے کچھ کیا تو یہ کہ جب ملت اسلامیہ کے ہاتھوں میں کوئی تلوار چمکی تو تم نے اپنے خفیہ خنجر سے اس کو تراش لیا۔ تم صلیبیوں کے ہاتھ میں وہ پوشیدہ خنجر ہو جس کے خوف سے مسلمان تاجدار اپنے قلعوں سے نکلتے ڈرتے ہیں اور افرنجی مکہ معظمہ تک فوجیں چڑھا لاتے ہیں۔"

"سلطان اعظم میری عرضداشت۔"

"تم کو معلوم ہے کہ ہماری نظر میں تمہاری جنت کی کیا وقعت ہے؟ قصر الکبیر کی



بے نظیر عمارتوں میں ہمارے غلام رہتے ہیں۔ وہ خزانے جو قارونوں اور فرعونوں کو خرید لیتے ہم نے اپنے لشکر میں بانٹ دیئے ہیں۔ ہماری نظر میں آفتاب و ماہتاب سی عورتیں کھال کھینچے ہوئے دنبوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ ہم نے تین سو برس سے قائم عظیم الشان سلطنت کو اس طرح معزول کر دیا جیسے سپاہی اپنا گھوڑا بدلتا ہے۔ ہمارے بکتر کے نیچے وہ کفن ہے جو ہم نے وزارت عظمیٰ کی قبولیت کے دن پہنا تھا اور یہ کفن اس دن اترے گا جس دن بیت المقدس پر محمدی جھنڈا لہرانے لگا۔ رہا فاطمیوں اور عباسیوں کا مسئلہ تو فاطمی اس لئے نابود کیے گئے کہ وہ بیت المقدس کے راستے میں پہاڑ کی طرح حائل تھے اور اگر عباسیوں نے بھی یہ جسارت کی تو پروردگار کی قسم بغداد کی گلیاں ہمارے لشکر سے چھلک اٹھیں گی۔ بارگاہ خلافت میں ہمارے گھوڑے نزول فرمائیں گے اور امیر المومنین کو نبیذ کے قرابوں میں دفن کر دیا جائے گا۔ شیخ الجبال ہم نہیں چاہتے کہ مسلمانوں پر چڑھ کر اپنا وقت اور ان کی قوت غارت کریں۔ ہم تمہارے دیار کا بھی رخ نہ کرتے۔ اس لئے نہیں کہ ہم تم سے خائف تھے بلکہ اس لئے کہ ہم میدانوں کے شیر ہیں۔ چوہوں کو ان کے بلوں سے نکال کر مارنا شجاعت کی توہین سمجھتے ہیں۔ ہماری آرزو ہے کہ ہم جہاد کرتے ہوئے شہید ہوں لیکن اگر یہ مقدر ہو چکا ہے کہ ہم کسی بزدل فدائی کے چور خنجر کا نشانہ بنیں تو ہم کو یہ موت بھی قبول ہے، لیکن یاد رکھو کہ صلاح الدین کے بعد ایک ایک سپاہی صلاح الدین بن کر کھڑا ہو جائے گا اور تم پر زمین تنگ ہو جائے گی اور تم سے نسبت رکھنے والے گدھے اور گھوڑے تک ذبح کر دیئے جائیں گے۔"

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ شیخ الجبال نے آگے بڑھ کر تخت کے پائے کو بوسہ دیا اور اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ولیوں کی سی آواز میں بولا۔

"خون حسین کی قسم۔ میں نے سلطان اعظم کے قہرمان لشکروں کی حرکت کو شوق جہانبانی پر محمول کیا تھا اور مقابلے پر کھڑا ہوا تھا لیکن آپ نے آنکھوں کے پردے ہٹا دیئے۔ عہد کرتا ہوں کہ میرے خنجر سلطان اعظم اور اس کے فرمان کی حفاظت کو ایمان سمجھیں گے۔

"اگر حکم ہو تو مصیاف کا قلعہ مہمان داری کے آداب بجالائے۔"

"نہیں مصیاف کی نعمتیں تمہیں مبارک ہوں، ہماری لئے افرنجیوں کی تلواریں

Scanned by iqbalmt



کافی ہیں۔"

"طغرل!"

"عالی جاہ"

"سپہ سالار کو محاصرہ اٹھا لینے کا حکم دو اور شیخ الجبال کو حفاظت سے رخصت کر دو۔"

مصیاف سے حلب تک تمام بے ادب و گستاخ قلعوں اور شہروں کو فتراک نیاز مندی میں باندھتا ہوا وادیٔ جناں کے سبزہ زار میں داخل ہو گیا جہاں سے حلب کے باغوں کی سبز قبائیں اور قلعے کے سفید گنبدوں کے عمامے نظر آنے لگتے ہیں۔ گمشتگین کے قاصدوں نے اس کے پہلو میں چلتے ہوئے طغرل کی رکاب چوم کر صلح کی شرائط پیش کیں۔ طغرل نے صلح نامہ کو حقارت سے زمین پر ڈال کر گھوڑے کی ٹاپوں سے روند دیا اور قاصدوں نے سنا۔

"ہم حلب کے بادشاہ برج میں دربار قائم کر کے فاتح امیروں کو خلعتیں پہنا کر گمشتگین کی شرطیں سماعت فرمائیں گے۔"

ابھی لشکر اتر رہا تھا کہ خبر آئی۔

"حلب کے دروازے خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔"

ایک پہر آرام کر کے نامی گرامی مملوکوں کو جلو میں لے کر قلعے پر چڑھا۔ باب الداخلہ پر زرد پرچم لہرا رہا تھا اور فولادی دروازے کی اندرونی محراب میں اس کے مرحوم آقا سلطان نورالدین محمود زنگی کا خرد سال بیٹا جواہرات سے منڈھا تاج اور موتیوں سے منڈھی پاپوش پہنے، حبشی ہاتھوں میں سدھے چھتر سلطانی کے سائے میں تنہا کھڑا تھا۔ آقازادے کی نگاہ اٹھتے ہی گھوڑے سے اتر پڑا۔ عبا کے دامن پر بوسہ دیا اور رکاب تھام کر چلا اور سلطان نورالدین محمود زنگی کے عالی شان محل میں اتر پڑا۔ گمشتگین اور بڑے بڑے سردار جنھوں نے عیسائیوں سے لے کر شیخ الجبال تک اس کے قتل کی سازشیں کی تھیں، گلے میں تلوار ڈالے اور سینے پر ہاتھ باندھے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے کہ خدائی کا دعویٰ کرنے والی سلطنت مصر اور بنی امیہ کے شام کا بادشاہ ایک لڑکے کی رکاب تھامے غلاموں کی طرح ادب برتتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ گمشتگین کے علاوہ سب کے سلام قبول ہوئے۔ مذہب ستونوں اور سونے سے منڈھی چھت کے ایوان میں دسترخوان بچھا۔ زرکار شیشے کے برتنوں میں نعمتیں چنی گئیں۔



تصویروں سے زیادہ خوبصورت کنیزیں مہین کپڑے اور سونے زیور پہنے خدمت پر موجود کھڑی تھیں۔ بسم اللہ ہوئی لیکن آقازادے نے ہاتھ نہ اٹھایا۔ پوچھنے پر جواب دیا۔

"گمشتگین کی جاں بخشی سے قبل ہم کو آب و دانہ قبول نہیں۔"

فاتح سپہ سالاروں کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں اور سیکڑوں ہاتھ قبضوں پر چلے گئے۔

پھر کمسن صالح نے سنا۔

"جان آپ کی طرف سے بخشی گئی اور منصب آپ کے والد کے غلام کی طرف سے عطا کیا گیا۔"

پھر ننھا سا بادشاہ اپنے خدم و حشم کے ساتھ قلعے کی طرف کوچ کر گیا اور اس نے دوسرے دن جمعہ کی نماز کے بعد قلعہ میں جلوس کرنا پسند کیا اور ملک العادل کے ترتیب دیئے جشن فتح میں نزول اجلال فرمایا۔ قصر حلب کے باغ میں وہ شامیانہ نصب ہوا جس کی چھت اور ستون مخمل پوش تھے اور ہزار ہا فانوس، جھاڑ، پنج شاخے، شمعیں اور مشعلیں روشن تھیں۔ فرش پر وہ قالین پڑے تھے جن پر رزم و بزم کے مرقعے چمک رہے تھے۔ سپاہی سے سپہ سالار تک سب کے سب سرخ، زرد، سفید، سیاہ، سادی، دھاری دار، سوتی، ریشمی قباؤں، عباؤں اور کفتانوں میں ملبوس بیٹھے تھے۔ کیفا کے فرمانروا نورالدین...... ماردین کے حکمراں جلال الدین اپنی اپنی افواج کے ساتھ مقبول ہوئے۔ سردار و امیر، والی و عامل، پیادے اور سوار، جوڑے اور گھوڑے، مال و منصب، مرتبے اور جاگیر سے نہال ہوئے۔ پھر اس کے تخت کے سامنے دو عورتیں دف اور کمنچہ بجانے لگیں۔ ایک لڑکی اپنے نصف چہرے پر نقاب ڈالے، بھاری بدن پر ڈھیلا ٹخنوں تک بسا خوبصورت کرتا پہنے، پتلی کمر کو ریشمی رسیوں سے اور پتلی کئے داہنے ہاتھ میں خنجر لئے چیتے کی طرح ہلکے، سبک، بے خوف قدموں سے چلتی ہوئی ناچتی ہوئی آئی اور بیٹھے ہوئے امیروں پر حملہ آور ہونے لگی۔ ہر بار یہ معلوم ہوتا کہ خنجر سر میں پیوست ہو گیا اور ہر بار وہ امیروں کے عماموں کی سطح چاٹ کر چلا آتا۔ وہ نسائی ہاتھ کی مہارت اور قدرت پر محظوظ ہو رہا تھا کہ بارگاہ کا بایاں بازو روشنی سے اور روشن ہو گیا۔ متنے سے بادشاہ صالح کی چھوٹی بہن اور مرحوم سلطان کی بیٹی نصف چہروں پر موتیوں کا نقاب ڈالے گھوڑے پر سوار کھڑی تھی۔ وہ تخت سے اس طرح اٹھا جیسے ادنیٰ خادم اپنے جلیل الشان آقا کے سامنے

Scanned by iqbalmt



اٹھتے ہیں۔شہزادی کو اپنے گود میں لے کر اتارا۔ بیچ تخت پر مسند کا سہارا دے کر بٹھا دیا اور خود اس کے سامنے دوزانو ہو بیٹھا۔ پھر التماس کیا۔

''صاحبزادی بلند اقبال نے قلعہ سے برآمد ہونے کی زحمت کیوں فرمائی۔ کسی غلام کو حکم فرماتیں، ہم ڈیوڑھی پر حاضر ہو جاتے۔''

''ہم آپ سے حلب کا قلعہ مانگنے آئے ہیں۔''

''حلب کا قلعہ آپ کیا کریں گی؟''

''ہم اس میں کھیلیں گے۔''

''آقازادی..... حلب کا قلعہ تو ایک قلعہ ہے۔ اگر آپ نے مصر، شام، یمن یا سوڈان کا تخت مانگا ہوتا تو رب ذوالجلال کی قسم وہ بھی عطا کیا جاتا۔''

پھر دس ہزار دینار سرخ کی نذر پیش کی اور اراکین حکومت کو اشارہ کر کے نذریں گزاریں۔ گود میں لے کر گھوڑے پر سوار کرایا۔ طغرل اور تاج الملوک کو چھتر و چنور دیا۔ خود گڑیا کی طرح بیٹھی ہوئی شہزادی کی رکاب تھام کر پاپیادہ چلے۔ پشت پر تیس ہزار کا فاتح لشکر اس طرح چل رہا تھا جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں۔ حلب کے عوام وہ وقت یاد کر رہے تھے جب مرحوم سلطان نے بدگمان ہو کر مصر پر چڑھائی کا سامان کیا تھا اور مصر کے وزیراعظم نے پیغام بھیجا تھا کہ ایک یوسف کے لئے اتنے بڑے لشکر کی کیا ضرورت ہے۔ کسی غلام کو حکم دیجئے وہ مصر آ کر مجھے اونٹ کی ننگی پیٹھ پر باندھ کر لے جائے اور سلطان یہ پیغام سن کر رو دیا تھا اور پیار و محبت کے خطوط لکھے تھے۔ جب تک آقازادی کا گھوڑا قلعہ کے دروازوں میں غروب نہ ہو گیا وہ کھڑا دیکھتا رہا۔ وزیر اور سردار، والی اور امیر پیشوائی کو دوڑے مگر اس نے مطلق توجہ نہ دی اور سوار ہو گیا۔ مقربین بارگاہ نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔

''اس قلعے کا تین بار محاصرہ ہوا ہے۔ پانچ ہزار جانیں اور پانچ لاکھ اشرفیاں خرچ ہوئی ہیں۔ آپ کی ذاتِ مقدس پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔ یہ قلعہ عراق کا دروازہ ہے، شام کا محافظ ہے، شیخ الجبال کا نگہبان ہے۔ کھلونا نہیں ہے جو کسی لڑکی کو کھیلنے کے لئے دے دیا جائے۔''

''سچ ہے..... فوجی اعتبار سے یہ قلعہ بہت بڑا ہے، لیکن اس تعلق کے مقابلے میں، جو سلطان مرحوم کو میری ذات سے تھا بہت چھوٹا ہے۔ اگر میں سلطان کی شفقت بھلا سکتا ہوں



تو تم میری عنایات نظر انداز کر سکتے ہو اور تم سے چھوٹے تمہارے الطاف فراموش کر سکتے ہیں۔ اس طرح زینہ بہ زینہ قوم کو بداخلاقی کی خاموش تعلیم دی جا سکتی ہے۔

حلب سے آرمینیا کے عیسائی بادشاہ روپن کی سرکوبی کو اٹھا۔ راستے میں قلیج ارسلاں کی تادیب کرتا ہوا، المصیصہ کو غارت کرتا ہوا حسن المناقر کے دروازے پر اتر پڑا۔ اسے زمین کے برابر کر کے روپن کی تباہی کے لئے ہتھیار پہن رہا تھا کہ روپن کا بھائی سفیر بن کر حاضر ہوا، بیش بہا نذرانے پیش کر کے اور رو دھو کر روپن کی جاں بخشی کرائی۔ واپسی میں رود سنجہ کے کنارے واسط میں دربار کیا۔ شاہانِ عراق، موصل، اردبیل، کیفا، ماردین، سلطان قونیہ اور شاہ آرمینیا کی نذریں قبول کیں، خلعتیں پہنائیں اور امن و آشتی کا خطبہ دیا۔

شام کے نائب السلطنت اور اس کے مشہور برادرزادے فرخ شاہ کی پُراسرار موت کا پرچھلکا۔ پھر خبر آئی کہ افرنجیوں نے دمشق کے مضافات لوٹ لئے۔ وہ غیظ و غضب کے عالم میں ایک ایک کوچ میں دو دو منزلیں لپیٹتا دمشق پہنچا۔ قصر کے سامنے میدان میں تین ہزار قیدی اور آٹھ سو سر ڈھیر تھے۔ ابھی قیدیوں کی زندگی کا فیصلہ ہونا تھا کہ زندگی کی سب سے دہشت ناک خبر آئی یعنی کرک کا رجینالڈ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی طرف بڑھ رہا ہے اور اس کے منصوبے میں مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کے علاوہ رسول اللہ کا جسم اطہر بھی (نعوذ باللہ) قبر مبارک کھود کر لے جانا ہے۔ اس خبر سے ساری دنیائے اسلام میں آگ لگ گئی، لیکن سب اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہاتھ ملتے رہے، ماتم کرتے رہے، صدقے دیتے رہے اور نماز خوف ادا کرتے رہے۔ اس نے قیدیوں کو جنھیں مسلمان تاجدار سنبھال کر رکھتے تھے اور آڑے وقتوں میں ڈھال کا کام لیتے تھے، سولی پر لٹکا دیا اور رجینالڈ کے تعاقب میں سوار ہوا۔ حجاز کی سرحد پر مصر کے امیر البحر لولو نے حاضری کی سعادت حاصل کی اور رجینالڈ کی شکست فاش کی خبر سنائی اور اس کے ناپاک لشکر کے قیدی پیش کئے جن میں بڑے بڑے نائٹ شہسوار اور پادری شامل تھے۔ انہیں رکاب میں لے کر وہ کرک کا قصہ پاک کرنے چلا۔ شہر پناہ کے نیچے خیموں کے ساتھ ساتھ سولیاں بھی کھڑی کیں اور فصیل سے جھانکتی ہوئی ان گنت آنکھوں کے سامنے رجینالڈ کے گرفتار لشکر کو پھانسی پر چڑھا دیا۔ کرک کے قلعے کا استحکام دور دور تک مشہور تھا جو شہر کے مغرب میں پہاڑ کی طرح کھڑا تھا اور

Scanned by iqbalmt



خود شہر ایک زبردست شہر پناہ کی حفاظت میں تھا، لیکن مصیاف اور حلب جس کے فراک میں پڑے ہوں اسے کیا خوف دلا سکتا تھا۔ حکم دیا کہ بڑی بڑی گیارہ منجنیقیں شہر پناہ کے ایک گوشے پر سنگ بار ہوں۔ دوپہر کے بعد خبر آئی ہے کہ فصیل نے لشکر کو سلام کر کے راستہ دے دیا۔ اس نے جاتے ہی جاتے شہر لے لیا لیکن دشمن نے بھاگتے بھاگتے چالیس گز گہری خندق کا وہ پل توڑ دیا جو قلعہ کا واحد راستہ تھا۔ سارے شہر کے ہتھیار بند گرفتار ہوئے۔ سارا شہر جو ریحینالڈ کی شادی کی خوشی میں بھڑکیلے کپڑے پہنے، شراب میں مست دادِ عیش دے رہا تھا، بدحواس ہو کر قدموں پر گر پڑا اور وہ اس عظیم الشان برج کے نیچے آ گیا جو خندق کے اس پار کی دیواروں کے تکون پر سر اٹھائے کھڑا تھا اور اس کی گاتھک وضع کی کھڑکیوں کے دھندلے رنگین شیشے تیروں اور پتھروں کی مار سے چور چور ہو گئے تھے۔ فرمانروائے کیفا نورالدین جس نے اس لڑائی میں بڑے بڑے کام کیے تھے گھوڑا اڑاتا آیا اور اپنے رسالے کو حکم دیا کہ قیدیوں کی مدد سے شہر کے مکانات ڈھکیل کر خندق کو پاٹ دیا جائے۔ پھر گھروندوں کی طرح پتھر کے مکان گرنے لگے اور قلعے پر دھاوے کا انتظام ہونے لگا۔ برجوں پر منجنیقیں ماہر تیر اندازوں کی طرح سنگ باری کرنے لگیں اور ان کے کنگرے، محرابیں اور حاشیے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے اور نعرہ زن فوج کے ہمہمے سے شہر کانپنے لگا کہ ریحینالڈ کی بیوی اور شاہ یروشلم کا بھائی چمڑے کے سرخ موزے اور سرخ ریشمی قبا پہنے سفید جھنڈا اڑاتا ننگے سر خالی نیام پہنے آہستہ آہستہ گھوڑے کو ڈھکیلتا آیا اور اس خندق کے اس پار کھڑا ہو گیا۔ اجازت ملتے ہی اور کشتی پاتے ہی خندق اتر کر آیا اور رکاب کو بوسہ دے کر درخواست کی۔

''میں بادشاہ یروشلم کا بھائی اپنی بہن کی حرمت کے نام پر اور اسلام کی سخاوت کے نام پر بادشاہوں کے بادشاہ سے گزارش کرتا ہوں کہ ریحینالڈ کی خطا معاف کر دی جائے اور اس برج کبیر کو جو حجلۂ عروسی ہے پتھروں سے محفوظ کر دیا جائے۔''

اور وہ مغرب کے غلاموں کی طرح مودب کھڑا رہا۔

''ہم قسم کھا چکے ہیں کہ اپنی تلوار سے ریحینالڈ کا سر اتاریں گے تاہم اسلام کے نام پر مانگی ہوئی بھیک کی خاطر کچھ دنوں کے لیے اس کی موت ٹال دی جائے گی۔''



وہ شاد کام رخصت ہوا تو سرداروں نے اسے گھیر لیا۔

''ہم نے آتے ہی آتے شہر کو الٹ پلٹ کر دیا۔ دشمن سراسیمہ ہے۔ لشکر فتح کے نشے میں چور خندق زیر کر لی گئی ہے، دیواریں ہماری یلغار کو روک نہیں سکتیں۔ ایسی حالت میں محاصرہ اٹھا لینا آئینِ سیاست کے خلاف ہے۔''

''ہاں، لیکن آئینِ سخاوت اور آئینِ شجاعت کے عین مطابق ہے۔ ہم اپنی قوم میں جو ایک صدی کی افرنجی تاراج سے بے اعتماد ہو چکی ہے اعتماد پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اسے یقین دلانا چاہتے ہیں کہ اس کی فتوحات اتفاق پر نہیں قوت پر مبنی ہیں۔ دشمن کتنی ہی تیاریاں کر لے ہم جب انھیں گے نیست و نابود کر دیں گے۔ یہ قلعہ ہماری شکار گاہ کا ایک چالاک شکار ہے جو اپنی مکاریوں کی بدولت زندہ ہے اور جسے زیادہ دنوں برداشت نہیں کیا جائے گا۔''

جون ۱۱۸۶ء کو پرچہ لگا کہ عیسائیوں نے پانچویں مرتبہ صلح شکنی کی اور حاجیوں کے قافلے برباد کر دیے۔ اس نے اس خبر کو سکون سے سنا۔ مشرق پر نظر ڈالی۔ افریقہ سے آرمینیا اور یمن سے مصر تک کسی کی آستین میں کوئی چور خنجر ایسا نہ تھا جو اس کی گردن کے لیے تڑپ رہا ہو۔ عربی گھوڑوں پر بدو سواروں کو چڑھا کر حلب، موصل، ماردین، کیفا، مصر اور یمن حکم نامے بھیجے کہ ان چیدہ سواروں کو حاضر کیا جائے جن سے عربی قبیلوں اور عجمی خاندانوں کی آبرو زندہ ہے اور خود چار ہزار سواروں کے ساتھ حوران کے علاقے میں الشترا کے مقام پر وہ جھنڈا گاڑ دیا جسے بیت المقدس پر لہرانا تھا۔ بنفسِ نفیس کمک کی فوجوں کی سلامی لی اور لشکر کا جائزہ لیا۔ بارہ ہزار سوار مشرق کے سب سے بڑے سپہ سالار کی رفاقت میں جان دینے کو تیار تھے۔ قراول نے خبر دی کہ صفوریہ کے مقام پر دو ہزار نائٹ (ان میں اسکوئر، بکتر بردار اور خدمت گار جو خود بھی سپاہی ہیں شامل نہیں کیے گئے) چودہ ہزار ترکوپول (فوج سوارہ) اور اٹھارہ ہزار پیدل جمع ہیں اور طبریہ سے آنے والے لشکر کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس نے لشکر کی سرداریاں تقسیم کیں۔ نورالدین امیر کیفا کو طلایہ، جلال الدین امیر ماردین کو عقب، برادرزادے تقی الدین کو میمنہ اور کوکبری کو میسرہ دے کر قلب کو بنفسِ نفیس سنبھال کر جمعہ کی نماز پڑھی اور سلام پھیر کر طبلِ جنگ بجوا دیا۔ عین الجبل کے تمام عیسائی مورچے تہس نہس کرتا اخوانہ پہنچ کر قراولوں کا انتظار کیا۔ مطمئن ہو کر رود واردن جو صیدا سے عبور کیا اور تاج الملوک

Scanned by iqbalmt



کو دو ہزار سوار دے کر حکم دیا کہ طبریہ سے نکلنے والے لشکر کو تباہ کر دے اور خود کفر سبت کی طرف مڑ گیا۔ دوسرے دن اطلاع آئی کہ تاج الملوک نے طبریہ کو محاصرہ کے لشکر کے پھونک دیا۔ قرادلوں نے گزارش کی کہ عیسائی بڑھتے آرہے ہیں۔ اس نے لشکر کو چڑھا کر حطین کی بلند سطح پر پھیلا دیا جس کی پشت پر سیدھی ڈھلان کے نیچے گہری جھیل تھی۔ داہنی سمت پتھریلے بنجر علاقے اور بائیں جانب وہ تمام لبریز جھیلیں اور شاداب باغ تھے جن تک افرنجی تلوار ہلائے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس نازک مقام پر بوڑھا تجربہ کار سپاہی کوکبری اپنے سالاروں کے ساتھ حاضر ہوا اور بولا۔

''جنگ کا فیصلہ تلواریں نہیں تقدیریں کرتی ہیں۔ اگر تقدیر نے یاوری نہ کی تو ہم سلطان سے کہاں ملیں گے۔''

''حوضِ کوثر کے کنارے۔''

بوڑھے سردار نے اپنا بھاری عمامہ اس کی رکاب پر جھکایا اور سوار ہو کر اپنے لشکر میں چلا گیا۔ پھر اس نے لوہے کی کڑیوں کی زرہ پر کفن پہنا۔ وہ طربوش سر پر رکھا جس پر فدائی کے خنجر کا داغ تھا اور اس گھوڑے پر سوار ہوا جو شرق و مغرب کا سنگم تھا اور جس کی جست و خیز نے یورپ کی دارالحکومتوں میں صف ماتم بچھادی تھی اور اپنے زرد جھنڈے کے نیچے کھڑے ہو کر جائزہ لیا۔ اب ہلتی ہوئی کمان کی طرح عیسائی لشکر نظر آنے لگا تھا۔ داہنے ہاتھ پر ریمنڈ والیٔ طرابلس طبقۂ الودایہ کے سرخ پوش نائٹوں کے جلو میں آرہا تھا۔ ان کے مجلی بکتر پر سورج کی کرنیں تڑپ رہی تھیں۔ بائیں ہاتھ پر یروشلم کا سپہ سالار ہمفری ہاسپٹلرز کے شہسواروں کے آگے آگے بڑھ رہا تھا اور سامنے صلیب مقدس کے سائے میں شاہ یروشلم بالڈون کے چاروں طرف ٹمپلرز کے مشہور شمشیر زن تکونی ڈھالیں سینے پر اٹھائے آرہے تھے۔ ان کی پشت پر لوہے میں جکڑے ہوئے پیدل سپاہی آہنی نیزوں کو بیچ سے پکڑ کر فولادی مجسموں کی طرح رینگ رہے تھے۔ ابھی اس نے حملے کے اشارے میں اپنے خاص زرد علم کو حرکت بھی نہ دی تھی کہ نورالدین طلایہ کو عقب میں لے کر اڑا اور ریمنڈ پر گر پڑا اور اس کے قریب کھڑے شہزادے ملک الظاہر کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس نے گھوم کر ملک الظاہر کی تلوار کی سیدھ میں دیکھا کہ اس کا جواں سال اور تجربہ کار بھتیجا تقی الدین



اپنے سواروں کو حرکت دے چکا ہے اور بائیں ہاتھ میں سفید گھوڑے کی راسیں اور داہنے ہاتھ میں تلوار علم کئے گفتان کے دامن اڑاتا عقاب کی طرح دشمن پر جا رہا ہے۔ اس نے گھوڑے کو پیچھے ڈھکیلا۔ ایک علم دار کو جو زرد علم پکڑے اپنے آقا کا منہ دیکھ رہا تھا اشارہ کیا۔ اسے جنبش ہوتے ہی باجے گرجنے لگے اور کوکبری نے بھی اپنے لشکر کو حرکت دی۔ اب مسیحی باجوں کی کھنک اس کے سر پر پہنچ گئی اور جنگ مغلوبہ کا آغاز ہونے لگا۔ اس نے بھی ابلق کو چھیڑا اور تین میل لمبی ٹیڑھی میڑھی قطار میں لڑتے ہوئے لشکر کے ایک ایک بازو ایک ایک مورچے پر پہنچا جہاں مدافعت میں شدت محسوس کی وہاں اپنے مملوکوں کے ساتھ لڑا اور دشمن کو دھکیل کر الٹے پیروں واپس ہوا اور دوسرے مرکز کی خیریت لینے چلا۔ شام تک وہ انھیں مارسیا تک دھکیل لے گیا۔ باجوں کی مخصوص دھنیں بجوا کر علموں کو سیدھا کھڑا کر کے لشکر کو واپسی کا حکم دیا۔ سلامت افواج کی صفیں باندھ کر مغرب کی نماز پڑھائی اور اس وقت تک جانماز پر بیٹھا رہا جب تک عشاء کا وقت نہ آگیا۔ پھر اپنے خیمے میں اپنے سپہ سالاروں کو طلب کیا۔ غنیم کی قیام گاہ گھیر لینے کی تاکید کی اور حکم دیا کہ جب تک اجازت نہ ملے اپنے غضب کو سنبھالے رکھو اور واضح کیا کہ یہ لڑائی بیت المقدس کی لڑائی ہے جو حطین میں لڑی جا رہی ہے۔ اس کی اہمیت کو سمجھو اور پوری دانائی و دلیری سے حالات کا مقابلہ کرو۔ پھر ایک ہزار اونٹ تیروں اور سات سو اونٹ ہتھیاروں سے لدے ہوئے تقسیم کئے اور خدا کی عبادت میں صبح کا انتظار کرنے لگا۔

صبح کی پہلی کرن پھوٹتے ہی اس نے خفیہ احکام کے ذریعہ مارسیا کے عیسائی لشکر گاہ کے چاروں طرف کھڑی ہوئی خشک جھاڑیوں میں آگ لگوادی اور غنیم بھڑوں کی طرح چھتوں سے نکل نکل کر صف بستہ ہو گیا اور دھوپ نکلتے نکلتے اس کے لائق سپہ سالار اپنے اپنے مقامات پر متعین ہو گئے۔ دشمن گرمی سے بے قرار ہو کر جلد سے جلد حملے کے لئے آگے بڑھنے لگا اور وہ اپنے لشکر کو سمیٹتا پیچھے دبتا چلا آیا یہاں تک کہ افرنجی صفیں ٹوٹ گئیں اور سورج کی کرنوں کے نیزے آگ برسانے لگے اور باجوں، نعروں سے زمین و آسمان دہلنے لگے۔ اب اس نے اپنے سبز جھنڈے کو حرکت دی اور اس کی کمان کے ساتھ دس ہزار کمانیں کڑکنے لگیں اور دشمن کے سیکڑوں سوار پیدل ہو گئے۔ نائٹ اور شہسوار دست بدست جنگ

Scanned by iqbalmt



کے لئے لپکنے لگے لیکن وہ انھیں تیروں کی باڑھ پر رکھے رہا یہاں تک کہ کئی ہزار تیر اڑتے ہوئے سانپوں کی طرح دشمن کو ڈس چکے تھے۔تب اس نے زرد جھنڈے کو جنبش دی اور فیصلہ کن لڑائی کے لئے باجے بجوادیئے اور اپنے خاص برداروں کے ساتھ دشمن پر تن واحد کی طرح چلا اور اپنے نقشے کے مطابق تھوڑی دیر لڑ کر جب دشمن کے آہن پوش سواروں کا دباؤ پڑا تو پیچھے ہٹ گیا۔جب غنیم کی صفیں بے ترتیب ہو چکیں تو پلٹ کر ان کو اپنے نرغے میں لے لیا اور جنگ مغلوبہ شروع ہو گئی۔اس مقام پر ملاحظہ کیا کہ تقی الدین کا لشکر اسے اس کے محافظ سواروں کے ساتھ تین سو نائٹوں، ریمنڈ کے جھنڈوں اور خاص برداروں کے حلقے میں چھوڑ کر پیچھے ہٹ رہا ہے۔وہ انتہائی غیظ و غضب کے عالم میں پہنچا اور للکار کر کہا:

''دشمن پر اس کا دروغ ثابت کردو۔'' اس کی آواز سن کر اور یلغار دیکھ کر سپاہ نے پلٹ کر حملہ کیا اور صفوں کی صفیں الٹ دیں اور نائٹوں کا حلقہ توڑ کر تقی الدین کے ساتھ دشمن کے قلب میں گھس گئے۔اب اس نے ابلق اڑا کر سارے میدان کا جائزہ لیا اور حکم بھیج کر ان مملوکوں کو طلب کیا جنھوں نے آج کی لڑائی کے لئے سبز کفن پہنے تھے اور خود، بکتر اور ڈھالیں پھینک دی تھیں اور میدان سے الگ سلطان کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔اب وہ سفید گھوڑوں پر سوار شانوں پر سیاہ بال اور سینے پر سیاہ داڑھی اڑاتے، دونوں ہاتھوں میں تلواریں علم کئے، گھوڑے کی راسیں کمر میں باندھے فرشتوں کی طرح نازل ہوئے۔یروشلم کے سپہ سالار نے انھیں جان دے کر روکنا چاہا لیکن نہ روک سکا اور وہ اس کی رکاب میں آکر جنگ سلطانی لڑنے لگے اور ایک ایک گردن کا ایک ایک ہزار گردن سے حساب کرنے لگے۔پھر وہ سرخ خیمہ نظر آیا جس کے چاروں طرف صلیبی جھنڈے کے سائے میں بالڈون اور ریجینالڈ سیکڑوں آہن پوش نائٹوں کے ساتھ پروانہ وار لڑ رہے تھے۔اس نے توران شاہ کو حکم دیا کہ اس خیمہ کی طنابیں کاٹ دو اور فتح کے باجے بجوادو۔اس بارگاہ کے گرتے ہی سلطانی لشکر کے تنگ گھیرے میں کھڑے ہوئے بادشاہوں، نائٹوں اور پادریوں نے ہتھیار پھینک دیئے۔ ان کی گرفتاری کا حکم دے کر خون سے لال میدان میں اپنے جھنڈے کی جانماز بنائی اور سجدے میں گر پڑا۔

پھر اسی میدانِ جنگ میں زرد مدوّر بارگاہ نصب ہوئی۔قالینوں کا فرش اور لکڑی



کا تخت بچھایا گیا جس پر افریقہ کے شیروں کی کھالیں پڑی تھیں اور وہ اپنے ہی خون سے لال کپڑوں میں کھجور کی چھال کے تکیے سے پشت لگا کر بیٹھا ایک سو پچھتر نائٹوں، تین سو طبقہ الداویہ، الہبطار، ہاسپٹلرز اور ٹمپلرز کے سواروں کے ساتھ تبنین کا ہمفری، کرک کا ریجینالڈ اور یروشلم کا بادشاہ بالڈون پیش کیا گیا۔شاہ کو اپنے تخت پر بٹھایا اور پیاسا دیکھ کر حطین کے پہاڑوں کی برف سے سرد کیا ہوا پانی کا بلوریں کٹورا عطا کیا۔اس نے سیر ہو کر پیا اور دوسرا کٹورا لے کر اپنے بہنوئی ریجینالڈ کو دے دیا۔

''شاہِ فلسطین نے پانی تم کو پلایا ہے۔''

شاہ نے سر جھکا لیا۔

ریجینالڈ! ہم نے تیرے قتل کی دوبار قسم کھائی تھی۔ایک بار اس وقت جب تو نے عین صلح کے زمانے میں بے گناہ حاجیوں کا قتل عام کیا اور دوسری بار اس وقت جب تو نے ہمارے پیغمبر کے شہر مقدس پر چڑھائی کا ناپاک منصوبہ بنایا۔خدا کا شکر ہے کہ ہم اپنی قسم پوری کرنے کے قابل ہوئے۔

نیام سے لال تلوار نکلی اور اس کا سر بارگاہ کے اس سرے تک لڑھکتا چلا گیا۔اور

بالڈون کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

''ہم سپاہی ہیں اور بادشاہوں کے ساتھ سلوک کرنا جانتے ہیں۔فلسطین کے بادشاہ کی تو آج سے پہلے ہمارا مشہور سپہ سالار تقی الدین بھی ایک بار جاں بخشی کر چکا ہے۔آپ کا فدیہ وہ تمام مسلمان ہیں جو فلسطین کی حکومت میں قید ہیں۔رہے یہ نائٹ اور سوار تو ان کے سروں پر بے گناہ مسلمانوں کا خون ہے۔اس لئے یہ دمشق کی گلیوں میں سولی پر چڑھائے جائیں گے......راہبوں اور شریفوں سے نرم سلوک کیا جائے گا۔

وہ رات فتح کے نعروں کی گونج میں بسر کی اور صبح اس قوم کے سو سو سواروں کو ایک ایک قلعے کی فتح کا حکم صادر کیا جس کے سو سو سپاہی ایک ایک نائٹ کی صورت دیکھ کر بھیڑوں کی طرح گردنیں ڈال دیتے تھے اور خود پانچ ہزار سواروں کے ساتھ راستے کے شہروں اور قلعوں پر اپنا پرچم اڑاتا فتح کے جلوس کی مانند گشت کرتا بیت المقدس کے دروازے پر کھڑا ہو گیا اور ''باب یافا'' کو زد کر کے لے لیا۔اسی وقت سفارت حاضر ہوئی جسے اپنی بارگاہ میں

Scanned by iqbalmt



طلب کیا۔ شہر قدس کے تاجروں، شریفوں، امیروں، نائٹوں اور پادریوں کے ساتھ اسقف اور بالیان نے دست بستہ گزارش کی۔

"ہم آپ کے پاس بیت المقدس پر صلح کی شرطیں لے کر حاضر ہوئے ہیں۔"

"کہیں فاتح مفتوحوں کی شرطیں سنا کرتے ہیں۔"

بالیان اسقف کو وحشت سے گھورنے لگا۔

"سنو..... بیت المقدس جتنا تمہارے لئے متبرک ہے ہمارے لئے بھی اتنا ہی مقدس ہے۔ ہم اس بات پر قادر ہیں کہ اگر چاہیں تو اس دن کا انتقام لے لیں جب یہ برگزیدہ شہر تمہارے ناپاک قبضے میں آیا تھا اور اس کی گلیوں میں تم نے ہمارے بچوں اور عورتوں کے خون سے نہریں بہائی تھیں۔ ہم اس بات کی بھی قدرت رکھتے ہیں کہ اپنی آنکھوں کے سامنے تمہارے گرجاؤں کو غلاظت سے پاٹ دیں، پھر کھدوا کر زمین کے برابر کر دیں اور تمہاری مقدس صلیبوں کی لکڑی سے اپنے غلاموں کی غذا پکوائیں، لیکن ہم ایسا نہ کریں گے۔ اس لئے کہ ہمارے دین نے دوسرے مذاہب کے مقاماتِ مقدسہ کے احترام کی تعلیم دی ہے اور ہمیں وہ تعلیم عزیز ہے۔ تمہاری حیثیت ہمارے نزدیک مجبوروں کی ہے اور ہم جنھوں نے بڑی بڑی شہنشاہیاں غارت کر دیں مجبوروں پر تلوار اٹھانا کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ حکم دیا جاتا ہے کہ بیت المقدس کے دروازے کھول دیئے جائیں۔ ساری عیسائی آبادی ہماری غلامی تسلیم کرے یا چالیس دن کے اندر زرِ فدیہ دے کر شہر خالی کر دے ورنہ تلوار ہے۔ وہ تلوار جس کے آگے فتح چلتی ہے اور پیچھے موت۔"

اسقف نے شہر پناہ کی کنجیاں تاج الملوک کے ہاتھ میں رکھ دیں اور سپہ سالار کو حکم دیا کہ منادی کر دی جائے کہ بیت المقدس کی ایک ایک بھیڑ کے روئیں اور ایک ایک پیڑ کے پتے کو امان دی گئی اور امان کو غصب کرنے کی سزا موت ہوگی۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ سے شہر پناہ کے بڑے دروازے پر پرچم لہرایا اور نمازِ شکر پڑھی اور پاپیادہ مسجد اقصیٰ کے دروازے پر پہنچا۔ نگاہ اٹھا کر دیکھا تو افرنجیوں کے پرچم کے بجائے محمدی علم لہرا رہا تھا۔ اندرونی محراب کے ٹھنڈے منقش بازو سے لگ کر کھڑا ہو گیا اور روتا رہا۔ سجدۂ شکر میں گر گیا۔ آنسوؤں سے فرش بھگو دیا۔ جب ذرا دل تھما تو نرم آواز میں دعا مانگی۔



"پروردگار اس فتح الفتوح کے شکر کے لئے تیرے بندے کی زبان میں طاقت ہے اور نہ الفاظ میں وسعت۔ رب العالمین تو نے جن کمزور ہاتھوں پر عظیم الشان فتح بخشی ہے وہ تیرے حضور میں ممکن خاکساری کے ساتھ دراز ہیں اور دعا مانگتے ہیں کہ جو جھنڈا تیرے گھر پر اس شکوہ سے لہرا رہا ہے وہ قیامت تک لہراتا رہے، قیامت تک لہراتا رہے۔"

آمین۔ آمین۔ آمین"

مسجد اقصیٰ کے در و دیوار اس مقدس نعرے سے گونج گئے۔ اس نے گھوم کر دیکھا اس کے پیچھے بڑے فرمانروا، سپہ سالار، بھائی بھتیجے اور بیٹے صفیں باندھے سجدے میں پڑے تھے۔

مسجد عمر میں نماز پڑھ کر نگاہ اٹھائی تو سپہ سالار ملک العادل کھڑے تھے۔ سفید عمامے پر ایک انگل چوڑا ہیرا لگا تھا۔ کفتان سے جھانکتی صدری میں زمرد کے تکمے چمک رہے تھے۔ تلوار کے نیام پر ہیرے جگمگا رہے تھے۔ سلام کر کے دوزانو بیٹھ گئے۔

"میں سلطانِ اعظم سے کچھ مانگنے آیا ہوں۔"

"ہم نے بغیر سنے عطا کیا۔"

"اس مقدس شہر میں رہنے والے عیسائیوں میں جنھوں نے یہاں کا متبرک دانہ کھایا ہے اور برگزیدہ پانی پیا ہے ایسے مفلس بھی ہیں جو نام نہاد زرِ فدیہ ادا کر کے رہائی نہیں حاصل کر سکتے۔ میری آرزو ہے کہ ایسے ایک ہزار عیسائیوں کو زرِ فدیہ ادا کر کے آزاد کر دوں اور ان کو بھی اپنی خوشی میں شریک کروں۔"

"ہم تمہاری فیاضی سے مسرور ہوئے اور حکم دیتے ہیں کہ ہماری طرف سے بھی ایسے دس ہزار عیسائیوں کا زرِ فدیہ ادا کر کے آزاد کیا جائے اور اجازت بخشتے ہیں کہ ہمارے سالاروں، بھائیوں، بھتیجوں اور بیٹوں میں سے جو بھی چاہے اس نیک کام میں شریک ہو اور اگر پیسے کی تنگی ہو تو خزانے سے قرض دیا جائے۔"

وہ سفید سوتی کفتان، سفید سوتی ازار اور زرد چمڑے کے موزے پہنے گھوڑے پر سوار ان خاص برداروں کے جلوس میں "باب یافا" سے گزر رہا تھا جو زربفت کی زرد کرتیاں،

Scanned by iqbalmt



سیاہ مخمل کے پاجامے، زرکار چرمی موزے اور سونے کی پیٹیاں پہنے طربوش پر مرصع کلغیاں لگائے، سنہری قبضوں کی تلواریں لٹکائے ان گھوڑوں پر سوار تھے جن کے زین قاقم کے اور پاکھریں اطلس کی اور رکابیں چاندی کی تھیں کہ نصرانی بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کے جم غفیر نے گھیر لیا اور خدا کے بیٹے کے نام پر آہ وزاری کرنے لگے۔ سپاہیوں نے چاہا کہ گھوڑے کو زقند لگا کر راستہ بنا دیں مگر نگاہ دیکھ کر ٹھہر گئے۔ وہ دروازے کے سامنے ہی کھڑا ہو گیا۔ حلقہ تنگ ہو گیا۔ سپاہی دور ہو گئے اور افسر رسالہ کے حکم کی تعمیل میں کمانوں پر تیر جوڑ لئے۔

"آپ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟"

"ہم آپ کی بدنصیب رعایا ہیں۔ آپ نے ہمارا زر فدیہ ادا کر کے آزاد کیا اور ہم آپ کے اقبالِ سلطنت کو دعائیں دیتے طرابلس گئے اور وہاں کے رئیس اور دنیا کے کتے نے ہمارا بچا کھچا سامان ضبط کر لیا اور ہمیں جانوروں کی طرح ہانک دیا۔ ہم بھیک مانگتے یہاں تک آئے ہیں اور آپ کی فیاضی سے دادخواہ ہیں۔"

"آپ شاہی مہمان خانے میں قیام کریں اور معیشت کی بحالی کا انتظار کریں۔"

ہزاروں آوازیں "نائیٹوں کے نائٹ" کو درود کر دعائیں دیتی ادھر ادھر ہٹ گئیں۔

وہ اُن کے ہجوم سے نکلا تو تقی الدین نے گھوڑے سے اتر کر التماس کیا۔

"بغداد سے امیر المومنین کے قاصد تاج اور تلوار اور "لوا" لے کر آئے ہیں اور مبارک باد پیش کرنا چاہتے ہیں۔"

"ان کو ٹھہراؤ۔ مناسب وقت پر باریاب کئے جائیں گے۔"

اب شاہِ فلسطین کے محل کے کنگرے نظر آنے لگے تھے اور اس کی سواری اس میدان میں داخل ہو چکی تھی جس میں سبزے کے بجائے عورتیں کھڑی تھیں۔ رنگ برنگ کی بوسیدہ قبائیں ہلکائے، سستی بدشکل صلیبیں لٹکائے، موٹی موٹی چادروں سے چہروں کو کچھ چھپائے کچھ کھولے ویران مغموم آنکھیں پھاڑے اس کے جلوس کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ چھتر بردار اور چنور ہلانے والوں کو پیچھے چھوڑ کر ان کے قریب گیا۔ کسی نے رکاب پر سر رکھ دیا، کسی نے اپنے آپ کو زمین پر ڈال دیا۔ کسی نے کھڑے کھڑے گردن جھکا لی اور کوئی رونے لگی، فریادیں اور بین کرنے لگی۔ ایک طرف سے ملک الافضل طلوع ہوئے اور گزارش کی۔



"یہ نائیٹوں اور طبقات "داویہ" اور "ہیطار" وغیرہ کے شہسواروں کی بیویاں، بہنیں اور بیٹیاں ہیں۔ جب ان کے شوہر، بھائی اور باپ حطین کی لڑائی میں کام آ گئے تو یہ فلسطین چلی آئی تھیں۔ اب سلطان اعظم سے فریادی ہیں۔"

"ان کو محل میں لاؤ۔ ان کے ساتھ انصاف ہوگا۔"

قصر بالڈون کے اس ایوان میں جلوس کیا جس کی آئینہ بند دیواروں کو وہ دن یاد تھا جب نوے برس پہلے یروشلم کے فاتحوں نے اسی چھت کے نیچے، ان ہی دیواروں کے سائے میں بیٹھ کر بیت المقدس کے نہتے اور مجبور مسلمانوں کو زندہ پھونک دینے، شکنجوں میں کس دینے اور پوری آبادی کو قتل کر دینے کے مشورے کئے تھے اور ان پر عمل کے احکام صادر کئے تھے۔ بالڈون کا سونے کا تخت ٹوٹ کر لشکر میں تقسیم ہو چکا تھا۔ اس کی جگہ آبنوس کا تخت بچھایا گیا تھا جس پر وہ دراز نو بیٹھا ہوا تھا کہ چاندی کا دروازہ کھلا اور اصفہانی ریشم کے پردے ہلے اور عورتیں زمین چوم چوم کر سایوں کی طرح خاموشی سے آ کر کھڑی ہو گئیں۔ ان کو بیٹھنے کا حکم ہوا۔ پھر ستارہ لباس کنیزوں نے ان کے سامنے دستر خوان بچھایا اور وہ نعمتیں چن دیں جن کا مغرب کے بادشاہ تصور کر سکتے تھے۔ جب خالی پیٹ بھر چکے اور آنکھوں کے بھرے پیالے خالی ہو چکے تب مژدہ سنایا گیا۔

"اگر آپ کے وارث زندہ ہیں تو ان کی جانیں بخشی گئیں۔ اگر وہ ممالک محروسہ میں آباد ہونا چاہیں تو اجازت مرحمت کی گئی اور اگر وہ جلال ایوبی کا شکار ہو چکے تو روئے زمین کے جس گوشے میں آپ جانا چاہیں آپ کے شایانِ شان روانگی کے ساتھ پانچ برس کی کفالت کے اخراجات اور انتظامات منظور فرمائے گئے۔ اس کے علاوہ بھی کوئی خواہش ہے تو بیان کی جائے، پوری ہوگی۔"

کنیزیں قلمدان لے کر ایک ایک خاتون کے پاس گئیں اور سرگوشیوں میں اس کے وارث کا نام و نسبت پوچھ پوچھ کر لکھنے لگیں۔ حکم ہوتے ہی افسر البرید نے ہرکاروں کی جمعیت ڈیوڑھی پر حاضر کر دی اور اطلاع دی کہ ہر ممکن عجلت کے ساتھ ممالک محروسہ میں گرفتار نائیٹوں اور شہسواروں کی جاں بخشی کے پروانے ارسال کئے جانے کا انتظام ہو چکا۔

پھر "صخرا" کے برج پر چڑھی ہوئی سونے کی صلیب اکھڑوا دی۔ حرم شریف کے

Scanned by iqbalmt



احاطے میں بنے ہوئے عیسائی امراء کے مکانات ڈھائے۔ دنیائے اسلام کے شیوخ اور علماء وفضلا کے ہاتھوں مقامات مقدسہ کی تطہیر کی رسم ادا کی اور نوّے برس بعد نماز جمعہ کی ادائیگی کا اہتمام ہوا۔ صحن میں وہ شامیانہ نصب ہوا جسے شاہِ آرمینیا نے اسے بطور خاص پیش کیا تھا جس کے شہتیر سونے کے تھے۔ چھت سات رنگوں کے زربفت کی تھی اور ساری دیواریں سات رنگوں کے سنجاب کی تھیں اور سارا فرش سات رنگ کے قالینوں کا تھا۔ مسجد کے مرمریں حوض میں سونے کے فوارے سے معطر پانی اچھل رہا تھا اور مسلمان وضو کر رہے تھے۔ ان ہی میں سے ایک وہ بھی تھا جو سفید سوتی عمامہ باندھے، سفید سوتی کفتان اور سفید سوتی ازار پہنے کمر میں چمڑے کے کمر بند میں تلوار لٹکائے وضو کر رہا تھا۔ دنیائے اسلام کے بڑے بڑے محدّث اور قاضی صف باندھے بیٹھے تھے۔ وہ بھی دوسری صف میں کھڑا ہو گیا۔ حلب کے قاضی القضاۃ جو یہاں تک پاپیادہ چل کر پہلا خطبہ پڑھنے آئے تھے منبر پر کھڑے ہوئے۔ وہ سیاہ بھاری عمامہ اور سیاہ جبہ پہنے تھے جس کے حاشیوں، دامنوں اور گریبان پر چاندی کے تاروں کا کام تھا۔ داہنے پہلو میں حمائل شریف اور بائیں طرف خنجر لگا تھا اور سینے پر دودھ سے سفید داڑھی جگمگا رہی تھی۔ آنکھیں خشک کیں اور فرشتوں کی سی آواز میں خطبہ شروع کیا۔

''لوگو! خوش ہو کہ یہ کھویا ہوا صحیفہ جو گمراہ ہاتھوں میں تھا اور جس کی کفار ایک صدی سے بے حرمتی کر رہے تھے تمہارے پاک ہاتھوں میں آ گیا۔ خوش ہو کہ وہ گھر جس پر خدا نے اپنی رحمتوں کا شامیانہ کھڑا کیا تھا جس میں ہمارے جد ابراہیم نے قیام کیا تھا اور جہاں سے ہمارے رسول آسمان پر تشریف لے گئے تھے، جو ہمارا قبلہ رہا ہے، جو رسولوں کا مسکن اور مدفن بنا ہے۔ جہاں فرشتے وحی لے کر اترے اور جہاں روزِ قیامت تمام بنی نوع انسان جمع ہوں گے تمہاری دعاؤں پر تمہیں بخشا گیا۔

اگر تم خدا کے محبوب نہ ہوتے تو تمہیں یہ تخت نصیب نہ ہوتا جس میں تمہارا کوئی شریک نہیں۔ تم برکت والے ہو۔ تم جولڑائیوں میں اصحاب بدر کی طرح، فتح وظفر میں عمر کے مانند اور تہور و جلالت میں علی



کی مثال رہے، تم وہ ہو جنھوں نے عثمان کے لشکروں کی یاد تازہ کر دی، تم نے قادسیہ اور یرموک کی فتوحات کو زندہ کر دیا۔ اللہ تم کو اس کا اجر دے، تمہارے خون کی نذر قبول کرے۔ تم کو جنت نصیب ہو اور تم دنیا میں خوش رہو۔

اے خدائے بزرگ...... گواپنے اس بندے کی سلطنت کی مدّت دراز کر جو عجز وانکسار کے ساتھ تیرا احترام کرتا ہے۔ تیری نعمت کا منّت گزار ہے جو تیری مشعلِ روشن اور تلوارِ آبدار ہے۔ تیرے دین کا حامی اور ارضِ مقدس کا محافظ ہے۔ یعنی سلطانِ اعظم شہنشاہ مظفر و منصور، تیرے دین کو ہیبت، تیرے نام کو جلالت دینے والا، شجاعانِ صلیب کو مغلوب کرنے والا، اسلام اور اسلامیوں کا سلطان سلطان السلاطین، ابوالمظفر یوسف الدین ابن ایوب صلاح الدین۔ اے خدائے قادر! اس کی سلطنت کو روئے زمین کے تمام ملکوں میں پھیلا دے۔ فرشتے اس کے علم ورایت کے ساتھ چلیں اور اے پروردگار اسلام کی عظمت کے لئے اسے قائم رکھ، دین کے لئے اس کی حکومت کا محافظ بن۔ اے خدا اس کی اولاد کو اس کے بعد اپنی حفاظت میں رکھ۔ اس کے بیٹوں، بھائیوں اور بھتیجوں کی عمر دراز کر کہ اس کی قوت قائم رہے کیونکہ اس کے وسیلے سے تو نے یہ دائمی اجر عطا کیا ہے اور جیسے دن گزرتے جائیں اے خدا تو اسے وہ سلطنت دے جو صالحین کے مقاموں پر ختم ہوتا نہیں جانتی اور جو دعا یہ تجھ سے مانگتا ہے اسے قبول کر۔''

شیخ الشیوخ خطبہ دے رہے تھے اور ان کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی تھی، آواز ہچکیوں میں گم ہو گئی تھی اور ساری مسجد میں کہرام برپا تھا۔ آسمان شق ہو گیا تھا خوشی سے آنسو بہانے کے لئے، زمین اپنے مرکز سے ہٹ گئی تھی مبارکباد دینے کے لئے، ستاروں نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی ملک کر خوش ہونے کے لئے۔ خلقت کے آنسوؤں سے اس کے

Scanned by iqbalmt



کفتان کے دامن بھیگ گئے تھے اور ان کے بوسوں سے اس کے ہاتھ زخمی ہو گئے تھے۔ سپہ سالار نے تلوار گھسیٹ لی تھی اور خاص برداروں نے ...... دُرّے مار مار کر ہجوم کو اس کے راستے سے ہٹایا تھا۔

اب ایک شام سامنے کھڑی تھی جس کی ہتھیلی پر دمشق کا مکمل سفید گلاب کی طرح چمک رہا تھا۔ وہ شیشے کے حوض کے کنارے اپنے نامہ بر کبوتروں کو نہاتا اور کھیلتا دیکھ رہا تھا اور پھولوں سے لدی جھاڑیوں کے بیچ میں لیٹی ہوئی سنگ سرخ کی روش پر ٹہل رہا تھا کہ افسر البرید سوال بن کر کھڑا ہو گیا۔

"اجازت ہے۔"

افسر البرید آگے بڑھا۔ بارگاہ خاص کی چاروں طرف پھیلی ہوئی سنگ مرمر کی آئینہ بند عمارتوں پر طائرانہ نگاہ ڈالی۔ پاس کھڑے ہوئے ستونوں کے کان بچا کر دست بستہ معروض ہوا:

"سلطان السلاطین کے خلاف لشکر کو سنگین اعتراض ہے۔ اس اعتراض میں سپاہی سے سپہ سالار تک برابر کے شریک ہیں۔"

"کیا؟"

"آپ کے بے جا رحم و کرم نے افرنجی سپاہیوں، شہسواروں اور رانائیوں کو صور میں جمع ہونے کا موقع دے دیا۔ یروشلم کا بادشاہ تمام بچی کھچی فوجوں کو استوار کر رہا ہے۔ آبادی مسلح ہو رہی ہے۔ صقلیہ کے بادشاہ کی فوجیں کمک پر آ چکی ہیں۔ یورپ سے تین بادشاہوں کی کمان میں آنے والی زبردست فوجوں کا انتظار کر رہی ہیں اور یروشلم کی بازیابی کا خواب دیکھ رہی ہیں۔ امیروں کا خیال ہے کہ اگر آپ سیاست برتتے اور عیسائیوں کے نقش قدم پر چل کر کل ہتھیار بند آبادی کو قتل کر دیتے یا کم از کم ان کو دور دراز مقامات پر نظر بند کر دیتے تو صورت کا کانٹا نکل جاتا اور تیسری صلیبی جنگ کا خطرہ ٹل جاتا۔"

"اور کچھ؟"

"بس۔"

"بادل جب برستا ہے تو یہ نہیں سوچتا کہ اس کی بوندوں سے عدن کی سیپوں میں



موتی جنم پائیں گے یا دمشق کے نرکل میں زہر پروان چڑھے گا۔ وہ برستا ہے اس لئے کہ برسنا اس کی فطرت ہے...... تم جا سکتے ہو۔"

وہ سوچنے لگا کہ بڑے بڑے سپہ سالاروں اور امیروں کے دل شکوک سے پاک کر دے چوبدار نے خبر دی۔

"ایک مغربی راہب باریابی کا اصرار کر رہا ہے اور بیماری کا عذر پیش کر کے کل کے انتظار سے مایوسی کا اظہار کر رہا ہے۔"

"پیش کیا جائے۔"

وہ ٹہلتا ہوا دالان کے وسط میں بچھی ہوئی سنگ سماق کی چوکی پر بیٹھ گیا۔

سمور کی ٹوپی میں سفید بال اڑسے بھیڑ کی کھال کا نیچا لبادہ پہنے ایک قد آور بوڑھا کمر جھکائے داڑھی کے نیچے صلیب لٹکائے، سیاہ جریب ٹیکتا سامنے آیا۔ سفید ابروؤں کے نیچے کٹی ہوئی آنکھوں پر سفید پلکیں مار مار کر اسے ادب سے دیکھنے لگا۔

"کیا میں مشرق کے سب سے بڑے شہنشاہ کے حضور میں ہوں؟"

"ہاں...... تم خدا کے ایک ناچیز بندے کے سامنے ہو۔"

"میں نے مسلمانوں کی تاریخ میں پڑھا تھا کہ جب قیصر روم کا قاصد خلیفہ دوم کے سامنے پیش ہوا تو وہ مسجد نبوی کے ننگے صحن میں پیوند لگا کرتا پہنے بیٹھے تھے۔ میں مورخ کی لفاظی پر ہنس دیا تھا لیکن آج یقین آ گیا۔

"شہنشاہا!

"تو نے میری تین بیٹیوں کی جان اور آبرو کی حفاظت کی۔ ان کے شوہروں کو سولی کے تختے سے اتار کر انھیں بخش دیا اور یورپ کے آخری خطے تک اپنے خرچ سے ان کے مراتب کا لحاظ فرما کر پہنچا دیا۔ اس کی شکر گزاری میں اگر میں اپنے خنجر سے اپنا سر اتار کر تیرے قدموں میں ڈال دوں تو بھی کم ہے۔

"میں نے عہد کیا تھا کہ مشرق کے سب سے بڑے اور دنیا کے سب سے فیاض شہنشاہ کے قدموں میں سر رکھ کر اس کے احسانِ عظیم کا شکر ادا کروں گا۔ مسیح کی رحمت کے صدقے میں آج میرا عہد پورا ہوا۔

Scanned by iqbalmt



''فاتحوں کے فاتح! ہزاروں عورتیں یورپ کے اس سرے سے اس سرے تک تیری اس عدیم المثال فیاضی کے گیت گا رہی ہیں جن کا تو نے یروشلم کی بازیابی کے دن اظہار کیا تھا اور جن کی ایک رتی کے سامنے بڑے بڑے نائیٹوں کی عمر بھر کی کمائی ہیچ معلوم ہوتی ہے۔

''بادشاہوں کے بادشاہ کسی کی مجال ہے جو تیری شان کے شایان نذر پیش کر سکے تاہم ایک خبر لایا ہوں۔ شاید قابلِ قبول ہو۔''

''بیان کی جائے۔''

''عالم پناہ!

''ارض قدس کی شکست نے یورپ کی بستی بستی، گاؤں گاؤں، شہر شہر اور جنگل جنگل آگ لگا دی ہے۔ آج تمام کاریگر ہتھیار بنا رہے ہیں۔ بنکر جنگی لباس تیار کر رہے ہیں۔ دہقان جہاد کے لئے غلّہ پیدا کر رہے ہیں۔ بادشاہوں نے اپنے نجی خزانے لشکر کی آراستگی کے لئے نکال کر ڈھیر کر دیئے ہیں۔ شاعر غیرت دلانے والے گیت گا رہے ہیں۔ خطیب خون میں آگ لگا دینے والی تقریریں کر رہے ہیں۔ ہر شخص نے اپنی آمدنی کا تہائی حصّہ جہاد کے لئے وقف کر دیا ہے۔ عورتوں نے زیورات اتار دیئے ہیں اور بال تراش دیئے ہیں۔ بچّوں نے کھلونوں کے بجائے ہتھیار خریدنے کی عادت ڈال لی ہے۔ ایک ایک گرجا میں اتنے آنسو بہائے گئے ہیں کہ اگر وہ سب جمع کر لئے جاتے تو ریگستان میں فصل پیدا کی جا سکتی تھی۔ شہنشاہ فریڈرک ستّر برس کی عمر میں جہاد پر کوچ کرنے والا ہے۔ انگلستان کا بادشاہ صلیب اٹھا چکا ہے۔ فرانس کا شہنشاہ سلطنت کے پشتینی جھگڑے ختم کر کے ہتھیار پہن رہا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ لشکروں کا یہ سیلاب جب مشرق کے کنارے پہنچے گا تو کیا ہوگا۔ تیری فیاضیوں کا بدل کیا ہوگا۔''

''رب کعبہ کی قسم ہماری تلوار اس عظیم الشان لشکر کو خوش آمدید کہے گی۔ اتنا شاندار استقبال کرے گی کہ تاریخ کی کتابوں میں قیامت تک یاد رہے گا۔''

(''پاپائے روم کی فریاد سنتے ہی کل مسیحی دنیا نے ہتھیار اٹھا لئے تھے۔

سلطان صلاح الدین۔ مصنفہ: سٹینلے لین پول۔ ص ۳۱۰۰



قیصر فریڈرک، شاہان انگلستان، فرانس وصقلیہ، آسٹریا کا لیوپولڈ، برگنڈی کا ڈیوک، فلانڈرز کا کاؤنٹ، صدہا مشہور و معروف بیرن، تمام عیسائی قوموں کے نائٹ، یروشلم کا عیسائی بادشاہ اور بہت سے عیسائی والیانِ ملک، طبقۂ داویہ اور البیطار کے بڑے بڑے شہسوار اس کوشش میں مصروف ہوئے کہ بیت المقدس پر اپنا قبضہ اور یروشلم کی مسیحی سلطنت جو تقریباً مٹ چکی ہے پھر سبز ہو جائے لیکن انجام کیا ہوا؟ قیصر فریڈرک قضا کر گئے۔ شاہانِ فرانس اور انگلستان اپنے اپنے ملک کو سدھارے۔ ان کے بڑے بڑے نامی، معزز اور شریف ساتھی خاک کا پیوند ہوئے لیکن یروشلم اس پر بھی صلاح الدین ہی کا رہا.... یعنی تیسری جنگ صلیب میں تمام مسیحی دنیا کی ساری مجموعی طاقت ایک تنِ واحد بن کر مقابلہ کرنے آئی مگر ایک تنہا صلاح الدین کی قوت کو ٹس سے مس نہ کر سکی۔'' [۱]

وہ عکّہ کی مشرقی پہاڑی پر نصب زرد خواب گاہ میں آبنوس کی مسہری پر لیٹا ہوا تھا۔ یمنی ریشمی جالی کے مچھر دانی کے پردے الٹے ہوئے تھے۔ سرہانے شیشے کی تپائی پر دواؤں کی مہر بہ لب بوتلیں ڈھیر تھیں۔ سامنے ملک الاطباء چار چھ طبیبوں اور امیروں کے ساتھ کھڑے مرض کی سنگینی اور احتیاط کی ضرورت پر مودبانہ تقریر کر رہے تھے۔ نیچے عکّہ کے شہر میں قیامت برپا تھی۔ نمازِ خوف کی تکبیروں کی دلدوز آوازیں افرنجی باجوں اور نعروں کی صفیں توڑ کر میلوں کا سفر طے کر کے آتیں اور اس کے کانوں سے گزرتی ہوئی دل پر خنجروں کی طرح ٹوٹ پڑتیں۔ قراقوش کی کمان میں بیس ہزار کا مضبوط لشکر تاریخ کی سب سے بڑی مغربی افواج [۲] کے قاہر محاصرے کی شدت کے سامنے بے دست و پا ہو چکا تھا۔ شاہی نامہ بر کبوتر قراقوش کا خط لا چکے تھے جس کا مضمون بیس ہزار سورماؤں کے خون سے رنگین تھا۔ مصر، شام، کردستان اور قبائل عرب کے بھیجے ہوئے لشکروں کی بروقت آمد منقطع ہو چکی تھی اور وہ غیظ و غضب کے عالم میں تادیبی خطوط ارسال کرنے کے متعلق غور کر رہا تھا کہ تقی الدین

۱ سلطان صلاح الدین۔ از سٹینلے لین پول

۲ سلطان صلاح الدین۔ از سٹینلے لین پول

Scanned by iqbalmt



حاضر ہوا جس کے خود سے بکتر تک خون کی دھاریوں کی لالہ کاری تھی۔ وہ اپنے ننگے زرّیں ہتھیار کو کھڑکھڑاتا آیا اور مسہری کے سامنے گھٹنوں پر کھڑا ہو گیا۔ گردن جھکا کر اور اپنی کالی پلکوں پر ٹمٹماتے ہوئے آنسوؤں کو سیاہ گھونگھریالی داڑھی میں بجھا کر لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

"عکہ...... عکہ کی خبر سناؤ۔"

وہ خاموش بیٹھا رہا اور اس کی پلکوں سے سفید خون ٹپکتا رہا۔

"بیان ہو...... کہ مزید اصرار کی طاقت نہیں۔"

"جس زبان نے ہمیشہ فتح کی خوش خبری سنائی ہو اور شکست کے الفاظ سے ناآشنا ہو...... وہ۔"

"عکہ نکل گیا؟"

"سلطان السلاطین...... میں نے چاہا کہ اپنی فوج سوار لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑوں اور جنگ سلطانی لڑتا ہوا مارا جاؤں...... لیکن ایسے کڑے وقت میں جب کہ ہمارا ایک ایک سپاہی ایک ایک فوج کی حیثیت رکھتا ہے، اپنے دل کی خواہش پر عمل نہ کرسکا اور مجبور قاصدوں کی طرح......"

"اناللہ وانا الیہ راجعون۔"

"سپہ سالار عادل کو حکم دو کہ لشکر کو صف بستہ کرے...... ہم سوار ہوں گے۔"

تقی الدین الٹے قدموں خواب گاہ سے نکل گیا۔ وہ ملک الاطباء کے بوڑھے بازو کا سہارا لے کر کھڑا ہوا۔ امراء کے ہاتھوں سے ہتھیار لگائے اور ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر ڈیوڑھی پر آیا جہاں اس کا ابلق (گھوڑا) عکہ کی شکست پر رنجور اور خاموش کھڑا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس نے گردن پر تھپکی دی۔ ایال میں بیمار انگلیوں سے کنگھی کی اور سوار ہو گیا۔

پہاڑی کے نیچے ڈھلوان میدان میں چالیس ہزار شامی، مصری، یمنی اور ترکمانی افواج زرد و سبز اور سیاہ و سفید اور دھاری دار عبائیں اور کفتان پہنے ہتھیار سجائے، سر جھکائے ساکت کھڑے تھے۔ گھوڑے دم ہلانا اور پاؤں پٹکنا بھول چکے تھے۔ وہ اپنے دس ہزار خاص برداروں کے ساتھ آیا اور دائرے کی صورت کھڑے ہوئے لشکر کے قلب میں لہراتے ہوئے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ سامنے عکہ کی فصیلوں کے برج پر مسیحی پرچم اڑ رہے تھے اور بدنصیب



مسلمانوں کی فریاد باجوں کی ضربوں اور نعروں کی تکرار میں دفن ہو چکی تھی۔ فوجوں کے سامنے ان کے امیر اور سالار اپنے اپنے مرتبے کے مطابق آگے پیچھے مغموم کھڑے تھے۔ اس نے اپنے گھوڑے کو کاوا دے کر نگاہوں کے دلگیر اور مودب سلام لئے اور خطاب کیا۔

"عرب کے شجاعو...... عجم کے دلیرو......

یہ سچ ہے کہ افرنجیوں نے عکہ کی محصور فوجوں میں بیمار صلاح الدین کی موت کی خبر پھیلا دی اور بیوقوف امیروں سے من مانی شرطیں منظور کرالیں۔ یہ سچ ہے کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے عکہ کی فصیل پر مسیحی دنیا کے متحدہ لشکر کے جھنڈے لہرا رہے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ تمہارے کان بدنصیب مسلمانوں کی فریادیں سن رہے ہیں اور یہ بھی سچ ہے کہ تم ان کی مدد کو نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے سامنے جو جنگِ عظیم درپیش ہے اس کے نقشے پر عکہ ایک شہر ہے، ایک مہم ہے، ایک مورچہ ہے اور سپہ سالار جانتا ہے کہ بڑی بڑی فیصلہ کن لڑائیوں کی تقدیر چھوٹے چھوٹے مورچوں کے خون سے بھی لکھی جاتی ہے۔ عکہ ایک مورچہ ہے جسے دشمن کے حوالے کر دیا گیا ہے اور اس طرح کہ بیس ہزار لشکر کا صدقہ دے کر ہم نے معلوم تاریخ کی سب سے بڑی مغربی فوج کے حوصلے پست کر دیئے ہیں۔ عکہ حطین نہیں ہے جس نے بیت المقدس کے دروازے کھول دیئے تھے۔ عکہ کی شکست نے بیت المقدس کو ہم سے نزدیک اور دشمن سے دور کر دیا۔

ہم جانتے تھے کہ ہم کو بیت المقدس دوبارہ فتح کرنا پڑے گا۔ ایک بار مشرقی مسیحی سلطنت سے لڑ کر اور دوسری بار مغرب کے پانچ بادشاہوں سے جنگِ عظیم کر کے۔ ایک جنگ ہو چکی، دوسری باقی ہے جو عکہ پر نہیں بیت المقدس کے دروازوں پر لڑی جائے گی۔ بیت المقدس کی گلیوں میں لڑی جائے گی۔ مسجد اقصیٰ کی محرابوں میں لڑی جائے گی۔

Scanned by iqbalmt



خدائے ذوالجلال کی قسم یہ جنگ اس وقت جاری رہے گی جب تک
صلاح الدین، اس کا ایک ایک بیٹا، ایک ایک بھتیجہ، ایک ایک بھائی
اور ایک ایک سوار شہید نہیں ہو جائے گا۔"

لشکر کو اپنے اپنے مقامات پر واپس بھیج کر اس نے چاہا کہ اپنے محافظ دستے کے ساتھ دور دراز کی پہاڑیوں پر گھوم پھر کر دشمن کی قوت کا اندازہ کرے جس کے متعلق خبر تھی کہ پانچ لاکھ سے زیادہ ہے کہ ملک الاطباء نے رکاب تھام لی۔

"گھوڑے کی سواری سے تکان ہوگی جس سے مرض کی شدت میں اضافے کا اندیشہ ہے۔"

"مرض..... جہاد کے لئے ہتھیار لگا کر سوار ہوتے ہی مرض کندھے سے اتر کر رکاب تھام لیتا ہے۔"



ارسوف پر جھانکتی ہوئی سب سے اونچی پہاڑی کی جنوبی چوٹی کی مسطح زمین پر سلطانی مدوّر خیمہ نصب تھا جو شام کی برف باری کے شدید ترین موسم کی سب سے بڑی یلغار میں پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ تین دن تک موسلا دھار بارش ہوئی تھی اور اس رات صبح سے برف گر رہی تھی۔ ایک ایک خیمہ، ایک ایک درخت، ایک ایک ذرّہ سفید ٹھنڈی روئی کے گالے پہنے کھڑا تھا۔ وہ سمرقندی سمور کی قبا پہنے، طربوش لگائے ابلینوس کی کرسی پر بیٹھا طشت میں دہکتی آگ سے ہاتھ سینک رہا تھا۔ باہر تیز ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے جس کی بھیانک آواز پر ہزاروں سواروں کی جست و خیز کا دھوکہ ہو رہا تھا۔ بارگاہ کے چاروں دروازوں پر مشعلوں اور ترکمانوں کا ہجوم تھا۔ اندر فانوس بجھ رہے تھے اور جلائے جا رہے تھے۔ دوسری کرسی پر بیٹھے ہوئے نورالدین حکمران کیفا نے عرض کیا:

"کیا سلطان اعظم عسقلان کو ڈھا دینے کے فیصلے پر اٹل ہیں؟"

"آہ نورالدین..... تم نے کیا ذکر چھیڑ دیا۔ جب عسقلان کے ڈھانے کا تصور کرتے ہیں تو کانپ اٹھتے ہیں لیکن مسیحی فوج کے لئے جنگی اعتبار سے یہ شہر اتنا مفید ہے کہ ہم اسے زندہ نہیں دیکھ سکتے۔ ان کی ساری بحری قوت جو ہم سے کہیں مضبوط ہے اسی شہر کو



مستقر بنا لے گی اور بیت المقدس تک دھاوے کرنے لگے گی۔ یعنی ہماری چڑھائیاں مدافعت میں تبدیل ہو جائیں گی ورنہ عسقلان..... عسقلان کی ایک ایک اینٹ کی حفاظت کے لئے ہم اپنے چہیتے بیٹے کا سر دے سکتے تھے مگر بیت المقدس کی حفاظت کے لئے عسقلان اپنے ہاتھوں سے مسمار کرنا پڑے گا۔ عسقلان کیا ہے..... بیت المقدس کی حفاظت کے لئے دمشق اور قاہرہ تک بنیادوں سے اکھاڑ کر پھینکے جا سکتے ہیں۔"

"آپ نے رچرڈ کے نئے صلح نامے پر غور فرمایا؟"

"ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔"

"رچرڈ چاہتا ہے کہ جو کام چار لاکھ بکتر پوش نصرانیوں کی تلوار انجام نہیں دے سکی وہ اپنی بہن کے دو سفید بازوؤں سے پورا کر لے۔ ملک العادل سے اس کی بہن کی شادی کے معنی یہ ہوں گے کہ یروشلم کی ریاست وجود میں آئے گی جس پر عادل کے بجائے اس کی بیوی کی حکومت ہوگی، افرنجیوں کی حکومت ہوگی اور پھر یہ ریاست پھیلتے پھیلتے مصر و شام کو ہڑپ کر لے گی۔ اس منصوبے کا سب سے قاتل حصہ وہ ہے جب ملک العادل جیسا بے نظیر سپہ سالار اپنی عیسائی بیوی کے دام میں آ کر ہمارے خلاف تلوار اٹھائے گا اور مصر و شام کو خانہ جنگی کے جہنم میں جھونک دے گا اور یروشلم کی ریاست کو ایک عظیم الشان سلطنت کے راستے پر ڈال دے گا۔"

ایک ترکمان سردار نے اندر آ کر گزارش کی۔

"سپہ سالار ملک العادل باریابی چاہتے ہیں۔"

اس کے سر کی جنبش دیکھ کر نورالدین بارگاہ کے باہر چلا گیا۔

ملک العادل نے بیٹھنے کی اجازت پا کر سمور کی ٹوپی اتار کر تپائی پر رکھ دی جس پر برف کے نرم ریزوں کی دھاریاں چمک رہی تھیں۔ پھر سر پر منڈھی ہوئی لوہے کی کڑیوں کی سنہری ٹوپی پر ہاتھ پھیرا اور ہمہ تن گوش ہو گئے۔

"رچرڈ سے گفتگو کے لئے تم کب سوار ہو رہے ہو؟"

"ہفتہ کا دن مقرر ہوا ہے اور آج چہار شنبہ ہے۔"

"انتظام؟"

Scanned by iqbalmt



’’رچرڈ نے اپنے لشکر سے ایک تیر کے فاصلے پر بارگاہ نصب کی ہے۔ اسی میں اپنے خدم وحشم کے ساتھ مقیم ہے وہیں مجھ سے ملاقات کرے گا۔ شرائط کے مطابق اس کی بارگاہ میں ایک ہزار مسلح سوار ہوں گے۔ میرا ایک ہزار کا محافظ دستہ اس کے چاروں طرف جہاں چاہے گا کھڑا ہو جائے گا، باقی لشکر ایک تیر کے فاصلے پر مشرق میں قیام کرے گا۔‘‘

’’ماردین، کیفا اور موصل کے حکمران اپنے مخصوص رسالوں کے ساتھ ہم رکاب ہوں گے، تقی الدین، تاج الملوک اور ملک الافضل یمن، دمشق اور قاہرہ کے امراء کے ساتھ دس ہزار سوار لے کر عقب میں رہیں گے اور ہمارے سر پر جلالِ ایوبی کا سایہ ہوگا۔‘‘

’’عادل جب رچرڈ ہم سے بہ نفس نفیس گفتگو کا مشتاق ہوا تو ہم نے قبول نہ کیا اس لئے کہ وہ ہمارے برابر کا بادشاہ نہیں۔ ہاں اگر فریڈرک زندہ ہوتا تو ہم ملاقات فرماتے۔ یہی سبب تھا کہ ہم نے رچرڈ کے سفیروں کو بھی باریاب نہیں کیا اور اپنے سفیر رچرڈ کے پاس روانہ نہیں فرمائے۔ اس منصب سے تم کو ممتاز کیا گیا۔ یہ بھی رچرڈ کا اعزاز ہے کہ نائب السلطنت اور سپہ سالار ملک العادل اس سے مساویانہ گفتگو کرے...... لیکن ہم رچرڈ سے ملنا چاہتے ہیں...... اس کو دیکھنا چاہتے ہیں...... اس سے باتیں کرنا چاہتے ہیں۔‘‘

’’سلطانِ اعظم:

’’صلاح الدین کی حیثیت سے نہیں۔ ملک العادل کے نام سے..... مگر اس میں تامل ہے۔ رچرڈ کے ندیموں میں کوئی ایسا نہ ہوگا جو ہماری اور تمہاری آواز کے برائے نام فرق سے واقف ہو۔‘‘

’’سرکاری گفتگو کے وقت والیان ملک میں شاہ بالڈون ہو سکتا ہے لیکن مجھے یہ اندیشہ نہیں کہ وہ آپ کی آواز پہچان سکے۔ نجی گفتگو شب میں ہوگی اس لئے کہ رچرڈ نے رات کے قیام کا انتظام کیا ہے اور اس وقت ترجمان کے علاوہ کوئی بھی باریاب نہیں ہو سکتا۔ لیکن مجھے ایک عذر ہے۔‘‘

’’کیا؟‘‘

’’رچرڈ کیسا ہی سچا اور کھرا ہو لیکن وہ عیسائی ہے اور عیسائی بیت المقدس کے لئے سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اگر غداری کی گئی تو سلطان کا ہر رکاب گیر عادل کی جگہ پوری کر سکتا ہے



لیکن سلطان اعظم کا مقام پوری دنیائے اسلام میں صدیوں تک خالی رہے گا اور بیت المقدس کے علاوہ قاہرہ، دمشق اور بغداد تک افرنجیوں کے علم لہرا رہے ہوں گے۔‘‘

’’تمہاری دوراندیشی اور محبت سے اسی جواب کی توقع تھی، لیکن ہم فیصلہ کر چکے اور ہمارے فیصلے بدلا نہیں کرتے۔ جاؤ اور ہماری خفیہ روانگی کا انتظام کرو۔‘‘



روز مقررہ پر شام کے سرمائی سورج کے طلوع ہونے کے چار گھڑی بعد ملک العادل حاضر ہوا اور اسے دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ وہ اپنے حقیقی ایک حد تک ہم شکل اور ہم عمر بھائی کی صورت اور شباہت پہنے کھڑا تھا۔ وہ فولادی زرہ جامے میں کشمیری چادر کا ازار اور سفید اونی صدری پہنے تھا جس کے کف، گریبان اور دامن زرد تھے۔ اس پر بخارا کے سمور کا کفتان تھا جس کے تکمے مسلّم یاقوت کے تھے۔ آستینوں، دامن اور شمسوں پر سونے کے تاروں کے جال میں نورتن کی جواہر دوزی تھی۔ مرصع کمر بند میں ایک ڈال کے پکھراج کے قبضے کی تلوار خالص سونے کا نیام پہنے لٹک رہی تھی۔ آہنی ٹوپی، سفید عمامہ تھا جس کے قلب میں وہ ہیرا جگمگا رہا تھا جو یورپ کے کئی تاجروں کے جواہرات خرید سکتا تھا۔ اس نے قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر آخری بار تنقیدی نگاہ ڈالی اور ملک العادل کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

ملک العادل نے گردن جھکا کر عرض کیا۔

’’آفتاب نے ایک ذرہ کا بھیس تو بنا لیا لیکن یہ آنکھیں جن کے سامنے الموت کے ظالم عقابوں کی آنکھ جھپک گئی اور تیوروں کا یہ جلال جس نے بڑی بڑی حکومتوں کے کارخانے الٹ دیئے اسی طرح روشن ہیں، اسی طرح شعلہ زن ہیں۔‘‘

’’لشکر؟‘‘

’’تیار ہے.....‘‘

’’سوڈان سے کردستان تک اور یمن سے مصر تک تمام نامور قبیلوں اور خاندانوں کے ایک ہزار چشم و چراغ خاص برداروں کا لباس پہنے درگاہ سلطانی پر حاضر ہیں۔ بیس ہزار بے خطا تیر انداز ایک ہزار اونٹوں پر تبر لادے رچرڈ کے خیمے کو زد میں لئے پہاڑی مورچوں پر مستعد ہیں، پچاس ہزار جانباز کفن پہنے بجلی کی تلواریں علم کئے ہوا کے گھوڑے پر حکم کے

Scanned by iqbalmt



منتظر ہیں اور یہ غلام دس ہزار منتخب سواروں کے جلو میں بادشاہی علم اٹھائے سلطانی گھوڑے پر سوار کھڑا رہے گا جب تک اسلامیوں کا تاجدار رچرڈ کے خیمے سے واپس نہیں آ جاتا۔"

"کتنے آدمیوں کو ہماری اس روانگی کا علم ہے جو ہمارے شایانِ شان نہیں۔"

"صرف سات سرداروں کو۔ وہ بھی اس لئے کہ اگر نصیبِ دشمناں کوئی بداقبالی ظہور میں آئے تو ہم ایسی خونریز لڑائی لڑ سکیں جو تاریخ عالم میں بے مثال ہو۔"

"ایک التماس اور سلطان اعظم۔

"تقی الدین اور اس کے خاص آدمیوں کے پاس کچھ کبوتر ہیں۔ وہ اس لئے ہیں کہ اگر غداری کا شبہ ہو تو چھوڑ دیئے جائیں اور جس وقت وہ ہمارے لشکر میں آئیں اسی گھڑی ہم رچرڈ کے خیمے پر جا پڑیں۔

"تقی الدین اور اس کے خاص سواروں کو حکم ہے کہ وہ رات میں بھی اپنی کمر نہ کھولیں اور کسے ہوئے گھوڑوں کے ساتھ آرام کریں۔"

پھر وہ برآمد ہوا۔ رکاب میں پاؤں ڈالتے ہی نقارے پر چوٹ پڑی۔ نیلے شیشے کے آسمان پر چمکیلے سورج کی تیز دھوپ میں برف سے سفید پہاڑیاں جگمگا اٹھیں اور وہ ایک ہزار خاص برداروں کے حلقے میں چلا جن کی رانوں میں تڑپتے ہوئے ایک ایک سفید عربی گھوڑے کی قیمت جزیرہ انگلستان کے ایک ایک صوبے کے لگان سے زیادہ تھی۔ وہ سر سے پاؤں تک سفید اونی زردوز لباس میں ملبوس تھے اور ان کی جواہر نگار زریں کمربندوں میں جڑاؤ قبضے کی تلواریں خاص چاندی کے نیام پہنے جھول رہی تھیں۔ کمسن سواروں کے بے ریش و بروت چہرے شجاعت و جلاوت کی آگ سے دہک رہے تھے۔ جب وہ ارسوف کی شہر پناہ کے نیچے پہنچا تو سپہ سالار تقی الدین نے ملک العادل کے مشہور علم کو جس کے سبز پھریرے پر سنہرا شیر بنا تھا تکان دی اور خاص بردار دو قطاروں میں تقسیم ہو گئے اور چار چار گھوڑے اس کے دونوں بازوؤں پر چلنے لگے۔ باقی لشکر تاجداران کیفا اور ماردین کی کمان میں ٹھہر گیا اور پھیل کر مورچہ بندی کرنے لگا۔ باجے کا اونٹوں کا دستہ عقب میں آ گیا جن کی اپنی گردنوں میں سونے کے گھنگھروؤں کی ہمیلیں، ماتھے پر سونے کے چاند، پیروں میں چاندی کے کھنکتے جھانجھن اور بدن پر زرد اطلس کی جھولیں پڑی تھیں جن کے حاشیے پر چاندی کے گھنگھرو ٹنکے



تھے۔ فصیل پر کھڑے ہوئے ہزاروں بچے، عورتیں اور بوڑھے اس کا جلوس دیکھ رہے تھے۔ اس نے نصف چہرے پر پڑی ہوئی نقاب کو برابر کر لیا۔ اب رچرڈ کے سوار اپنے اونچے گھوڑوں پر جن کی پاکھریں سموں تک لمبی تھیں اس کے راستے کے دونوں طرف کھڑے تھے۔ ان کا ایک ایک رواں آہن پوش تھا۔ صرف آنکھیں خود میں لگے چشم پوش کی جالی سے جھانک رہی تھیں۔ وہ اپنے ہاتھ میں بھاری نیزے الٹے کئے ہوئے بیچ سے تھامے، بائیں ہاتھ میں لگام کی زنجیریں لئے، بائیں شانے پر تکونی ڈھال لگائے ساکت کھڑے تھے۔ وہ ان کی قطاروں سے گزرتا ہوا اس مقام تک آ گیا جہاں ایک بلندی پر فرنگی باجے بج رہے تھے۔ اس کے سامنے دیوار کی طرح کھڑے ہوئے نائٹوں کے گھوڑے دو بازوؤں میں تقسیم ہو گئے۔ علم کے سائے میں رچرڈ کھڑا تھا۔ وہ کھجور کی طرح اونچا اور حبشی پہلوانوں کی طرح تندرست تھا۔ وہ مجلّٰی بکتر پر زعفرانی اون کی تنگ قبا پہنے تھا جس کے دامنوں کے نیچے سرخ چمڑے کے موزے تھے۔ ان میں سونے کے پھول جڑے تھے۔ کمر کی جڑاؤ پیٹی میں وہ بھاری سیدھی تلوار لٹک رہی تھی جس کا قبضہ صلیب کی شکل کا تھا۔ سینے پر مرصع صلیب تھی جس کا آخری حصہ پیٹی کو چھو رہا تھا۔ سر پر سونے کی ایک پٹی سی بندھی تھی جس پر نیلم کا حاشیہ تھا۔ اس کے سفید رنگ پر نیلی آنکھیں اور سنہرے بال چمک رہے تھے۔ اب اس نے رچرڈ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور دفعتاً رچرڈ اپنے گھوڑے سے اتر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا سارا لشکر پیدل ہو گیا۔ اب اس نے بھی رکاب سے پاؤں نکالا۔ سونے کی زنجیروں کی لگام قراقوش کے منتظر ہاتھوں میں دے کر رچرڈ کی طرف بڑھا جو اپنے دونوں ہاتھ شانوں تک اٹھائے بغل گیر ہونے کے لئے آ رہا تھا۔ اسے بازوؤں میں لے کر محسوس ہوا گویا وہ دشمن فوج کا سپہ سالار بادشاہ نہیں اس کا بیٹا افضل ہے۔ جب تک سرکاری آداب نے اجازت دی وہ رچرڈ کو اپنے آغوش میں لئے رہا۔ پھر اس کا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ میں لے کر اس بارگاہ کی طرف بڑھا جس کے سامنے کھڑا ہوا نائٹوں کا پردہ ہٹ چکا تھا اور جس کے سر پر مغرب کے پانچ بادشاہوں کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔

رچرڈ نے ذرا جھک کر ترجمان کی زبان سے کہا۔

"قیصر..... فریڈرک کے جانشین..... ہونے والے شہنشاہ۔"

Scanned by iqbalmt



نائٹیوں کا زرکار فولادی لباس پہنے خود میں ہیرے کی کلغی لگائے ایک دراز قد نوجوان نے عصائے شاہی کو الٹے ہاتھ میں منتقل کیا اور ننگا ہاتھ پیش کر دیا۔

"بادشاہ صقلیہ۔"

ایک کمسن بادشاہ نے جو تاج پہنے تھا اور عصائے سلطانی پکڑے تھا جھک کر ہاتھ بڑھا دیا۔

"یروشلم کے قانونی بادشاہ بالڈون۔"

بالڈون نے جس کی دوبار جاں بخشی کی گئی تھی شرمناک مشرق کے انداز میں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

"آسٹریا کے لیوپولڈ۔"

"برگنڈی کے ڈیوک اور فرانسیسی افواج کے سپہ سالار۔"

"لی سسٹر کے ارل۔"

"چھوٹے چھوٹے والیانِ ملک، ڈیوک، ارل، بیرن، پادری اور ملکوں ملکوں کی فوج کے سپہ سالار۔"

"اور آپ مشرق کی سب سے بڑی سلطنت کے نائب السلطنت عساکر اسلامی کے سپہ سالار اعظم اور فاتح بیت المقدس کے چھوٹے بھائی۔"

قدکار مخمل کے سرخ ایوان میں جس کی مغربی دیوار سے لگے بہت سے سونے چاندی کے علم کھڑے تھے، ایک چاندی کا تخت پڑا تھا اور چند سیمیں کرسیاں پڑی تھیں۔ رچرڈ نے اسے تخت پر بٹھا دیا اور خود دوسرے بادشاہوں کے ساتھ کرسیوں پر بیٹھ گیا۔ باقی تمام حاضرین کھڑے رہے۔ رسمی باتیں ہوتی رہیں۔ دونوں فریق ایک دوسرے کے کانٹے ٹٹولتے رہے۔ وہ رچرڈ کی ڈینگیں سنتا رہا جن پر چار لاکھ فوج کی موجودگی نے یقین کا سایہ ڈال رکھا تھا اور رچرڈ کو دیکھتا رہا جس پر ایلینور کے ایک ایک روئیں کی مہر لگی تھی۔ وہ بوجھل سرکاری گفتگو کو بے دلی کے ساتھ سنتا رہا۔ پھر رچرڈ اسے کھانے کے لئے اٹھا لے گیا۔ کھانے کے بعد رچرڈ اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر جنگی مجلس کی اس بارگاہ سے نکلا اور اپنی قیام گاہ خاص کی طرف ایسے راستوں سے چلا جن پر مغرب کے کاریگر قلعہ شکن آلات تعمیر کر رہے



تھے، مرمت کر رہے تھے۔ یہیں اس نے وہ منجنیق بھی دیکھی جو لکڑی کی ایک سات منزلہ عمارت کے مانند تھی اور تین طرف بھیگے ہوئے چمڑے سے منڈھی ہوئی تھی۔ اسے پانچ سو آدمی اور سو گھوڑے گھسیٹتے تھے۔ یہی وہ منجنیق تھی جسے رچرڈ نے اپنے اہتمام میں بیت المقدس کی فتح کے لئے بنوایا تھا اور جس نے عکہ پر پانچ پانچ من کے پتھر پھینکے تھے۔ اس کو دیکھتے ہوئے رچرڈ نے تن کر کہا تھا۔

"اس کا نام فاتح یروشلم ہے۔"

وہ خاموش رہا اور اس "دبابے" کو دیکھنے لگا جسے فرانس کا شہنشاہ اپنے ساتھ لایا تھا اور جسے اس کے مشہور سپہ سالار الہکاری نے بڑی تدبیروں سے غارت کیا تھا اور اب جسے نئے سرے سے تعمیر کیا جا رہا تھا۔ اس کے پہیے لوہے کے تھے لیکن ان پر لوہے کی چادریں اس طرح چڑھی ہوئی تھیں کہ وہ آگ سے محفوظ ہو گئے تھے۔ یہ "دبابہ" بھی رچرڈ کی منجنیق سے لمبائی میں کچھ ہی چھوٹا تھا لیکن حجم میں اس سے کافی زیادہ تھا۔ نائٹیوں کے اسکوائر اور اسلحہ بردار و خدمت گار اپنے خیموں کے سامنے جن پر ان کے آقاؤں کے نشان اڑ رہے تھے بیٹھے ہوئے بکتر کے فولادی آئینوں پر صیقل کر رہے تھے، تلواروں پر باڑھ رکھ رہے تھے۔ نیزوں کی انی چمکا رہے تھے اور گھوڑوں کے فولادی پاکھروں کی ٹوٹی ہوئی کڑیاں جوڑ رہے تھے۔ یہ اب ٹمپلرز اور ہاسپٹلرز کے ان شہسواروں کی قیام گاہیں تھیں جو رچرڈ سے وابستہ تھے۔ ان کے دروازوں میں اونی پردے طنابوں میں بندھے ہوئے تھے اور گھوڑے اونی پردوں میں لپٹے ہنہنا رہے تھے۔ کہیں کہیں شہسوار اپنے ہتھیاروں کی نمائش کے نشے میں چور مرغوں کی طرح سینے پھلائے مسیحی لشکر کی قوت و شوکت کا سستا اظہار کر رہے تھے۔ پھر رچرڈ نے اسے اپنے شکاری چیتے، باز، شکرے اور کتے دکھلائے۔ ان کے نسب اور کارنامے بتلائے۔ یہاں تک کہ مغرب کا وقت آ گیا۔ ظہر اور عصر کی طرح رچرڈ کے خیمہ خاص میں وزیر ابوبکر نے اذان دی اور خود اس نے نماز پڑھائی۔

رچرڈ خیمہ خاص پر خود اس کا ذاتی علم اڑ رہا تھا جس کے سرخ پھریرے پر ایک شیر تاج پہنے، ایک ہاتھ میں تلوار، دوسرے میں صلیب لئے پچھلے پیروں پر کھڑا دہاڑ رہا تھا۔ اس کے چاروں طرف قنات بندی کے سامنے مسلح سوار پہرے پر کھڑے تھے اور دروازوں

Scanned by iqbalmt



کے سامنے دیودار اور شاہ بلوط کے گدّے جل رہے تھے جن کی روشنی اور گرمی میں بہت سے ملازمانِ خاص اونی، چرمی اور سمور کی اونچی چست قبائیں، ایک ایک پیر میں ایک ایک رنگ کے موزے پہنے، مہمیزیں لگائے، نمدے کی اونچی اور پھیلی ہوئی ٹوپیوں پر عقاب کے پروں کی کلغیاں لگائے ہجوم کئے کھڑے تھے۔ اندر پھیکے رنگوں اور بھدّے نقوش کے پتلے قالین بچھے تھے۔ وسط میں چاندی کی اونچی بدشکل کرسیاں ایک ہشت پہل میز کے گرد پڑی تھیں۔ ان کے پاس لکڑی کے چمکیلے تختوں پر کانسی کے گول برتنوں میں انگارے دہک رہے تھے۔ مشرقی اونی دیوار کے نیچے اونچی مسہری کے پردے بندھے ہوئے تھے۔ سرہانے کانسی کی ایک الماری رکھی تھی جس پر چاندی کے عوددان میں عود سلگ رہا تھا۔ شمالی دیوار میں ایک چوڑا چکلا دروازہ تھا جس پر ریشمیں مہین پردہ پڑا تھا۔ چاروں کونوں میں آبنوس اور چاندی کی برہنہ، بدہیئت عورتوں کے سروں پر رکھے طشتوں میں پیوست موٹی خوشبودار شمعیں جل رہی تھیں۔ اس کے علاوہ شمعدانوں کا ایک حلقہ کرسیوں کے چاروں طرف بھی کھڑا تھا جن کی لویں بھاری پردوں کے باوجود لرز رہی تھیں۔ خیمے کے ننگے شہتیروں کی ساری کھونٹیوں میں ننگی تلواریں، تکونی ڈھالیں اور نیزے لٹک رہے تھے۔ ایک غرّاہٹ پر اس نے چونک کر دیکھا۔ مسہری کے نیچے سے ایک غیر معمولی قد وقامت کا زرد کتا نکلا اور دونوں پیروں پر کھڑا ہو کر رچرڈ سے لپٹ گیا جو اس سے بیٹھنے کی گزارش کر رہا تھا اور شریر بچوں کی طرح بہلا رہا تھا اور اس کے دور تک چرے منہ پر پیار سے تھپکیاں دے رہا تھا۔ اس کے بیٹھنے کے ساتھ ہی لی سسٹر کا ارل اٹھ کر باہر چلا گیا۔ رچرڈ تھوڑی دیر نگاہیں جھکائے بیٹھا رہا پھر بولا۔

''ہمارے عزیز دوست تو ہمارے خیمہ خاص میں آرام فرمائیں گے لیکن محافظ دستے کے افسر، اسلامیوں کے مشہور سپہ سالار تقی الدین نے مہمان خانے میں جانے سے انکار کر دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ اپنے آراستہ گھوڑوں کے ساتھ بغیر کمر کھولے آرام کریں گے۔ کیا یہ فیصلہ ہمارے عزیز دوست کی مرضی سے کیا گیا ہے؟''

''نہیں...... یہ سلطانِ اعظم کا حکم ہوگا۔''

''سلطانِ اعظم جو بادشاہوں کے بادشاہ ہیں ایک دوسرے بادشاہ کے قول پر اعتماد کیوں نہیں کرتے؟''



''اس لئے کہ بادشاہوں نے جو آپ کے لشکر میں اپنے خدم وحشم کے ساتھ تلواریں ہلاتے ہیں سلطانِ اعظم کے ساتھ پیمان شکنی کی ہے۔ ہمارے خیموں میں انجیل پر ہاتھ رکھ کر کھائی ہوئی قسموں کو فراموش کر دیا ہے۔''

''مثلاً؟''

''شاہ یروشلم...... اور صور کا بالیان۔''

''یہ تو دیسی عیسائیوں کی بات ہوئی۔ مغرب کے سورماؤں نے تو کوئی ایسی نظیر نہ پیش کی ہوگی۔''

''بڑے بڑے مغربی نوابوں اور نائٹوں نے جن کی جانیں ان کی بیویوں اور بہنوں کی سفارش پر ہمارے سلطانِ اعظم نے بخش دی تھیں، ان ہی بادشاہوں کے لشکر میں شامل ہو کر عیسائی افواج کی قوت بڑھائی ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ اس بیان میں صداقت ہو لیکن اس کا بھی امکان ہے کہ عکّہ کی شکست کے بعد سلطانِ اعظم زیادہ محتاط رہنے لگے ہوں گے۔''

''ہمارے عزیز دوست کے ندیم اور سفیر جس دھوم دھام سے عکّہ کی فتح کا ذکر کرتے ہیں وہ ان کو زیب دیتا ہے لیکن ہمارے میزبان کی شاہی زبان سے کچھ اچھا نہیں لگتا۔''

''کیوں؟''

''ہمارے میزبان بادشاہ نے پانچ ملکوں کی پانچ لاکھ فوج اور سارے یورپ کے بحری بیڑے کی مدد سے ایک عکّہ فتح کر لیا ہے۔ عکّہ جس میں ہماری بیس ہزار محصور فوج لڑ رہی تھی اس کو اس طرح فتح کیا گیا کہ ہزاروں جانیں تلف کر لیں، بڑے بڑے نواب، نائٹ اور امیر کھو دیئے جب کہ ہمارا کوئی قابل ذکر آدمی ضائع نہیں ہوا۔ یہی نہیں بلکہ آپ کو عکّہ اس وقت مل سکا جب ہمارے سلطانِ اعظم کی موت کی جھوٹی خبر محصورین میں پھیلا دی گئی اور انھوں نے بدحواسی میں ہمت چھوڑ دی۔ معزز بادشاہ! عکّہ تو ایک مورچہ تھا جسے آپ نے لے لیا۔ اصل لڑائی تو ابھی شروع نہیں ہوئی۔ لڑائی تو بیت المقدس کے دروازوں پر لڑی جائے گی اور اس طرح لڑائی میں شریک ہونے والی افواج کی طلبی کے فرمان تک نہیں لکھے گئے۔ ابھی تو ہم......''

Scanned by iqbalmt



"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ عزیز دوست کہ ہم اپنی خون آلود تلواریں نیام کر لیں۔ ایک دوسرے کے ہاتھ میں دوستی کا ہاتھ دے کر کوئی ایسی تجویز ڈھونڈ نکالیں جو ہمارے عظیم مذاہب اور سلطنتوں میں ہمیشہ کے لیے امن و آشتی کی صورت پیدا کر دے۔ ہمارے درمیان کھڑی ہوئی دیوار ڈھا دے، صدیوں کی بھڑکتی ہوئی آگ بجھا دے، آنے والی صدیاں آنے والی نسلوں کے خون سے محفوظ ہو جائیں۔"

"اسی تجویز کو ڈھونڈ نکالنے کے لئے تو ہم انگلستان کے بادشاہ کے خیمے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

شمالی دیوار کے ریشمیں پردے پر ایک نسوانی سایہ ابھرا جو رچرڈ کی پشت پر اور اس کی آنکھوں کے سامنے تھا جسے ترجمان انکھیوں سے بھی دیکھنے کی جسارت نہیں کر رہے تھے۔ رچرڈ نے بارگاہ کے وسط میں جھولتے ہوئے فانوس سے نگاہ ہٹائی اور اپنی دونوں نیلی آنکھیں اس کی گود میں ڈال دیں۔

"ہم نہیں جانتے کہ ہماری شرط سن کر ہمارے عزیز دوست کا جلیل المرتبت بھائی کیا کہے گا، کیا سوچے گا۔ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ ہمارے جھنڈے کے نیچے کھڑی لاکھوں تلواریں اسے کس طرح انگیز کریں گی لیکن پھر بھی ہم اپنا دل اپنے دوست، اپنے بھائی کے سامنے نکال کر رکھ دیتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ مشرق و مغرب میں دائمی دوستی کی سچی بنیادیں قائم ہو جائیں اور خون کی ندیاں سوکھ جائیں۔"

"ہم ہمہ تن گوش ہیں۔"

"آپ صقلیہ کے مرحوم بادشاہ کو جانتے ہوں گے۔"

"ہاں وہ ہمارے حلیف تھے۔"

"ان کی بیوہ ہماری بہن ہے۔"

"ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس کے رشتے سے ہمارے قریب ہو جائیں۔ ہمارے عزیز ہو جائیں۔"

"میں...... یعنی ملک العادل یا......"

"ہاں آپ...... سیف الدین ملک العادل نائب السلطنت سپہ سالار اعظم۔"



"ہم اپنی بہن جین کے جہیز میں صور اور عکہ دے ڈالیں گے۔ آپ سلطان اعظم سے بیت المقدس اور اس کے مضافات مانگ لیں۔ اس طرح جو سلطنت وجود میں آئے گی اس پر آپ بادشاہت کریں گے۔ یروشلم پر دونوں مذاہب کا قبضہ رہے گا۔ مسلمانوں کے تحت ان کے مقامات مقدسہ ہوں گے اور عیسائیوں کے عمل میں ان کے عبادت خانے ہوں گے اور فلسطین مشرق و مغرب کا سنگم قرار پائے گا۔ آپ کی پشت یعنی صقلیہ پر آپ کے بیٹے کی حکومت ہوگی جس کی تلواریں آپ کی حفاظت کریں گی اور مشرق میں آپ کا عظیم الشان بھائی ہوگا۔ دنیا کی کوئی طاقت آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکے گی۔"

رچرڈ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھیں جھک گئیں۔ دونوں دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔

"اگر آپ کو ذاتی طور پر یہ بات پسند ہو تو ہم سرکاری طور پر یہ گفتگو چھیڑ دیں۔ اگر آپ سلطانِ اعظم کو رضامند کر لیں تو ہم یورپ کو ہموار کر لیں۔"

اس نے دیر کے بعد جواب دیا۔

"سلطان اعظم سے مشورہ کئے بغیر فیصلہ کن جواب نہیں دیا جا سکتا۔"

"ہماری ملاقات کو چند گھنٹے ہوئے ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ہم ایک دوسرے کو مدت سے جانتے ہیں۔ ایک زمانے سے چاہتے ہیں۔ آپ کی شخصیت میں ایسی نرمی، نیکی اور خلوص ہے کہ ہم نے بے تکان وہ بات کہہ دی جسے یورپ کے بادشاہ اپنی زبان پر تولانے کا کیا ذکر اپنے کانوں سے سنتے ہوئے بھی جھجکتے ہیں۔ ہم ایک اور زاویے سے بھی اس مسئلے پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ ہمارے علم میں ہے کہ سلطانِ اعظم کی تمام فتوحات پر آپ کی، صرف آپ کی تلوار کا سایہ رہا ہے تاہم آپ صرف ایک نائب السلطنت ہیں۔ کتنی ہی بڑی سلطنت نائب السلطنت ہو لیکن وہ...... نائب السلطنت ہوتا ہے۔ کیسی ہی چھوٹی سلطنت کا بادشاہ ہو لیکن وہ بادشاہ ہوتا ہے۔ ہم کو یقین ہے کہ آپ کے سلطان اعظم کی وفات کے بعد ان ہی کا کوئی بیٹا تخت پر بیٹھے گا اور اس کا امکان ہے کہ مشرق کی درباری سازشوں کے چکر میں آپ اس جلیل القدر منصب سے بھی ہاتھ دھو لیں۔ اس لئے دور اندیشی کا بھی یہی تقاضا ہے کہ آپ یورپ کی اس عظیم الشان فوج کی موجودگی میں فلسطین کا تاج پہن لیں اور زمام حکومت سنبھال لیں۔ ہم یہاں تک کہہ دینے میں کوئی باک نہیں سمجھتے کہ

Scanned by iqbalmt



اگر سلطان اعظم اس پر رضامند نہ ہوں تو آپ اپنے خاص لشکر کی طاقت پر ان کا ساتھ چھوڑ دیں۔ ہمارے قول پر ایک سچے بادشاہ ابن بادشاہ کے قول پر بھروسہ کر کے بنفس نفیس صلح نامے پر دستخط کر دیں۔ باقی سب کچھ آپ کی اور ہماری فوجیں طے کر دیں گی۔

''میرے دوست اور میرے بھائی کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ملک العادل سلطان اعظم کے صدہا خادموں میں سے ایک ادنیٰ خادم ہے۔ ملک العادل کا سارا جاہ و جلال سلطان اعظم کے مراحم خسروانہ کا محتاج ہے۔ جس وقت سلطانِ اعظم نے نگاہ پھیر لی اس وقت سارا زمانہ ملک العادل کے خلاف ہو جائے گا اور اس میں شک ہے کہ مغرب کا یہ عظیم الشان لشکر ملک العادل کے لئے ایک گاؤں بھی بحال کرا سکے گا۔ ہمارا سلطان ایک آفتاب ہے جس کے عطا کئے ہوئے نور نے بہت سے ذرّوں کو چاند ستاروں کی خلعتیں پہنا دیں۔ اگر یہ سورج اپنی کرنیں سمیٹ کر رکھ لے تو تمام چاند ستارے بے نور ہو کر رہ جائیں گے۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ سلطانِ اعظم اس مشورے پر ہمدردی کے ساتھ غور فرمائیں گے اور توقع ہے کہ شرط کو تسلیم فرمالیں گے۔''

پھر اس نے تالی بجائی اور غیر مسلح خدمت گار آ کر کھڑے ہو گئے اور حکم کی تعمیل میں بارگاہ کی شمالی دیوار کے دروازے پر غروب ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد رچرڈ اس کے ساتھ اٹھا اور دروازے سے ہوتا ہوا خیمے کو پار کر کے مدور خرگاہ میں داخل ہو گیا جہاں نیچی مستطیل میز پر سونے کے برتنوں میں بھنے ہوئے مسلّم پرندے، تلی ہوئی پوری رانیں، شوربا، بسکٹ، پھل، میوے، پنیر اور شہد ڈھیر تھا اور کئی گلفام دستار و لباس کنیزیں مؤدب کھڑی تھیں۔ رچرڈ نے اس کے مقابل بیٹھ کر کھانا شروع کرنے کا اشارہ کر کے کہا۔

''اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے ہمارے معزز دوست کا مذہب قبول نہ کرے۔''

''ہے۔''

''کیا؟''

رچرڈ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

''سونے کے برتن۔''



''آپ سونا استعمال نہیں کرتے۔''

''کرتے ہیں مگر برتن نہیں۔ ہم سونے کی کرسیاں، سونے کی میزیں، سونے کے پلنگ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔''

پھر کنیزوں نے تمام کھانا شیشے کے برتنوں میں چن دیا۔ رچرڈ نے ایک کنیز کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''یہ ہماری بہن جین کی خاص الخاص کنیز ہے۔''

اس کی عمر پختہ، رنگ سفید، آنکھیں نیلی اور قبا کے شانوں پر لہرائے ہوئے بال سرخ تھے۔ وہ اسے دیکھتا رہا جو ایلینور کی تصویر بنی کھڑی تھی اور اس کی شاہانہ نگاہیں فرش پر لوٹ رہی تھیں۔ جب کنیز نے نگاہ اٹھائی تو اسے اپنا آبگینۂ دل نگاہ کی مستی سے پگھلتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کا لباس دوسری کنیزوں سے قیمتی اور بھاری تھا اور دوسری کنیزوں کے برعکس اس کے بدن پر کوئی زیور نہ تھا سوائے ایک صلیب کے جو رچرڈ کے سرکی بیٹی کے جواہرت سے کہیں مہنگی تھی۔ وہ ایک مہمان نواز ملکہ کی طرح انتہائی وقار اور تمکنت کے ساتھ میز کی چھوٹی چھوٹی خدمتیں انجام دے رہی تھی اور کنیزوں کی نگاہیں اس کے چہرے تک پہنچتے پہنچتے مودب ہو جاتی تھیں۔ اسے خود بخود یقین ہو گیا کہ جس طرح ملک العادل کے بھیس میں وہ بیٹھا ہوا ہے اسی طرح ایک کنیز کے روپ میں خود ایلینور کی بیٹی رچرڈ کی بہن اور صقلیہ کی سابق ملکہ کھڑی ہوئی ہے۔ اس نے جین کو اتنی تیز نگاہ سے دیکھا کہ ران کو تراشتی ہوئی اس کے ہاتھ کی زرّیں چھری کانپنے لگی اور اس کے دل میں عجیب و غریب تمنا تڑپ اٹھی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ اپنی بیٹی عفت زمانی کی طرح اسے اپنے قریب لائے، اس کی پیشانی پر بوسہ دے، اس سے باتیں کرے اور تخت و تاج کی دولت سے نہال کر دے۔ جین جو اس کے خوابوں کے تخت پر ملکہ کی طرح بیٹھی ہوئی ایلینور کی ہم شکل، ہم صورت تھی نگاہوں میں وہی تمکنت، سراپے پر وہی شاہانہ پن اور اداؤں میں وہی تاج پوش بے نیازی۔ وہ اسے رچرڈ کی نگاہوں سے بے نیاز دیکھتا رہا اور جین کے چہرے کی کیفیت اسے یقین دلاتی رہی کہ وہ اس کی مودب نگاہوں کی باادب گستاخیوں سے آشنا ہے۔ رچرڈ کی آواز نے اس کی محویت کے طلسم کو شکست کر دیا۔

Scanned by iqbalmt



''ہماری آرزو تھی کہ آپ کے سلطان اعظم کو دیکھیں۔اس سپاہی سے ملاقات کریں جس نے ایک لڑائی لڑکر پوری مسیحی سلطنت کو غارت کردیا، جس کی ایک فتح نے ساری مسیحی دنیا میں زلزلہ ڈال دیا، اس عظیم انسان سے گفتگو کریں جس کی فیاضی نے افسانوی شہرت حاصل کرلی ہے اور جسے تبنین کے ہمفری نے نائیٹوں کے نائٹ کا خطاب دیا ہے۔''

رچرڈ یہ سب بڑی دل سوزی سے کہہ رہا تھا اور جین بڑے شوق سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی جو بظاہر رچرڈ کی طرف متوجہ تھا۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اور رچرڈ دونوں سلطان سے بہت اچھی طرح واقف ہیں، مدتوں سے اس کی باتیں سن رہے ہیں، اسے دیکھنے کا ارمان کررہے ہیں۔

''یہ سلطان کو دیکھنے کی آرزو تھی کہ ہم نے سیاست کے واسطے سے ملاقات کی خواہش کی تھی اور ملاقات میں ادب وآداب برتنے کی کوئی شرط نہیں رکھی تھی۔سلطانِ اعظم نے ہمارے علاج کے لئے حکیم روانہ کئے، ٹھنڈا پانی، برف اور پھل ارسال کئے، تحائف قبول کئے اور بھیجے، لیکن ہم کو باریاب کرنا قبول نہ کیا۔انتہا ہے کہ شہنشاہ فرانس سے بھی ملنا پسند نہ کیا حالانکہ دوسری صلیبی جنگ میں اس وقت کے شہنشاہ لوئی سے ان کی ملاقات ہو چکی تھی جب وہ صرف دمشق کے گورنر کے بیٹے تھے۔''

''اب وہ مشرق کے سب سے بڑے شہنشاہ ہیں۔''

جین نے پہلی بار اپنی آواز سنائی جس میں ایلینور کی شعلہ خوئی اور عفت زمانی کی صدا کی کھنک تھی۔

''لوئی ہفتم نے ان کو نائٹ بھی بنایا تھا۔''

رچرڈ نے لقمہ دیا۔

''ہمارے بادشاہ کی ماں اور اس وقت کی ملکہ فرانس نے انھیں اپنی خدمت میں باریاب بھی کیا تھا۔''

جین نے بڑے جوش سے کہا۔

''ہاں جب وہ ملکہ انگلستان بنیں اور اپنے ذاتی ملک ''اینٹیک'' پر پورا حق مانگا تو لوئی کے درباریوں نے اسی ملاقات کے افسانے گڑھ لئے۔''



یہ کہتے وقت رچرڈ کی آنکھیں جھک گئیں۔کھانا ختم ہوا، باتیں چلتی رہیں اور وقت اس کا فرمان لے جانے والے صبا رفتار قاصدوں کی طرح اڑتا رہا۔پھر اس کو رچرڈ کی خواب گاہ میں پہنچا دیا گیا۔جس کی آرائش بادشاہوں کے شایانِ شان تھی۔اس کو اندر پہنچا کر رچرڈ واپسی کی اجازت اور میٹھے خوابوں کی دعا کے ساتھ رخصت ہو گیا۔جین دوسری کنیزوں کے ساتھ اندر آئی۔آبنوسی تپائی پر رکھے چاندی کے صندوقچے کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

''شب خوابی کا لباس نکال دیا جائے۔''

وہ بوڑھے ترجمان کی وحشت زدہ آنکھوں کے سامنے زرہ کی کڑیاں کھولنے میں اس کی مدد کرنے لگی۔آہن پوش بدن پر بھی اس کی انگلیوں کے نرم زندہ لمس نے تسکین عطا کی۔وہ تسکین جو صرف بیٹی اپنے باپ کی گردن میں باہیں ڈال کر دے سکتی ہے۔جب وہ کپڑے تبدیل کر چکا تو وہ پھر اس مغرور بے تکلفی کے ساتھ اندر آگئی اور اسے وضو کرانے میں اپنے ہاتھ سے مدد کرنے لگی۔عفت زمانی کی طرح ایک حکم کی تعمیل اور دوسرے حکم کا انتظار کرنے لگی۔جب وہ فرش کے قالین پر مصری جانماز بچھا کر کھڑا ہوا تو وہ لپک کر باہر گئی اور مغربی دیوار کے پیچھے کھڑے ہوئے تاج انگلستان کے محافظانِ خاص کو بنفس نفیس حکم دے کر ہٹا دیا۔جب تک وہ نماز پڑھتا رہا جین دوسری کنیزوں کے ساتھ مودب کھڑی رہی۔ اسے مسہری پر لٹا کر پردے برابر کئے اور پرسکون نیند کی دعا کر کے باہر چلی گئی۔

وہ لیٹا ہوا اس رچرڈ کے متعلق سوچتا رہا جس نے عکّہ کے چار ہزار بے گناہ مسلمانوں کو ذبح کر ڈالا تھا اور آج کس قدر مہذب، مہمان نواز، نیک دوست نظر آرہا تھا اور اس نے اپنے عسکری منصوبوں کی دور اندیشی کی داد دی۔اس نوجوان سپہ سالار کو عکّہ کی فتح کتنی مہنگی پڑے گی۔چاہتا ہے کہ اس فتح کو صحیح سلامت انگلستان پہنچا دے۔کسی نہ کسی طرح بیت المقدس پر دخل چاہتا ہے۔بہن کی زندگی برباد ہو جائے مگر اس کی سالاری کا بھرم قائم رہے۔شہرت اور عزت کی بھوک کتنی بھیانک ہوتی ہے۔اور جین؟ جین کو اگر ملک العادل دیکھ لے تو اس کا امکان ہے کہ صلیبیوں کے خلاف اس کی تلوار کی گرفت ڈھیلی ہو جائے۔

وہ رات کتنی پر اسرار تھی۔دنیا صلاح الدین کو ملک العادل سمجھ رہی تھی اور ایلینور کی بیٹی اسے اپنا ہونے والا شوہر خیال کر رہی تھی اور ملک العادل گھوڑے پر سوار بر فیلے

Scanned by iqbalmt

جھکڑوں کے تھپیڑے کھارہا تھا۔

جب اس کی آنکھ کھلی اور اس نے کلمہ پڑھا اور پہرے پر کھڑے ہوئے محافظوں کی مودّب سرگوشیاں گنگنانے لگی تو سب سے پہلے جین داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے کنیزیں گرم پانی، چاندی کا تسلہ اور ریشمیں تولیہ سنبھالے ہوئے آئیں۔ جب وہ نماز پڑھ چکا تو جین نے اسے زرہ بکتر پہننے میں مدد دی، بستر پر لیٹی ہوئی ننگی تلوار کو احترام سے اٹھا کر نیام میں رکھا اور تکیے کے نیچے سے خنجر نکال کر غلاف کیا اور اس کی کمر بند میں لگایا۔ کفتان کے یاقوتی تکمے اپنے ہاتھ سے بند کئے۔ کانسی کی تپائی پر رکھا ہوا عمامہ دونوں ہاتھوں میں اس ادب سے اٹھایا گویا وہ عمامہ نہیں کوئی صحیفہ ہو۔ پھر دروازے پر کھڑی ہوئی مسلح کنیز نے رچرڈ کے آنے کی خبر دی۔ رچرڈ نے بڑی گرمجوشی سے بایاں ہاتھ سینے پر رکھ کر داہنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ رسمی گفتگو کی اور دوسرے خیمے میں ناشتے پر بٹھا دیا۔ جین اس کی خدمت پر مامور رہی۔

”سلطان اعظم ہمارے عزیز دوست کو محبوب رکھتے ہیں۔“

”کیوں؟“

”مطلع کیا گیا“

”مطلع کیا گیا؟“

”مطلع کیا گیا ہے کہ سارا اسلامی لشکر تمام رات کمربستہ رہا۔ سلطان اعظم بنفس نفیس گھوڑے پر سوار ہو کر گشت کو نکلے ہیں۔ ساری رات ان کی بارگاہ پر نوبت بجتی رہی یعنی ساری رات وہ اپنے ندیموں کے ساتھ بیدار رہے ہیں نتیجے میں ہماری فوج بھی ساری رات تیار رہی۔“

جب وہ جنگی مجلس کی خرگاہ کی طرف جانے کے لئے اٹھا تو جین نے اسے آخری بار دیکھا اور محسوس ہوا جیسے وہ دمشق کے اندرونی دالان میں کھڑا عفت زمانی اور عصمت الدین کے الوداعی سلام قبول کر رہا ہو۔ جب وہ جنگی مجلس سے بادشاہوں، شہزادوں، نوابوں، امیروں، سپہ سالاروں اور پادریوں سے رخصت کی رسم ادا کر کے رچرڈ کے ساتھ چلا اور عیسائی لشکر کی سلامی لے کر اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا اور ماردین کے حکمراں نے رکاب تھام لی تو رچرڈ نے بڑے جوش و خروش سے ہاتھ ملایا اور دیر تک دبائے رکھا۔ جب تک کوچ کا نقارہ



نہیں بجا اس نے ہاتھ نہ چھوڑا۔ رکاب میں پاؤں رکھتے ہی نقارے پر چوٹ پڑی اور جھنڈوں کے بھاری پھریروں نے اسے چھپا لیا۔ جب تک اس کے خدم و حشم نظر آتے رہے۔ رچرڈ اسی جگہ اسی طرح ساکت کھڑا رہا اور وہ اپنے دل پر ایک بوجھ لئے اپنے لشکرگاہ میں داخل ہوا۔ ملک العادل نے کیسی بے داغ وفاداری اور بے لوث محبت سے اسے گھوڑے سے اتارا ور کتنی دقت سے نماز شکر ادا کی۔

پھر پرچہ لگا۔

عیسائی لشکر یافا جانے والی سڑک پر حرکت کرنے والا ہے لیکن ہمارے مسلسل حملوں سے عاجز ہے۔ رسد ختم ہو رہی ہے سپاہیوں کی مردہ گھوڑوں پر گزران ہو رہی ہے۔ عکہ سے یہاں تک ہموار سڑک پر بحری لٹیرے کی حفاظت کے باوجود ان کی رفتار ایک دن میں دو تین میل سے آگے نہ بڑھ سکی۔ ان کے داہنے ہاتھ پر سمندر کے کنارے رسد چل رہی ہے جس پر ان کا بحری بیڑہ سایہ کئے ہوئے ہے۔ آج خبر ملی ہے کہ رچرڈ اپنی فوج کے بائیں ہاتھ کی پہاڑیوں پر ساتھ ساتھ چلتے ہوئے، مسلسل نقصان پہنچاتے ہوئے اسلامی لشکر پر اچانک اور زوردار حملہ کرے گا۔ اس کی فوج میں لڑنے والوں کی تعداد ایک لاکھ ہے جو سب کی سب زرہ پوش ہے۔ دوسرے کاموں کے لئے پچاس ہزار پیدل ہیں جو ہلکے ہتھیاروں اور تیر کمانوں سے مسلح ہیں اور ان کی خاصی بڑی تعداد بکتر بند ہے۔ کل فوج پانچ رجمنٹوں میں تقسیم ہے۔ ہر رجمنٹ میں بہادر اور تجربہ کار لڑنے والے ہیں۔ یہ وہ شہسوار ہیں جن کے برابر کا لڑنے والا ساری مسیحی دنیا میں نہ ملے گا۔ پہلی رجمنٹ میں طبقہ الداویہ کے سوار ہیں جن پر بادشاہ گائی حاکم ہے۔ دوسری میں برٹینی کی فوج سوار ہے جس پر لی سسٹر کارل افسر ہے۔ تیسری میں فرانسیسی فوج ہے جس کے سالار آنڑو اور برگنڈی ڈیوک ہیں۔ چوتھی رجمنٹ نارمن، آسٹرین، انگریز شاہزادوں، نوابوں، نائیٹوں اور امیروں پر مشتمل ہیں۔ شاہی علم ان کے ساتھ ہی چل رہا ہے۔ سب سے آخری میں طبقہ الاسبیطار کے سوار ہیں جن پر کمپاگنی کا کاؤنٹ ہنری اپنے علم کی حفاظت کئے ہوئے ہے۔ اُن ہی کے ساتھ دس ہزار تیر انداز کندے دار کمانوں سے لیس چلے آ رہے ہیں۔“

اس نے خدّام کو اشارہ کیا۔

Scanned by iqbalmt



سالاروں کو معہ فوج کے تیاری کا حکم دیا اور خود ہتھیار سجنے لگا۔ اپنے محبوب پھنکارتے ہوئے ابلق پر سوار ہو کر منتظر فوج کے قلب پر چڑھ گیا۔

آفتاب بلند ہو چکا تھا اور ٹھنڈی ہوا کے جھکڑ چل رہے تھے۔ عباؤں اور کفتانوں کے دامن بیرقوں کی طرح لہرا رہے تھے۔ گھوڑے ہنہنا رہے تھے۔ نیم دائرے میں ملک العادل، تقی الدین ملک العزیز، ملک الافضل، ملک الظاہر، تاج الملوک، طغرل، کیفا، ماردین، حلب اور موصل کے حکمران، افریقہ، مصر، یمن اور دمشق کے نامی گرامی سردار اور مملوک اس طرح اپنے گھوڑوں پر سوار کھڑے تھے گویا اب چوگان شروع کرنے کا حکم ملنے والا ہے۔

"فاتحو!"

"جہاں کشاؤ!"

"مشرق سے مغرب تک ساری نگاہیں تمہاری تلواروں پر لگی ہوئی ہیں جو بیت المقدس کی محافظ ہیں، روضۂ اطہر کی محافظ ہیں، اسلامی جاہ و جلال کی محافظ ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہماری فیصلہ کن لڑائی بیت المقدس کی دیواروں کے نیچے لڑی جائے گی لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اگر غنیم کا یہ لشکر صحیح و سالم وہاں تک پہنچ گیا اور عکہ میں بیٹھے ہوئے تین لاکھ صلیبی سوار کمک پر آ گئے تو ساری دنیائے اسلام خطرے میں پڑ جائے گی اور جنگ کا نقشہ تبدیل ہو جائے گا۔ تمہارے دین کا دشمن قوی ہے۔ اس کے لمبے چوڑے ہاتھ پیروں پر لوہے کے غلاف ہیں اور اونچے گھوڑوں پر آہنی پاکھریں ہیں لیکن زمین میں لیٹے ہوئے غازیوں اور آسمان پر بیٹھے ہوئے شہیدوں کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ تمہارا نگہبان دشمن سے قوی تر ہے۔ لڑو اور اس طرح لڑو جس طرح تمہارے اصحاب بدر میں لڑے تھے، تمہارے اجداد یرموک میں لڑے تھے اور جس طرح تم خود حطین میں لڑے تھے۔ آج کی لڑائی کا فیصلہ قلعوں اور شہروں پر نہیں حوصلوں اور منصوبوں پر ہے۔ اپنی جانیں دے دو اور دشمن سے اس کے حوصلے اور منصوبے چھین لو۔"



اثبات کی تکرار سے جبل لبنان کے سلسلے کانپ اٹھے۔

"ملک العادل"

"دین پناہا!"

"بیس ہزار فوج سوار کے ساتھ افرنجی لشکر کی کمر پر ٹوٹ پڑو۔"

"تقی الدین!"

"عالی جاہا!"

"دس ہزار سواروں کے ساتھ دشمن کے سر پر گرو اور شدید صدمہ پہنچا کر واپس آ جاؤ۔"

"دس ہزار محافظانِ خاص ہمارے پہلو میں چلیں اور باقی لشکر والیانِ کیفا و ماردین، حلب و موصل تقسیم کر کے پابہ رکاب ہوں اور دوسرے حکم کا انتظار کریں۔"

وہ اپنا گھوڑا پھیر کر پیچھے کھڑے خاص برداروں کے چھتر کے نیچے کھڑا ہو گیا اور سپہ سالار لشکر کی تقسیم کرنے لگے۔ پھر اس نے دیکھا کہ ملک العادل اپنے سواروں کے ساتھ پہاڑوں کے نشیب میں داخل ہو گیا اور تقی الدین بیت المقدس جانے والی سڑک پر چکر کاٹ کر دشمن کے سامنے پہنچ گیا۔ اب وہ اپنے خاص برداروں کے ساتھ ملک العادل کے داہنے ہاتھ پر آ گیا جس کے بائیں پہلو پر تقی الدین چل رہا تھا۔ شاہ بلوط کے جنگلوں میں عیسائی لشکر نظر آنے لگا تھا جو اب بجائے رینگنے کے کھڑا ہو گیا تھا اور نائب دائیں بائیں چکراتے پھر رہے تھے اور ان کے سوار آہنی پاکھروں سے ڈھکے ہوئے گھوڑوں کو بھڑا کر فولادی دیوار کی طرح قائم ہو گئے تھے اور ملک العادل کا لشکر خارزار گرزوں اور تیغوں کو تولے ہوئے لپک رہا تھا جن کی کفتانوں سے ڈھکے ہوئے شانوں پر گول ڈھالوں کے پھول چمک رہے تھے۔ پھر نعروں کی تکرار ہوئی۔ تقی الدین دشمن پر جا گرا تھا۔ اب ملک العادل نے اپنے سواروں کو دشمن پر لپکا دیا۔ اس کے مملوک رانوں سے نکلے جانے والے رہواروں کو سنبھالے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ اب اس نے ابلق کو ایڑ بتائی اور گردشِ ایام کی طرح دشمن کی صفوں پر چلا۔ جاتے ہی جاتے جنگ مغلوبہ شروع کر دی۔ مسلمانوں کے بھاری گرز افرنجیوں کے بکتر پوش جسموں پر جھانجھیں بجا رہے تھے۔ ان کی تلواریں بھاری زرہوں پر گرتیں، لوہے سے لوہا ٹکراتا اور چنگاریاں اڑتیں اور زیادہ سے زیادہ سواروں کو پیدل کر دیتیں یا خفیف

Scanned by iqbalmt



صدمہ پہنچا کر دوسرے وار کے لئے علم ہو جاتیں۔ نیزے البتہ کاری وار کر رہے تھے اور غنیم کی صفوں میں تہلکہ ڈالے ہوئے تھے۔ وہ اپنی فوج سوارہ لئے سرخ جھنڈے کی طرف چلا جس کے داہنے بازو پر تقی الدین یلغار کر رہا تھا اور جسے خود رچرڈ اپنے نامی گرامی نائٹ اور نواب لئے سنبھالے ہوئے تھا۔ تقی الدین رچرڈ کے داہنے پہلو کی آہن پوش دیوار توڑ کر اس کے عقب میں پہنچ گیا اور طبقہ البیطار کے شہسواروں میں گھر گیا۔ اس نے گھبرا کر تاج الملوک کو حکم دیا کہ تقی الدین کی مدد کو پہنچے اور خود رچرڈ کے قلب پر چلا۔ ملک الفضل اس کی رکاب سے نکل کر رچرڈ کے علم دار پر حملہ آور ہوا اور ڈھکیل کر رچرڈ کے پیچھے پہنچا دیا۔ اب تقی الدین کا رچرڈ سے سامنا ہو چکا تھا۔ رچرڈ نے نعرہ لگایا۔

''اے مسیح......اے مہد مسیح ہماری مدد کر۔''

اور دونوں ہاتھوں سے تلوار علم کر کے تقی الدین پر حملہ کیا جسے تقی الدین نے چیتے کی طرح پھرتی سے گھوم کر بچا لیا اور مڑتے مڑتے رچرڈ کے گھوڑے پر وہ تلا ہوا ہاتھ مارا کہ تلوار پاکھر توڑ کر گھوڑے کے سینے میں دھنس گئی اور رچرڈ بدحواس ہو کر گھوڑے سے پھاند پڑا۔ تقی الدین نے خون میں ڈوبی ہوئی تلوار علم کر کے رچرڈ پر گھوڑا ریل دیا اور قریب تھا کہ اس کا گھوڑا رچرڈ پر چڑھ جائے کہ آواز آئی۔

''رچرڈ کو گھوڑے پر سوار ہونے کا موقع دو اور بہادروں کی طرح لڑو۔''

رچرڈ نے خود کو چھجے کے نیچے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ تقی الدین کے گھوڑے پر رن چڑھا ہوا تھا اور وہ لگام نہیں مان رہا تھا اور پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہوا غیظ کا اظہار کر رہا تھا کہ ملک الظاہر نے ایک سلطانی گھوڑا رچرڈ کو دے کر اس کی حفاظت کو بڑھتے ہوئے نائٹوں سے الجھ گیا۔ اب افرنجیوں کا ہجوم ہونے لگا تھا۔ اس نے تقی الدین کو اشارہ کیا اور اپنے سواروں کو نصرانی فوج کے سمندر میں تیراتا ہوا نکل آیا۔



یافا کی لڑائی میں وہ عام مسلمانوں کی کارگزاری سے برہم بیٹھا تھا۔ ملک العادل نے تفتیش کے بعد حکم لگایا کہ مال غنیمت سے لدے پھندے لشکری بیوی بچوں کا فراق شدت سے محسوس کرنے لگے ہیں۔ سالہا سال کی مسلسل لڑائیوں سے تھک گئے ہیں۔ جوش



ایمان سنولانے لگا ہے۔ پشتینی رقابتیں بھڑک اٹھی ہیں، نسلی عداوتیں بیدار ہو گئی ہیں۔ اس لئے تادیبی کارروائی کی ضرورت ہے۔ اس نے بیٹھے ہی بیٹھے کاتب کو طلب کیا۔

ممالک محروسہ کے والیوں اور باجگذار شاہوں کے نام احکام لکھوائے کہ تازہ دم مجاہد روانہ کئے جائیں۔ ملک العادل کو حکم دیا کہ مخصوص رسالوں کے علاوہ تمام لشکر کی رخصت منظور کی جائے۔ ہمرکابوں کی تنخواہیں اور روزینے بڑھا دیئے جائیں۔ آزمودہ کار سرداروں کو بیت المقدس کے مورچوں اور قلعوں کی درستگی کے معائنے بڑھا دیئے جائیں۔ آزمودہ کار سرداروں کو بیت المقدس کے مورچوں اور قلعوں کی درستگی کے معائنے پر مامور کیا اور قراول کو باریاب کیا جس نے عرض کیا۔

''نصرانی افواج کا سپہ سالار رچرڈ عکہ سے تازہ دم لشکر لے کر آ گیا ہے۔ ایک لاکھ آہن پوش سواروں، چالیس ہزار ترکیوں اور رسد کے پچاس ہزار اونٹوں اور خچروں کے ساتھ یافا میں داخل ہوا چاہتا ہے اور مقامی انتظامات سے فارغ ہوتے ہی بیت المقدس کی طرف بڑھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔''

ملک العادل نے اس خبر کو تردد سے سنا اور گزارش کی کہ تازہ دم افواج کی آمد سے پہلے موجودہ لشکر میں تخفیف دوراندیشی کے خلاف ہے، لیکن اس نے توجہ نہ فرمائی۔ اسی شام ترکمانوں کا لباس پہنا اور خاص خاص جاں نثاروں کو ساتھ لے کر لشکر کے خفیہ گشت کو نکلا۔

ارسوف کی شہر پناہ کے باہر مشرق سے مغرب تک تمام پہاڑیاں اسلامیوں کے خیموں سے آراستہ تھیں۔ ابتدائی سرما کے تابدار چاند کی خنک روشنی میں دور دور تک پھیلی ہوئی مشعلوں کے جگنو اڑ رہے تھے۔ الاؤ کے انگارے دہک رہے تھے۔ مصر، شام، حجاز، یمن، افریقہ، کیفا، ماردین، حلب اور موصل کے بادشاہوں، امیروں اور سرداروں کی بارگاہیں اپنے اپنے جانبازوں کے حلقے میں اپنے اپنے نشان اڑاتی، اونچی بھاری مشعلوں کی روشنی میں متانت واستقامت سے کھڑی تھیں۔ کہیں قرآن پاک کی تلاوت ہو رہی تھی، کہیں صحابہ کرام کی سیرت مقدسہ کا بیان ہو رہا تھا، قادسیہ اور یرموک کی فتح کی داستان سنائی جارہی تھی، الف لیلیٰ کے افسانے آنکھوں میں مستی پیدا کر رہے تھے، ایام جاہلیت کے شاعروں کے اشعار گائے

Scanned by iqbalmt



جا رہے تھے اور قبائل کے افتخار سنائے جا رہے تھے اور نبیذ کے دور چل رہے تھے، کمانوں کا چڑا اسینکا جا رہا تھا، تلواروں پر باڑھ رکھی جا رہی تھی، نیزوں کے پھل زہر میں بجھائے جا رہے تھے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کی جا رہی تھی۔ اب وہ ایک عربی بارگاہ کے سامنے آ گیا جس پر بنو تغلب کا نشان لہرا رہا تھا اور اس کے تین طرف چھوٹے چھوٹے خیموں کا محلّہ آباد تھا۔ داخلے پر زمین میں گڑی مشعلیں روشن تھیں۔ عرب مجاہد الاؤ کے گرد بیٹھے کسے ہوئے گھوڑوں کو سامنے کئے صحرا کا مشہور گیت گا رہے تھے۔

یہ دھوپ سے سلگتا ہوا سیاہ صحرا، جس میں بھٹک رہا ہوں
اس ریگستان سے کہیں چھوٹا اور شاداب ہے جو میرے سینے میں آباد ہے
وہاں تو کوئی مجھ جیسا مسافر بھی نہیں
میرے نقش پا جیسے خاموش ہمراہی بھی نہیں
ببول کے کانٹوں کی رہبری بھی نہیں
ریت، دھوپ، سموم اور قاتل تنہائی!
آہ بنت عم.........اپنی محبت کا توشہ دیکھ۔

وہ عام ترکمان سرداروں کی طرح پردہ ہٹا کر خرگاہ میں داخل ہو گیا۔ اونٹ کی کھالوں کی وسیع و عریض چھت کے نیچے نمدے کی بھوری مغربی دیوار کے نیچے تختوں کی قطار پر مختلف رنگوں کی قالین بچھے تھے۔ چرمی غلاف کا بھاری تکیہ پشت سے لگائے ہوئے شیخ بیٹھا ہوا تھا۔ یمنی چادر کی کٹھئی عبا پر سیمیں کمر بند میں جڑاؤ خنجر لگا تھا۔ سر کے سفید رومال میں زرکار ڈوری بندھی تھی۔ سیاہ بھری ہوئی گول داڑھی میں سفید بال جھلملا رہے تھے، رباعت کئے ہوئے زرد چمڑے کے موزے فانوسوں کی روشنی میں چمک رہے تھے، ندیم دو زانو بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے کانسی کی لگن میں سرخ انگارے چیخ رہے تھے اور فرش پر درویش نما عرب حطین کی لڑائی کا قصیدہ گا رہا تھا اور اس کی عبا کے گھیر دار دامن حلقہ بنا کر ناچ رہے تھے۔ دو عرب رباب اور کمنجہ بجانے میں اپنا وجود فراموش کر چکے تھے۔ نگاہ ملتے ہی شیخ نے اٹھتے ہوئے مرحبا کا نعرہ لگایا۔ اس کے ساتھیوں کو تخت پر بٹھا کر اپنا تکیہ اس کی پشت سے لگا دیا۔ وہ قصیدے کے اشعار کی داد دے رہا تھا کہ ایک عرب نے آ کر شیخ کے کان پر اپنے لب رکھ



دیئے اور شیخ زانو پر ہاتھ مار کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا سر جھولتے ہوئے فانوس سے ٹکراتے بچا۔ شیخ نے نیچے اتر کر مہمیز پہنے، نمدے کی دیوار کے قریب رکھی ہوئی اخروٹ کی تپائی پر سلگتے عود کی انگیٹھی میں اپنے ہاتھ ملے اور داڑھی پر پھیر کر گرجا۔

”ترکمان سردار کے لئے نارگیلی لاؤ، نقل کی کشتیاں اور نبیذ کے پیالے پیش کرو کہ شام کی رات کو یہی زیور دلہن بنا دیتے ہیں اور آلِ تغلب ......اپنے پری نژاد گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ کہ ہمارے تخت رواں ہیں ... فولاد کی بیٹیاں نیاموں کے حجلوں سے نکال کر پہلو سے لگا لو کہ یہی شجاعوں کی معشوقائیں ہیں اور ہمارے جلو میں چلو کہ ہم ہی دنیا کے فاتح ہیں۔

”ترکمان سردار ہمیں رخصت کر کہ بخت فتح کے گھوڑے کی رکاب تھامے کھڑا ہے۔ آلِ تغلب کی تاریخ زرّیں کی قسم ہماری خواہش تھی کہ میزبانی کے آداب بجالائیں لیکن ایک مہتاب ہماری کمند کا انتظار کر رہا ہے اور اس کی گرفتاری ہم کو غازی سلطان اعظم کی نگاہ میں وہ مرتبہ عطا کرے گی جس پر کیفا اور ماردین کے بادشاہ مدتوں رشک کیا کریں گے۔“

”کیا ہم شیخ کے ہمرکاب ہونے کا شرف حاصل کر سکتے ہیں؟“

”نہیں معزز سردار......یہ آئین میزبانی کے خلاف ہے۔“

شیخ اپنے ساتھیوں کے ساتھ خیمے سے نکل گیا اور طغرل نے اس کے کان میں کہا۔

”شیخ کسی بڑی مہم پر جا رہا ہے۔ کیوں نہ اس کا پیچھا کیا جائے۔“

”ضرور۔“

چشم زدن میں وہ گھوڑے حاضر کئے گئے جن کی صبا رفتاری عرب میں ضرب المثل تھی۔ گلابی چاندنی رات میں شیخ کے گھوڑے دھبوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ ارسوف کے جنوب مغرب کے ہموار راستوں پر ان کے گھوڑوں کی ٹاپیں قریب ہو گئیں۔ پھر تلواریں کھنکنے لگیں اور رجز برسنے لگے۔ طغرل نے آدابِ سلطانی کو نظر انداز کیا اور کوڑا چمکا کر شیخ

Scanned by iqbalmt



کے ساتھیوں کو جالیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک کمسن نصرانی سردار کے ساکت کھڑے ہوئے گھوڑے کے چاروں طرف آہن پوش عیسائیوں کی خاصی معقول تعداد پروانہ وار اڑ رہی ہے اور شیخ کے مٹھی بھر ساتھیوں پر غالب آتی جا رہی ہے۔ طغرل نے گھوڑا ریل کر نعرہ لگایا۔

"بدنصیب نصرانیو! ہتھیار ڈال دو کہ بادشاہوں کا بادشاہ تمہارے سامنے کھڑا ہے۔"

اس آواز نے گویا نصرانیوں کے بازو اتار لیے اور شیخ کے ساتھیوں میں آگ لگا دی اور ایک ایک کر کے سبھوں نے ہتھیار پھینک دیئے۔ شیخ کے ہمراہی انھیں کمندوں میں باندھنے لگے اور وہ نوجوان عیسائی سردار گھوڑے پر بیٹھا اسے گھورتا رہا جس کی شخصیت عامیوں کے لباس میں بھی سطوتِ شاہی سے آراستہ تھی۔ اس نے قیدی طغرل کے حوالے کئے اور قیام گاہ کی طرف باگیں اٹھا دیں۔

ابھی اس کا گھوڑا ٹہلایا جا رہا تھا اور وہ سراپردۂ خاص میں کھڑا بنائے ہوئے گول انگاروں سے ہاتھ سینک رہا تھا اور خادم بکتر کھول رہے تھے کہ وہ نوجوان صلیبی سردار پیش کیا گیا جس کا رنگ سفید، آنکھیں نیلی اور خود سے نکلے ہوئے بالوں کے گچھے سرخ تھے۔ سفید بکتر میں وہ ایک کمسن لڑکے کی طرح کھڑا ہوا خوف سے کانپ رہا تھا۔ ہیرے کی صلیب پر نظر پڑتے ہی اس کا دل دھڑک اٹھا۔ اس نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر اپنی آنکھیں اس کی شرمیلی آنکھوں میں ڈال دیں۔

"میرے قریب آؤ۔"

"ڈرو نہیں۔"

"تم کچھ کہنا چاہتے ہو...... کہو۔"

"میں...... میں نے جب تک آپ کو دیکھا نہیں تھا آپ کے نام سے خوف لگتا تھا۔ لیکن اب...... جب کہ میں آپ کے سامنے ہوں مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔"

"ہم تو ایک چیونٹی کو بھی نقصان یا فائدہ پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے اور اگر ہمیں خدا قوت عطا بھی کر دے تو ہیلینور کی بیٹی کو ہم سے فائدہ...... صرف فائدہ ہی پہنچے گا۔"

ہیلینور کی بیٹی کی فولادی موزوں میں جکڑی ہوئی سبک پنڈلیاں کانپنے لگیں اور



اس نے آگے بڑھ کر جین کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور سر سے پاؤں تک عام شامی لڑکیوں کی طرح شرم کا مجسمہ بن گئی۔ اس نے جین کو اپنے پاس تخت پر بٹھا لیا اور سراپردۂ سلطانی اس کی آواز سے گونج گیا۔

"طغرل!"

"دین پناہا!"

"شہزادی جین کے ہم رکابوں کو آرام سے رکھو۔ زخمیوں کو طبیب خاص کی نگرانی میں دے دو اور ملک العادل کی کنیزوں کو حکم پہنچا دو کہ شاہزادی کی خدمت میں حاضر ہوں۔"

ہر چند کہ رات بڑھنے لگی تھی تاہم ان امیروں کو طلب کیا گیا جو سامانِ بادشاہی کے امین تھے۔ قیام گاہِ شاہی کی پشت پر دوسرا پردہ نصب کیا گیا جس کے تین در تھے اور تمام شہتیر چاندی کے تھے۔ چھت اور دیواریں دیبائے رومی کی تھیں، پردے یمنی چادروں کے تھے اور فرش بے نظیر قالینوں کا تھا اور جسے بغداد کے امیر المومنین نے فتح بیت المقدس کے وقت تحفہ میں بطور خاص عنایت کیا تھا۔ اس میں سونے کا وہ پلنگ بچھایا گیا جسے آرمینیا کے بادشاہ روپن نے نذر میں گزارا تھا۔ زریں و سیمیں کرسیاں و تپائیاں، انگیٹھیاں، فانوس، آفتابے اور زرکار شیشے کے آلات و ظروف سجائے گئے جو سلطان مقدونیہ نے خراج میں پیش کئے تھے۔ مغرب کی حسین ترین کنیزیں مشرق کے بھاری جوڑوں اور جڑاؤ زیوروں میں جگمگاتی ہوئی خدمت کو حاضر ہوئیں۔ وہ بنفسِ نفیس شاہزادی جین کی رفاقت کو اٹھا۔ اصرار کر کے کھانا کھلوایا اور کنیزوں کو دلجوئی کی تاکید کر کے واپس ہوا۔ ساری رات بیدار رہ کر اور لشکر کو ہوشیار رکھ کر ایک کشمکش میں گزار دی۔

صبح ہوتے ہی بیان کیا گیا کہ سلطنت انگلشیہ اور دوست صقلیہ کے چند مشہور امیر بھی شاہزادی کے ہمرکابوں کے ساتھ گرفتار ہوئے ہیں جنہیں شاہزادی کی بارگاہ میں باریاب ہونے کا حکم دیا گیا۔

جین کنیزوں کے جھرمٹ میں زرد کفتان پر صلیب پہنے سلام کو حاضر ہوئی۔ غلاموں نے وہ کشتیاں پیش کیں جو ممالک اسلامیہ کے بیش بہا زیورات، ملبوسات اور نوادرات سے لبریز تھیں۔ تمام نعمتوں کو صندوق میں بند کیا گیا۔ ڈیوڑھی پر ان سواروں کے گھوڑے

Scanned by iqbalmt



ہنہنانے لگے جنھیں شہزادی کے جلو میں چلنے کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔ پھر طغرل نے عیسائی امیروں کو پیش کیا جو خالی نیام پہنے، زخموں پر پٹیاں باندھے، بے یقین آنکھیں کھولے گونگوں کی طرح کھڑے تھے۔ جیمن روانگی کے لئے آہنی لباس پہنے

سراپردۂ خاص کے دوسرے درجے میں چلی گئی اور ملک العادل باریاب ہوئے۔

رچرڈ کا فوراً آیا ہوا خط پیش کیا جس پر نگاہ ڈالتے ہی مزاج مکدر ہو گیا۔ کاتب طلب ہوا۔ عیسائی امراء اور مسلمان سرداروں کی موجودگی میں جواب لکھوایا۔

"خدا کے ناچیز بندے، رسول کے ادنیٰ خادم، بادشاہوں کے بادشاہ یوسف ابن ایوب صلاح الدین غازی کی طرف سے جزیرۂ انگلستان کے فرمانروا کے نام۔

تمہارے خط سے جس گستاخی کی بو آتی ہے وہ درحقیقت ہماری اس مشرقی روایتی خاکساری کی دین ہے جسے ہم جزوِ شرافت اور خاصۂ انسانیت خیال فرماتے ہیں اور جس کے اظہار پر ہم نادم نہیں ہیں۔

تحریر کی ہوئی یہ خواہش کہ ہم اپنے مقام سے اتر کر تمہاری صف میں کھڑے ہو جائیں اور گفت و شنید فرمائیں، منظور نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے کہ جزیرۂ انگلستان جیسی سلطنت رکھنے والے کتنے ہی حکمران تخت سے اتر کر پاپیادہ چل کر ہمارے سفیروں کا استقبال کرتے ہیں۔

تم افرنجی لشکر کے سپہ سالار ہو۔ تمہارے اس شرف کا لحاظ کیا گیا اور عساکر اسلامی کے سالارِ اعظم کو اس کے مراتب کا خیال نہ فرماتے ہوئے تم سے گفتگو کا حکم دیا گیا ورنہ کسی ہمرکاب اور باجگذار کو اس خدمت پر مامور کیا جاتا ہے۔

ہم تم کو شرفِ ملاقات سے محروم رکھتے ہیں اس لئے کہ ہمارے خون میں شامل مہمان نوازی کو چھوٹی سی ریاست کا مغرور بادشاہ اپنی بزرگی اور برتری پر محمول کر سکتا ہے اور اس کی زبان بے لگام ہو سکتی ہے۔

تم اپنے خوشامدی درباریوں اور متعصب مؤرخوں کی طرح عکّہ کی فتح



کا بڑی دھوم دھام سے ذکر کرتے ہو۔ اگر ہمارا خیال صحیح ہے تو تم اور تم جیسے دوسرے بادشاہ مسیحی دنیا کی ساری قوت سمیٹ کر ہزاروں میل کا سفر طے کر کے صرف عکّہ فتح کرنے نہیں آئے تھے۔ گمان غالب ہے کہ تم بیت المقدس کی بازیابی کے ارادے سے آئے تھے۔

لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ افرنجیوں کے ناعاقبت اندیش سپہ سالار نے چار لاکھ..... شہسواروں کی آتشِ جہاد کو عکّہ کی طوفانی اور لایعنی لڑائیوں میں خاکستر کر دیا۔ اسلامیوں کے ناخدا نے چار لاکھ تلواروں کے طوفان سے بیت المقدس کے سفینے کو محفوظ رکھ کر عکّہ کے ساحلوں میں ہی اسے غرق کر دیا اور اب عکّہ کی "فاتح" فوجیں بیت المقدس کے جوار میں پڑی ہوئی واپسی کی گھڑیوں کا انتظار کر رہی ہیں۔

مغلوب الغضب بادشاہ! افرنجی لشکر اگر ہمارے کسی سپہ سالار کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ عکّہ کو مقامی فوجوں کے حوالے کر کے عسقلان پر یلغار کرتا اور عسقلان سے بیت المقدس تک کے سارے علاقے کو جوشِ جہاد سے پاگل آہن پوش اور بے نظیر سواروں سے بھر دیتا اور پانچ بادشاہوں کے کمان میں سارا لشکر بیت المقدس کی فصیلوں پر چڑھا دیتا لیکن ایسا اس لئے نہیں ہو سکا کہ مسیحی دنیا کا کوئی ایک بادشاہ کسی لشکر کے ساتھ عساکر ایوبی کے سامنے آنے کی ہمت نہیں رکھتا۔

عزیزم! تمہاری جتنی عمر ہے اتنی ہم نے لڑائیاں لڑی ہیں اور جیتی ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے، تم نے سنا ہوگا کہ فاتح فوجیں مفتوح پر اس طرح گرتی ہیں جیسے پیاسا گھوڑا چشمے کی طرف چلتا ہے، لیکن تمہاری "فاتح" فوجیں دنیا کے سب سے بڑے بحری بیڑے کی حفاظت میں ہموار راستوں پر ایک دن میں ڈھائی میل چلنے سے عاجز ہیں۔

بادشاہ فاتح، مفتوح کو اپنی بہنیں نہیں پیش کرتے۔ تم ایسے فاتح ہو کہ مفتوح کو ایسی ہتک آمیز رشوت دے ڈالنے پر مجبور ہو گئے اور ہم

Scanned by iqbalmt



ایسے سفتوح ہیں کہ ایسی خوبصورت لالچ پر بھی غالب آ گئے۔

تم نے یافا اور ارسوف کے معرکوں کا ذکر کیا ہے اور اپنی فتوحات پر فخر کیا ہے۔ خود اپنے قول کے مطابق تم عکہ سے ڈیڑھ لاکھ چیدہ شجاعوں کے فاتح لشکر کے ساتھ نکلے تھے۔ یافا پر تم نے اپنی طاقت کا جائزہ لیا اور اس بات پر مجبور ہوئے کہ عکہ جاؤ اور باقی ماندہ ''فاتح'' فوج کو ساتھ لاؤ۔ تم نے عکہ میں مقدس صلیب کا واسطہ دیا، مہدِ مسیح کی قسمیں دلائیں اور ایک لاکھ سواروں کے ساتھ یافا پر نزول کیا۔ اس حساب کی رو سے اس وقت تمہارے پاس ڈھائی لاکھ لشکر ہونا چاہئے لیکن تمہارا اور تمہارے قاصدوں کا بیان ہے کہ تمہاری کمان میں صرف ڈیڑھ لاکھ سوار ہیں تو پھر باقی ایک لاکھ سوار کیا ہوئے! کہیں ہماری مفتوح فوجوں کی تلواروں کا غلاف تو نہیں ہو گئے۔

سپہ سالار! تمہارے گھوڑے ہمارے گھوڑوں سے مضبوط ہیں، آہنی پاکھروں سے آراستہ ہیں۔ تمہارے سوار قوی اور لانبے ہاتھ پیروں کے علاوہ خود پوش اور بکتر سے پیراستہ ہیں اور تمہاری تعداد ہر جگہ اور ہر معرکے میں ہماری تعداد سے کہیں زیادہ رہی ہے۔ پھر ہم جو تمہاری طرح انسان ہیں ہلکے ہتھیاروں، چھوٹے گھوڑوں اور ان سواروں کے ساتھ جو ایک جست میں اپنے بیوی بچوں تک پہنچ سکتے ہیں، تمہاری مکمل تباہی کا منصوبہ بنا کر کس طرح یافا اور ارسوف میں معرکہ آرا ہو سکتے تھے۔ ہم نے عکہ کی طرح یہاں بھی تم کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور خدا کے فضل سے کامیاب ہوئے۔ تمہاری مکمل تباہی بیت المقدس کے میدانوں میں مقدر ہو چکی ہے۔ جہاں کئی لاکھ غازیوں کی تلواریں تمہاری انتظار کر رہی ہیں۔ یافا اور ارسوف کے میدانوں میں جن شہیدوں کی لاشیں تم نے پائی ہیں وہ ہمارے عام سپاہی ہیں۔ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا کہ جب



ہمارا نائب السلطنت اور سالار اعظم ملک العادل تم سے ملنے تمہاری قیام گاہ پر گیا تو اس کے ساتھ پانچ ہزار سوار ایسے تھے جن کے ریشمیں اور اونی کفتانوں پر سونے کے تاروں کا کام تھا، ان کے کمر بند طلائی تھے، ان کے مہمیز زریں تھے، ان کے ہتھیار جڑاؤ تھے اور ان کے خود میں عقاب کے پروں کی کلغیاں تھیں، لیکن وہ ہمارے عام سپاہی تھے۔

ہر معرکے میں ہم نے ایسے سپاہی کھوئے ہیں لیکن ان کی تعداد تمہارے مقتولین کے مقابلے میں کہیں کم ہے۔ پوری تیسری صلیبی لڑائی میں ہمارے لشکر کا کوئی بھی نامی گرامی سردار نہ زخمی ہوا اور نہ شہید سوا ایک اہلکاری کے جو عکہ میں گرفتار ہو گیا اس لئے کہ ہم نے تم سے ابھی تک کوئی فیصلہ کن لڑائی نہیں لڑی۔

تم بیت المقدس پر اپنے پروردگار کا ذکر اس طرح کرتے ہو گویا وہ جزیرۂ انگلستان کا کوئی گرجا ہے جہاں تمہاری پیشوائی کے لئے مخملیں راستے گلباری کا انتظار کر رہے ہیں۔ بیت المقدس کی فصیلیں ثابت ہیں، مورچے موجود ہیں، دمدمے قائم ہیں، اطراف کی آبادیاں ویران کی جا چکی ہیں، کنوؤں میں زہر ڈال دیا گیا، میدانوں میں گوکھرو بچھا دیئے گئے اور صلاح الدین کے سپہ سالار جو دمشق سے اس کے جلو میں نکلے تھے، زندہ ہیں، سلامت ہیں اور ان کی تلواریں تمہارے خون کی پیاسی ہیں، منتظر ہیں۔

شام کی سردی جس کے تم شاکی ہو، انگلستان کے برف بار موسم سرما سے جس کے تم عادی ہو، کہیں کم ہے۔ برف باری اور ژالہ باری کی شکایت تو ہم کو کرنی چاہئے جس کا بیشتر لشکر صحراؤں کی کڑی دھوپ کا تربیت یافتہ ہے اور عسقلان؟ ہم عسقلان کو بحری ڈاکوؤں کا آرام خانہ بننے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس کو بنیادوں سے اکھاڑ کر پھینک دینا ہوگا۔ ہم اس فیصلے پر اٹل ہیں۔ بیت المقدس پر اسی طرح قابض

Scanned by iqbalmt



رہیں گے جس طرح ہیں۔ اسلام نے دوسرے مذاہب کے مقامات مقدسہ کی تحریم کا سبق دیا ہے جو ہمیں یاد ہے۔ اس لئے عیسائیوں کو زیارت کی اجازت عطا کی گئی، اجازت ہمیشہ برقرار رہے گی۔ اس سے زیادہ ایک اینٹ نہیں، ایک دانہ نہیں، ایک لفظ نہیں۔

عزیزم! تمہاری غریب الوطن فوجیں خستہ ہو چکیں۔ فریڈرک مر چکا، بادشاہ فرانس واپس جا چکا۔ بڑے بڑے نواب، بیرن، نائٹ، سردار اور سورما خاک کا پیوند ہو چکے۔ تمہاری ننھی منّی ریاست تمہارے ہاتھ سے نکلی جا رہی ہے۔ تمہارا بھائی، تمہارا قائم مقام اپنی تاج پوشی کا منصوبہ بنا رہا ہے اور تم واپس جا رہے ہو بلکہ جہازیوں کو کوچ کا حکم دے چکے ہو تاہم جنگ کی دھمکی دے رہے ہو۔ ہم اپنے وطن میں اپنے عزیزوں کی قربت سے آسودہ ہیں۔ کوئی نعمت ایسی نہیں جو ہماری حضوری سے مشرف ہو سکتی ہو۔ کوئی دنیاوی خواب ایسا نہیں جس کی تعبیر ہمارے حضور سے مودب نہ گزری ہو۔ اس صلیبی لڑائی کو، اس جنگ عظیم کو صلاح الدین نے تن تنہا جھیلا ہے۔ عالم اسلام کا کوئی تاجدار ایسا نہیں جس نے ہماری مدد کی پیشکش نہ کی ہو اور جسے ہم نے ٹھکرا نہ دیا ہو۔ تاہم اے بادشاہ اگر بیت المقدس کی حفاظت کے لئے ضرورت ہوئی تو ہم عالمِ اسلام کے ایک ایک بادشاہ اور ایک ایک فقیر کے سامنے دست سوال دراز کریں گے اور اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک ایک ایک سپاہی شہید نہیں ہو جاتا۔ عکّہ کے چار ہزار بے گناہ اور امان پائے ہوئے مسلمانوں کے قاتل، تمہاری بہن اس شان کے ساتھ جو ایک بادشاہ زادی کے شایاں ہے، رخصت کی جاتی ہے۔''

خط کو ملک العادل کے حوالے کر کے وہ سراپردۂ خاص کے اندر چلا گیا جہاں جین رخصت ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔



قصر دمشق کے پہلو میں بنی ہوئی مسجد کے مینار سے بلند ہوتی ہوئی پُرسوز اذان کی آواز نے سلطانِ اعظم کے بہتے ہوئے خیالوں کی روانی روک لی۔ وہ بے چینی سے اٹھے۔ وضو کر کے جانماز پر کھڑے ہو گئے۔ جب تک سورج کی کرنیں سلام کو حاضر نہ ہوئیں وہ اسی طرح درود وظائف میں مشغول رہے۔ باریاب ہونے والے پہلے غلام کو بیٹھے ہی بیٹھے حکم دیا۔

''مغرب سے آئے ہوئے اسقف کو طلب کیا جائے۔''

زندگی کی بہترین یادوں سے لدا ہوا وقت کتنی جلدی گزر جاتا ہے۔ یہ سوچتے ہوئے اٹھے، سنگ مرمر کی جالیوں کے پردے کو پکڑ کر دریچے میں کھڑے ہو گئے۔ قصر کے روکار کے سامنے سارا میدان نوبت کی آوازوں اور مصری سواروں کی زرد عباؤں، ہتھیاروں اور گھوڑوں سے چھلک رہا تھا۔ نشانوں کے زردوز پھریرے آفتاب کی چمکیلی روشنی میں جگمگا رہے تھے۔ ان کے دونوں ابرو پیشانی پر چڑھ گئے۔ ''کیا تقی الدین؟''

''کیوں؟''

انھوں نے سوچا۔ پھر نیچے اترے۔ جاں نثاروں کے سلام قبول کئے۔ باب الداخلہ کی شہ نشین پر بجتی ہوئی نوبت کی شیریں آوازیں رینگ رہی تھیں۔ دمشق کے گلابوں سے سارا صحن گلزار تھا۔ رات کے محافظ سوار اٹھکیلیں کرتے، گھوڑوں کو رانوں میں دابے، سنگین چبوترے کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ مملوکوں کی کمان میں کردوں اور سلجوقوں کے دستے ان کی جگہ سنبھال رہے تھے۔ بادامی چمڑے کے پاپوش پہنے وہ مخملیں سبزے پر ٹہلتے رہے، پھولوں کی رنگ، قامت اور خوشبو سے محظوظ ہوتے رہے۔ اپنے شکاری چیتوں کی آنکھوں سے چشم پوش کھلوائے۔ ان کی گردنوں پر تھپکیاں دیں۔ عقابوں، بازوں اور شکروں کے جوڑے ملاحظہ کئے۔ محبوب شیرازی کبوتروں کے جوڑے ہاتھ میں لئے۔ امیر شکار سے باتیں کر رہے تھے کہ ملک الافضل اور ملک الظاہر طبیب خاص کے ساتھ حاضر ہوئے۔ غلاموں نے سبزے ہی پر کرسیاں لگا دیں۔ طبیب نے نبض دیکھ کر حکم لگایا۔

''خدائے بزرگ و برتر کا شکر ہے کہ مزاج عالی رو بہ صحت ہے لیکن مکمل صحت سے قبل معمولات جہانبانی سے اجتناب کیا جائے۔''

Scanned by iqbalmt



سلطان مسکرا دیئے۔ نگاہ اٹھائی تو دیکھا تقی الدین آرہا ہے۔ گول گندمی چہرہ، سیاہ چھوٹی نکیلی داڑھی، اونچا بھاری بدن، سفید کفتان پر زرد کمربند میں وہ سرفراز تلوار جو حطین کی فتح پر سلطان نے اس کی کمر میں باندھی تھی۔ طربوش میں عقاب زریں کے پروں کی کلغی لگی ہوئی کفتان کے دامنوں سے جھانکتے ہوئے طلاکار چرمی موزے پہنے نپے تلے قدم رکھا قریب آگیا۔ تلوار کو بوسہ دے کر غلاف کر لیا اور سر جھکا دیا۔ سلطان نے بیٹھے ہی بیٹھے ہاتھ بڑھا کر اس کے بازو پر تھپکی دی، وہ تن کر کھڑا ہو گیا۔

"آمد کا سبب۔"

"نائب السلطنت کا فرمان۔"

پھر سلطان مسکرا کر کھڑے ہو گئے اور اندرونِ محل کے دروازے کی طرف چلے۔

عمر رسیدہ خواجہ سراؤں نے لپک کر اطلاع کی۔ کنیزوں کی رفتار مدھم ہو گئی اور گفتار مودب۔ سلطان صحن ہی میں تھے کہ خاتونِ شام[1] پیشوائی کو آئیں۔ مزاج پرسی کی اور ان کو رات میں دیکھا ہوا بیداری کا خواب ستانے لگا۔ محسوس ہوا جیسے جبین نے استقبال کیا ہو۔ سلام کے جواب میں بہن کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ دو چار رسمی باتیں کیں اور حمام کی طرف چلے۔ مزاج شناس غلام دوڑنے لگے۔ عربی دریچوں کے جلی شیشوں پر یمنی پردے برابر کر دیئے گئے۔ معطر پانی پڑتے ہی بدن کے روئیں جھجک کر کھڑے ہو گئے۔ جسم کانپ اٹھا۔ غصے کو ضبط کر کے دھیمی آواز میں فرمایا۔

"قتل کرنے کا ارادہ ہو تو بتلا دو۔"

جلدی جلدی کپڑے پہنے اور سمور کی چادر اوڑھ کر باہر نکل آئے۔ زریں نقش ونگار سے آراستہ مرمریں محرابوں اور ہشت پہل ستونوں کے چمکیلے دالان میں گلابی دھوپ اپنے چمکیلے سنہرے پر پھیلائے لیٹی ہوئی تھی۔ وسط میں بچھے ہوئے چاندی کے دیوان پر آ کر بیٹھ گئے۔ شاہزادہ ظفر کفتان پر چاندی کے کمربند میں ننھا سا نیمچہ باندھے سلام کو حاضر ہوا۔ اس سے مسکرا کر باتیں کیں۔ چند تولے شیرۂ بادام کا ناشتہ کیا اور اس کی انگلی پکڑ کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دیوانِ عام میں گئے۔

---

[1] سلطان کی بہن کا لقب۔



چھت پر مخلول جواہرات کی نقاشی تھی۔ دیواروں پر سونے کی استرکاری اینٹوں کی آرائش تھی، زرد قالینوں کے فرش پر چھوٹا سا آبنوسی تخت بچھا تھا اور دروازوں پر ساٹلین کے پردے کھڑے تھے۔ انھوں نے زرد تکیوں سے پشت لگائی اور وزیر ابوبکر نے عرضیاں پیش کیں۔ ایک غلام ہاتھی دانت کا قلمدان لئے کھڑا تھا۔ عرضیاں پڑھتے رہے۔ ایک شخص گڑگڑاتا ہوا بڑھا۔ قالین پر پڑے ہوئے عبائے سلطانی کے دامن پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ پشت کی صف سے ایک غلام چاندی کا عصا لے کر نکلا اور اس کی گردن دبوچ لی۔ سلطان نے قلم روک کر غلام کو خشمگیں نگاہ سے دیکھا اور فرمایا۔

"غرض مند اندھا ہوتا ہے۔"

دوپہر کے وقت جب ایک ایک سوالی کا سوال پورا ہو چکا اور قحطان پر نگاہ پڑی تو اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسے ساتھ لے کر چلتے چلتے حکم صادر فرمایا۔

"گھوڑے تیار ہوں۔"

دسترخوان پر خاصہ چننے والے خواجہ سرا سے فرمایا۔

"آج طبیعت ٹھیک ہے اور پرہیز سے زبان بدمزہ ہو گئی ہے۔ چاول اور دودھ کھانے کی خواہش ہے۔"

دسترخوان پر چاولوں کی قابیں چن دی گئیں جن سے زعفران کی خوشبو آرہی تھی اور گاڑھے دودھ کے پیالے رکھ دیئے گئے۔ قحطان اور ندیموں کو اصرار کر کے اپنے ساتھ بٹھایا۔ مزے لے لے کر اور سیر ہو کر کھایا۔

ظہر کے بعد خلوتِ شاہی سے برآمد ہوئے۔ بارگاہ کے سیاہ سنگین چبوترے کے نیچے مخمل اور سونے کے ساز پہنے وہ درجنوں گھوڑے کھڑے تھے جن کا روئے زمین پر جواب نہ تھا۔ قحطان کو حکم دے کر گھوڑا پسند کرایا اور خود اس "ابلق" کی پیشانی پر ہاتھ پھیرنے لگے جس کے سیمیں ایال گردن کے نیچے تک لٹک رہے تھے اور جو زریں رکابیں پہنے تصویر کی طرح کھڑا تھا۔ عالم اسلام کے سب سے بڑے شہسوار کی سواری سے مشرف ہونے کے لئے بجلی کی طرح تڑپنے لگا۔ قصر کے پھاٹک سے نکلتے ہی دو رویہ کھڑی ہوئی مملوک شہسواروں کی قطاریں حرکت میں آگئیں۔ وہ دمشق کی آبادی سے کترا کر شہر پناہ کے مغربی دروازے

Scanned by iqbalmt



کے محافظوں کے سلام لے کر شہر سے باہر آ گئے۔ ایک ہزار خاص برداروں نے ایک میل کے قطر کا حلقہ بنایا اور سلطان اعظم کو اپنی حفاظت میں لے کر جنگل کی طرف چلے۔ سلطان نے اشارے سے قحطان کو اپنے قریب کر لیا۔ ندیم گھوڑے بڑھا کر ادھر اُدھر ہو گئے۔

''کل ہماری طبیعت بھی بحال نہیں تھی اور ہم نے تم کو ٹھیک سے پہچانا بھی نہیں تھا۔''

''تمہارے بال تو ہم سے بھی زیادہ سفید ہو گئے۔''

''موٹے ہو کر سچ مچ پادری معلوم ہونے لگے ہو۔''

اور ایک قہقہہ لگایا جس نے قحطان پر مسلط رعب سلطانی کو دھو ڈالا۔

اس نے اپنے آپ کو گفتگو پر آمادہ کر لیا۔

''اس خطرناک سفارت پر تمہارے انتخاب کے معنی یہ ہیں کہ ایلینور کو تم پر مکمل اعتماد ہے۔''

''سلطان اعظم! اس لفظ سفارت کو تاریخ کی کتابوں میں پڑھا تھا۔ فرانس و انگلستان کے درباروں میں برتتے ہوئے دیکھا تھا لیکن اس کی نوعیت اور نزاکت کا اس وقت احساس ہوا جب آدابِ حکومت کے حجابوں میں جھلملاتی ہوئی آنکھوں...... شاہی آنکھوں نے ایک عورت کے دل کی پیامبری کا حکم دیا۔''

''عالم پناہا! اگر میں ادیب ہوتا...... خطیب ہوتا تو ان پُر جلال اور خاموش آنکھوں کی داستان آپ کے حضور پیش کر دیتا جسے میرے دل نے سنا تھا...... اگر میں مصوّر ہوتا تو وہ منظر کھینچ دیتا جسے میری نظروں نے دیکھا تھا۔

''شہنشاہا! کاغذ کا وہ ٹکڑا جسے میں نے حضور میں گزارا ہے کئی راتوں کی جان لیوا بیداریوں میں مکمل ہوا ہے...... میرا سامانِ سفر تیار تھا۔ میں روز صبح بارگاہِ خاص پر حاضر ہوتا اور ناکام پھر آتا...... اس صبح جب مجھے باریاب کیا گیا، آسمان سے زمین تک سرمئی دھند چھائی ہوئی تھی۔ خواب گاہ کے فانوس روشن تھے، بے شکن بستر شب بیداری کا غماز تھا اور ملکۂ عالیہ چاندی کی کرسی پر زرد مخمل کا بے داغ شب خوابی لباس پہنے شانوں پر سمور کی چادر ڈالے کرسی کے دستے پر کہنی ٹیکے، ہتھیلی پر چہرہ لئے ساکت بیٹھی ہوئی تھیں...... عالم پناہا...... وقت ان کے حضور سے مؤدب گزر رہا ہے...... ماہ و سال کی گردش نے ان کے چہرے سے



شوخی کے وہ پھول توڑ لئے جو شوکت جہاں بانی کو زیب نہیں دیتے اور ان کی پُر جلال شخصیت کو برگزیدہ دلکشی کا وہ تاج پہنا دیا جو کبھی کبھی کسی خاکی کو عطا ہوتا ہے۔''

''شاہِ فرانس سے ان کے تعلقات اس حد تک کیسے خراب ہو گئے کہ نوبت طلاق تک جا پہنچی؟''

''غلام کو حیرت ہے کہ سلطانِ اعظم یہ سوال فرما رہے ہیں۔''

''کیوں؟''

''ملکۂ عالیہ وہ چند دن فراموش نہ کر سکیں جو انھوں نے دریائے زرفشاں کے کنارے مشرق کے ہونے والے شہنشاہ کی قربت میں گزارے تھے۔ وہ سپردگی جو انھوں نے سلطانِ اعظم پر نچھاور کر دی لوئی کو نصیب نہ ہو سکی۔ فرانس پہنچنے کے چند ہی روز بعد انھوں نے تیسری صلیبی جنگ کا خواب دیکھا اور اس کی تعبیر کی جستجو نے لوئی کے شک کو یقین میں بدل دیا اور تعلقات ختم ہو گئے۔''

''جب تیسری صلیبی جنگ برپا ہوئی تب تو وہ مشرق میں وارد ہو سکتی تھیں۔''

''ارشاد عالی درست ہے...... یہ ان کے منصوبے کا دوسرا حصّہ تھا، لیکن شہزادہ جون کو تنہا چھوڑنا آئینِ حکومت کے خلاف سمجھا گیا۔ اگر ملکۂ عالیہ بھی رچرڈ کے ساتھ نظر بند ہو گئی ہوتیں تو انگلستان کا قصّہ ختم ہو چکا ہوتا۔ ان کی موجودگی نے ہی تخت شاہی کو جون کے قدموں سے بچائے رکھا۔''

شاداب پہاڑوں کی سرسبز گھاٹیاں، خوشبودار جھاڑیاں، گنگناتے ہوئے چشمے، بلبلوں کے گھنگھرو پہنے، ناچتی ہوئی دبلی پتلی نہریں، سلامی کے لئے خاموش کھڑے ہوئے دیو پیکر درختوں کی قطاریں، سرو صنوبر کے سبز پوش غلام زادے، بھیڑوں کے گلّے، الغوزے کے تانوں میں مست چرواہے، چکاروں کی ڈاریں، پرندوں کی اڑانوں کی سنسناہٹیں...... ہر وہ منظر موجود تھا، ان کے حضور سے گزر رہا تھا، جس کی قبولیت کے لئے سلطان اعظم سوار ہوئے تھے، لیکن گہرے خیالات میں ڈوبی ہوئی آنکھیں صرف ایک صورت دیکھ رہی تھیں جس کی رفتار نے ایشیا سے یورپ تک کی نصف صدی کی پوری تاریخ پر اپنے نقشِ پا کی مہریں ثبت کر دی تھیں۔ ان کے سامنے ایلینور کھڑی تھی۔ سفید زرہ بکتر پہنے، دستانہ پوش

Scanned by iqbalmt



ہاتھ میں عصائے شاہی لئے چھل بل کرتے گھوڑے کے پاس ننگے سر کھڑی تھی۔ چاندی کے تاروں کی ایک مہین لٹ پیشانی پر لرز رہی تھی، جیسے تاج میں آویزاں موتیوں کی لڑی۔ حسین وتمین آنکھوں میں گفتگو کرتی ہوئی، خاموشی سے چھلکتی آنکھوں میں سلطنتوں اور خانوادوں کو زیروزبر کر ڈالنے والا منصوبہ تیر رہا تھا۔ درباری رقاصاؤں کے بے مثال جسموں کو ترغیب دیتی ہوئی بے جھجک بے قراری کے بجائے ان کے باوقار جسم پر کہانیوں کی کسی آسودہ اور سنجیدہ ملکہ کی تمکنت برس رہی تھی۔

جب شیر دل رچرڈ بیمار ہوئے اور عالم پناہ نے علاج کے لئے شاہی اطبا کو متعین کیا اور یہ خبر یورپ پہنچی تو ملکۂ عالیہ رو دیں۔ گھنٹوں آپ کی شجاعت اور سخاوت کا ذکر فرماتی رہیں۔ مغرب میں تو یہاں تک مشہور ہو گیا کہ شاہی طبیب کے بھیس میں آپ خود بنفس نفیس تشریف لے گئے تھے اور چارہ گری فرمائی تھی۔

فتح بیت المقدس کی خبر سے سارے یورپ میں زلزلہ آ گیا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے سارے انگلستان کو روتے ہوئے دیکھا ہے۔ شاہی محل پر ماتمی بادلوں کو رینگتے ہوئے دیکھا ہے، لیکن ملکۂ عالیہ کی آنکھیں اسی طرح پرسکون تھیں، اسی طرح مطمئن تھیں ...... مراحم خسروانہ سے مالا مال خواتین کا قافلہ جب انگلستان پہنچا تو ملکۂ عالیہ نے اسے بطور خاص باریاب کیا۔ کرید کرید کر آپ کی باتیں نکالیں۔ آپ کی صورت، آپ کی سیرت، آپ کے گھوڑے اور آپ کی تلوار کی ایک ایک تفصیل حاصل کی۔ ہفتوں اور مہینوں ذکر کرتی رہیں اور اس طرح کہ ہر بار آنکھیں پرنم ہو گئیں، آواز بھرا گئی، نیندیں اچٹ گئیں اور زندگی دشوار ہو گئی۔''

''برادر معظم نائب السلطنت سے شاہزادی جین کی شادی کی تجویز اور تحریک بھی ملکۂ عالیہ کے ایما پر کی گئی تھی لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ دنیا کے دو عظیم الشان فرمانروا ایک دوسرے کے دست وبازو بن کر ساری دنیا آپس میں بانٹ لیں۔''

''اگر بیت المقدس کی حرمت درمیان نہ آ جاتی تو ہم دعائیں مانگتے اور قدرت کو رضامند کر لیتے۔''

''اس رشتے کا سب سے بڑا فائدہ انگلستان کو پہنچتا۔ کیا اس صورت میں آسٹریا



کی مجال ہو سکتی تھی کہ بادشاہ پر ہاتھ ڈال دے؟''

''ہم نے تم کو اسی مسئلہ خاص پر مشورے کے لئے طلب کیا تھا۔ کیا رچرڈ کی رہائی کی کوئی اور صورت نہیں ہو سکتی؟''

''ہو بھی سکتی ہے لیکن غلام سلطانِ اعظم سے گزارش کرے گا کہ اسے قبول نہ فرمایا جائے۔''

''کیوں؟''

''ملکۂ عالیہ بادشاہ کی گرفتاری سے پریشان ضرور ہیں لیکن وہ یہ بھی جانتی ہے کہ بہر حال رہائی ضرور حاصل ہو جائے گی۔ ان کی گفتگو کے پس پردہ میں نے شدت سے یہ آرزو محسوس کی کہ آپ ایک جرار لشکر کے ساتھ یورپ پر نزول فرمائیں۔ آسٹریا اور مشرقی یورپ کو زیروزبر کرتے ہوئے انگلستان میں جلوس کریں۔ جہاں ایک جشن عام برپا ہو اور ملکۂ عالیہ کی آنکھیں آپ کے دیدار سے مشرف ہوں اور ان کی وہ خواہش جو بیت المقدس کی برگزیدہ دیواروں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئی بیت المقدس کے درمیان آئے بغیر پوری ہو سکے...... عالی جاہ! ...... ملکۂ عالیہ کے مقدس نام کو فرانسیسیوں نے ناپاک افسانوں سے ملوث کر دیا ہے، اور یہ افسانے جس طرح شہرت پا چکے ہیں اس سے ملکۂ عالیہ کو بہت غم پہنچا ہے۔ اب ان کی خواہش ہے کہ جس تلوار کی انھوں نے داد دی ہے اس سے ہزیموں کی بارش ہو اور شکستوں میں شرابور یورپ کی زبان گنگ ہو جائے۔''

''تم کو یقین ہے کہ ہمارے لشکر کو روکنے کے لئے سارا یورپ متحدہ ہو کر ہمارے سامنے نہیں کھڑا ہو جائے گا۔''

''سلطانِ اعظم متحدہ یورپ جتنا بڑا لشکر جمع کر سکتا تھا جمع کر کے بیت المقدس کی بازیابی کے لئے بھیج چکا...... جہاد کے نام پر اٹھ کھڑے ہوئے طوفان کو بیت المقدس کی دیواروں کے نیچے سے ڈھکیل کر بحرۂ روم میں غرق کر دیا جس تلوار سے ممکن ہو سکا وہ عالم پناہ کی کمر میں موجود ہے اور جس کا سایہ سارے مغرب میں محسوس کیا جاتا ہے...... اس تلوار کی ہیبت کا اندازہ دمشق میں بیٹھ کر نہیں کیا جا سکتا...... خانہ جنگی کے دلدل میں دھنستا ہوا یورپ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔''

Scanned by iqbalmt



''قحطان!''

''عالم پناہ۔''

''ہم نے ہمیشہ دین کے لئے تلوار نکالی ہے اور گھوڑا اٹھایا ہے۔ کشور کشائی کو یہ شرف کبھی نہیں بخشا گیا۔

قحطان کی طلاقت لسانی کا ترکش خالی ہو چکا تھا اور سلطان اپنے خیالوں کے پایۂ تخت میں لوٹ چکے تھے جہاں ایلینور حکمراں تھی۔

مغرب کے وقت قصر شاہی کے روکار کے سامنے میدان میں گھوڑے کے قدم رکھتے ہی سلطانِ اعظم نے ملاحظہ کیا کہ سارا میدان غبار میں اٹے ہوئے سواروں سے بھرا پڑا ہے اور پھاٹک کے داہنی طرف وہ علم نصب ہے جس کے زرد پھریرے پر سونے کے تاروں کا شیر دہاڑ رہا ہے اور اعلان کر رہا ہے کہ نائب السلطنت ملک العادل نے اپنے خدم و حشم کے ساتھ جلوس فرمایا ہے۔ پھاٹک سے نکلتے ہی لانبے قد اور مضبوط بدن کے ملک العادل نے لپک کر پیشوائی کی اور رکاب بوسی کے لئے وہ سر جھکا دیا جس کے عمامے کی سرپیچ کے لئے سات سمندروں نے موتی انتخاب کئے تھے۔ رکاب گیروں کے بڑھتے ہاتھوں کو بامراد کئے بغیر سلطان گھوڑے سے اتر پڑے۔ ملک العادل کے جھکے ہوئے سر کو سینے سے لگا لیا۔ پشت پر دست شفقت رکھا اور باتیں کرتے ہوئے بارگاہِ خاص کی طرف چلے۔



وہ رات غروب ہوتی ہوئی بارہویں صدی عیسوی کی ان راتوں میں سے ایک تھی جو اپنے زمانے کی تاریخ کے نام فرمان جاری کرتی ہے۔ عشاء کی اذان سن کر سو جانے والی نوبت ابھی بیدار تھی۔ قصر دمشق کے مشرقی ایوان کی آئینہ بند دیواریں، زرّیں شمع دانوں اور مرصّع فانوسوں میں جلتی ہوئی ان گنت شمعوں کی سفید ٹھنڈی روشنیوں کی قبائیں پہنے خاموش کھڑی تھیں۔ وسط میں بچھے ہوئے تخت پر ملک العادل دوزانو بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے رکھی ہوئی کرسیاں خالی پڑی تھیں۔ ان پر کچھ دیر پہلے بیٹھے ہوئے وزیر و سالار اور عالم نائب السلطنت کو فیصلہ کن مشورے دے رہے تھے۔ دروازوں پر بے نیام تلواروں کے پہرے کھڑے تھے اور عادل خیالوں کی دلدل میں گردن تک دھنسے ہوئے تھے۔ سوچتی ہوئی



نظروں کے سامنے ایک نقشہ کھلا ہوا تھا جس میں مغرب کی سلطنتوں کے علم سرنگوں تھے۔ تخت اوندھے پڑے تھے۔ تاج گھوڑوں کی ٹھوکروں میں لڑھک رہے تھے اور ان سب کے پرے ایک آفتاب شامی کفتان پہنے صقلیہ کا پرانا تاج سر پر رکھے دولعنتوں کی طرح قدم رکھتا شرماتا ہوا ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نظارے نے ان کے چمپئی چہرے پر مسرت کی قلعی کر دی۔ سیاہ مونچھ سے بھرا ہوا ہونٹ لمبا ہو گیا۔ صحرا کی تاریک راتوں کی طرح سیاہ داڑھی مسکرانے لگی۔ پھر وہ مضبوط گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ دروازے پر کھڑا ہوا تلواروں کا پردہ سرک گیا۔ منور دالانوں، روشن غلام گردشوں، مشعلوں کی روشنی میں چشموں کی طرح لہریں لیتے ہوئے سرسبز صحنوں، دروازوں کی آنکھیں پر پلکوں کی طرح چھائے ہوئے نیزوں سے گزرتے ہوئے وہ اس جگمگاتے ہوئے کوشک کے سامنے آ گئے جہاں قدم رکھتے ہوئے رات کی سیاہیوں کے پر جلتے تھے اور دن کو ہمیشہ حضوری کا شرف حاصل تھا۔ داخلے پر ''صاحب'' نور الدین والی کیفا کھڑا تھا۔ نائب السلطنت کو دیکھتے ہی پیشوائی کو بڑھا۔



سلطان خلوت خاص میں مسند شاہی پر دوزانو بیٹھے تھے۔ ان کے داہنے ہاتھ پر تقی الدین کے برابر ملک العادل تھے۔ بائیں طرف دمشق کے قاضی القضاۃ اپنے ہاتھوں کو ڈھیلی لمبی آستینوں میں چھپائے خاموش بیٹھے تھے۔ ان کے زانو سے تقی الدین کے پہلو تک لال کی صورت میں وہ امراءِ عظام موجود تھے جو اٹھارہ برس تک سلطان کے گھوڑے سے گھوڑا ملا کر تلواریں چلا چکے تھے اور اب اس طرح ساکت تھے گویا اپنی موت کا حکم سننے آئے ہوں۔ پھر عادل کی آواز بلند ہوئی اور ساری جنگی مجلس چونک پڑی۔

''دین پناہا! غلام عسقلان کے سرحدی قلعوں کی مورچہ بندی میں مصروف تھا۔ جب قحطان نے ملاقات کی، رچرڈ کی گرفتاری کی اطلاع دی، مغرب میں برپا ہونے والی خانہ جنگی کے امکانات پر گفتگو کی۔ خانہ زاد نے سپہ سالار کو پروانہ لکھ کر انتظام مملوکوں کے حوالے کیا اور لشکرِ خاص کو رکاب میں لے کر بابِ عالی پر حاضر ہو گیا۔''

سلطان اسی طرح نگاہ نیچی کئے مسند کے زردوزنگی بوٹوں کو دیکھا کئے۔ دیر کے بعد نگاہ اٹھائی۔

Scanned by iqbalmt



"تم کو یاد رہا کہ قطان ہمارا دوست ہے لیکن یہ بھول گئے کہ قطان عیسائی بھی ہے۔"

عالم پناہ قطان کی زبان نے صرف ان خبروں کی تائید کی ہے جو آرمینیا اور صقلیہ میں متعین جاسوسوں نے ہمیں بھیجی ہیں اور جن سے سلطانِ اعظم واقف ہیں۔ بیت المقدس کے دروازوں پر مغرب سے آنے والے زائرین کا روز ایک قافلہ اترتا ہے اور دس دس طرح کی باتوں سے اس ایک بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔"

عادل کے چپ ہوتے ہی نورالدین نے گزارش کی۔

"آرمینیا کے دربار پر شاہ روین کا بھائی ہملٹن چھایا ہوا ہے جس کی سفارش پر عالم پناہ نے آرمینیا کی خطا بخشی کی تھی۔ اسی ہملٹن کی اجازت کے بغیر فریڈرک باربروسا کی صلیبی فوجیں آرمینیا سے گزری تھیں اور تاج آرمینیا کو ذلتیں اور مصیبتیں اٹھانا پڑی تھیں جو اسے یاد ہیں اور جن کا انتقام وہ آسٹریا کی سلطنت سے لینا چاہتا ہے۔ اس بارۂ خاص میں احکامات کے لئے آئی ہوئی سفارت دارالحکومت میں داخل ہو چکی ہے اور باریابی کی خواستگار ہے۔"

سلطان نے نگاہ اٹھائی مجلسِ شوریٰ کے رنگ کا جائزہ لیا۔ دھیمی مگر مضبوط آواز میں فرمایا۔

"تمہاری فتوحات کا راز تمہاری شمشیر زنی میں نہیں تمہاری جوشِ ایمانی میں پوشیدہ ہے۔ کشور کشائی اور جہانبانی کی ہوس جوشِ ایمانی کو غارت کر دیتی ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ دین کے نام پر غلاف کی جانے والی تلوار کو دنیا کے نام پر نکالیں اور ایمان کی حرارت کو چند فتوحات کے جشن وجلوس کے ہاتھ بیچ دیں۔"

تقی الدین نے عادل کی نظروں کی شہ پا کر عرض کیا۔

"دین پناہ! اسلامیوں نے ہمیشہ اپنے وطن میں صلیبی لڑائیاں لڑی ہیں اور قہرناک جنگوں کی ناقابلِ بیان ہلاکتوں کے شکار ہوئے ہیں۔ ہماری صلح پسندی نے لوٹ مار کے عاشق سپاہیوں کو جھوٹے دین کی جھوٹی حرمت کے نام پر مہم آزمائی کا شوق دلایا۔ دین پناہ کی لشکر کشی چوتھی صلیبی لڑائی کو جو دین پناہ کے عہدِ مبارک ہی میں برپا ہو سکتی ہے، کم سے کم ایک پشت کے لئے ٹال دے گی۔ مغرب کی نفسیات بدل ڈالے گی اور جارحیت کو مدافعت میں تبدیل کر دے گی۔"



سلطان نے اس عالم دین کو آنکھ بھر کر دیکھا جس کے قلم کی دہلی سے غرناطہ تک اور سمرقند سے قاہرہ تک دھوم تھی۔

"آپ خلا میں کیا دیکھ رہے ہیں قاضی اعظم؟"

"دین پناہ...... غلام جو کچھ دیکھ رہا ہے اس کے بیان کی قوت اور جسارت اپنی زبان میں نہیں پاتا۔"

"تاہم۔"

قاضی اعظم نے سیاہ کفتان کی ڈھیلی ڈھالی زردوز آستینوں سے اپنے ہاتھ نکالے اور زانو پر رکھ لئے۔ داہنے ہاتھ کی سیدھی انگلی میں وہ مہر چمک رہی تھی جس کے خوف سے سپہ سالاروں کے خنجر اور وزرائے عظام کے قلم لرزتے تھے۔ انھوں نے گردن جھکائی تو سفید ریشمیں داڑھی کی نوک چمڑے کے کمر بند پر ٹک گئی۔ مجلسِ شوریٰ اس طرح بیٹھی تھی جیسے اس کے سر پر آبِ حیات کے لبریز پیالے رکھے ہوں جن کے چھلک جانے کے ڈر سے سانس تک نہ لے رہی ہو ــــ سلطان اعظم کی سوالیہ نگاہیں ان کے پروقار چہرے پر مرکوز تھیں۔ جب سکوت ادب کی حد سے گزرنے لگا تب وہ آواز بلند ہوئی جس نے مسجد اقصیٰ میں ایک صدی بعد پہلا خطبہ دیا تھا۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ پوری ایک صدی کے بعد اسلامیوں پر اتاری جانے والی آسمانی رحمت اٹھالی گئی۔ سلطان السلاطین اس منزل میں آسودہ ہو چکے جو بنی نوع انسان کا مقدر ہے۔ تقدیر نے وہ ذوالفقار ثانی نیام کر دی جس کی ہیبت کے سائے میں ملت بیضا حکمت کی نیند سو رہی ہے اور عظیم الشان سلطنت جس پر کسی بھی نمرود کو رشک آسکتا ہے پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ مصر، جزیرۂ کردستان، حجاز، یمن، شام، افریقہ اور آرمینیا میں الگ الگ حکومتیں قائم ہو چکیں اور کتوں کی طرح زمین کے ایک ایک ٹکڑے پر لڑ رہی ہیں اور دمشق کے اس مقدس تخت پر کوئی ناپاک سلطان بیٹھا ہے جس کے حضور میں سونے کے پیالے اور چاندی کے بدن رقص کر رہے ہیں اور اسلامیوں کے ساحلوں پر صلیبی جہاز اتر رہے ہیں۔ قلعے شکار اور شہر مسمار ہو رہے ہیں۔ مسجد اقصیٰ پر صلیب گاڑ دی گئی اور مسجد عمر میں گھوڑے باندھ دیئے گئے۔

Scanned by iqbalmt



''سلطانِ اعظم!''

''میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ اسی متبرک کوشک کے اسی مبارک تخت پر نصرانیوں کا نجس بادشاہ جلوس فرما ہے اور مجھ جیسے بدنصیب جن کے سینوں سے قرآن نوچ لئے گئے اور سروں سے دستارِ فضیلت چھین لی گئی، مویشیوں کی رسیوں میں جکڑے کھڑے ہیں اور آلِ ایوب کے دردناک انجام پر ماتم کر رہے ہیں اور اس دن کو کوس رہے ہیں جس دن ہم دوبارہ بیت المقدس میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے۔''

ان کی آواز پھٹ گئی۔ وہ ہانپنے لگے۔ آنکھوں میں بہتے ہوئے آنسو داڑھی پر لرزنے لگے۔ انھوں نے شملے کا کونا چہرے پر رکھ دیا۔

دیر تک ساری محفل پر خوفناک سکوت طاری رہا۔ سلطان کی سوچتی نیچی نظریں پا انداز کے نقش و نگار دیکھتی رہیں۔ ان کے ہاتھوں نے پہلو کے تکیے بدل لیے۔ تخلیے کا اشارہ پا کر سارا دربار کھڑا ہو گیا اور سوتی آستین سے نکلے ہوئے دراز ہاتھ کو بوسہ دے کر خلوت ''خاص'' سے باہر نکل گیا...... اب ''خلوت شاہی'' میں عود دانوں کی بل کھاتی ہوئی خوشبو اور فانوسوں کی ٹھنڈی سفید متین روشنی کے سوا کوئی اور نہ تھا، لیکن سلطان تنہا بھی نہ تھے۔ چند الفاظ یتیم بچوں کی طرح سینے پر ہاتھ باندھے بے بسی سے ان کا منہ تک رہے تھے۔

اے شجاعوں کے شجاع! ہم تجھ سے تیرا حلیف اور اپنا بیٹا مانگتے ہیں۔

سلطان جنھوں نے اپنے عہد کے ظالم ترین مجرموں پر ترس کھایا...... ان کی جانیں بخشیں اور سلطنتیں واگزار کیں...... آج اس طرح منہ پھیر کر کھڑے ہو گئے کہ انھیں اپنے آپ سے شرم آئی...... پھر نگاہ بجھتی ہوئی شمع پر پڑی۔ شمع!...... بجھتی ہوئی شمع! نئی اور نوخیز شمعوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ روشن تھی۔ اس خیال کے آتے ہی قحطان کے الفاظ کی قبا پہن کر ایلینور ان کے سامنے آ گئی۔

وہ سر سے پاؤں تک سیاہ پوش تھی۔ بر میں سیاہ زربفت کا لباس تھا۔ سر پر سیاہ سونے کا تاج تھا۔ گلے میں سیاہ ہیرے کی صلیب تھی اور آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ پاؤں کانپ رہے تھے اور ہونٹ لرز رہے تھے۔ سلطان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور ناقابلِ بیان تجمل اور تحمل کے ساتھ گھٹنوں پر گر گئی اور عبائے سلطانی کا دامن پکڑ کر درخواست کی۔



''یروشلم کے فاتح مجھے میرا بیٹا عطا ہو۔''

بادشاہوں کے بادشاہ نے آنکھیں بند کر لیں اور سامنے کے مرمریں دریچے کی یمنی دہلیز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر کھڑے ہو گئے، کھڑے رہے۔ پھر دیوار گیری پر رکھے ہوئے سنہرے پھولدان میں اترے ہوئے گلاب پر نظر پڑ گئی۔ گلاب مرجھا کر حسین اور جان لیوا ہو گیا تھا۔ انھوں نے اُسے چپکے سے اٹھا لیا۔ اس کی خشک ملائم مخملیں پتیاں ان کی ہتھیلی پر بکھر گئیں جیسے خود ایلینور کے بالوں کی خوشبو زندہ ہو گئی...... اور ان کا ہاتھ بے ساختہ تلوار کے قبضے پر چلا گیا۔ پھر تخیل کی آنکھوں نے دیکھا کہ فضا پر سرمئی دھند چھائی ہوئی ہے اور برفیلی ہواؤں کے جھکڑ نیزوں کی طرح جسم کو چھیدے ڈال رہے ہیں۔ حدِ نگاہ تک پتھریلے میدان میں کٹے ہوئے ہاتھ پیروں اور سروں کے کھلیان لگے ہیں۔ ٹوٹی ہوئی ڈانڈوں اور چیتھڑوں کی طرح اڑتے ہوئے پھریروں کے پاس چیلوں، کوؤں اور گدھوں کے جھنڈ چہروں سے آنکھیں کرکول رہے ہیں، ہاتھ پیروں سے گوشت نوچ رہے ہیں۔ بھیڑیوں اور گیدڑوں کے غول اپنے منہ میں لاشوں کے شکار دبائے دھیمی رفتار سے گھسیٹتے پھر رہے ہیں اور وہ اس بھیانک منظر کو دیکھتا ہوا اپنے جلیل الشان امیروں کے جلو میں گزر رہا ہے...... پھر تقی الدین نے اس کی رکاب کا بوسہ دیا اور ہاتھ کا اشارہ کیا۔ سامنے متحدہ یورپ کا مفتوحہ لشکر کھڑا تھا۔ پیلے لمبے چہروں، زرد چھوٹی آنکھوں، بڑھے ہوئے ناخنوں اور اجڑی ہوئی داڑھیوں پر وحشت برس رہی تھی۔ نہ کہیں جھنڈے، نہ بیرقیں، نہ صفیں نہ مورچے، لاچار اور مجبور انسانوں کا انبوہ جنگل سے لائی ہوئی سوختہ لکڑی کے کندوں کی طرح ڈھیر تھا۔ سب کی رحم مانگتی آنکھوں میں زندگی اور پیٹ کی یکساں بھوک تڑپ رہی تھی۔ وہ ان کی طرف نگاہ کئے بغیر آگے بڑھ گیا...... اب مفتوحہ شہر کی شہر پناہ پر اڑتے ہوئے ایوبی پرچم نظر آنے لگے۔ دیواروں سے لگی ہوئی منجنیقوں کی کبھی نہ ختم ہونے والی قطار کے نیچے نائب السلطنت ملک العادل اپنا فاتح لشکر لئے کھڑے ہیں جن کے دھندلائے ہوئے چہروں پر فتح کی مسرت کے نقوش کے بجائے تھکن کے آثار دور سے پڑھے جا سکتے ہیں۔ شہر کے کنکریلے راستوں کے دونوں طرف ایوبی منجنیقوں کے اگلے ہوئے پتھر ڈھیر تھے۔ نفط سے جلی ہوئی سرخ و سفید عمارتیں دھوئیں سے چتکبری ہو گئی تھیں۔ ان کے ٹوٹے ہوئے رومی دریچے مردہ دیدوں کی طرح

کھلے پڑے ہیں۔ پتھروں کی مار سے شکستہ دیواریں غنیم کی شکست خوردہ فوجوں کی طرح کھڑی تھیں۔ بازنطینی برجوں اور شہ نشینوں پر اسلامی نشان اُڑ رہے ہیں۔ اونچے اونچے سنگین دروازوں کے اجلے فرش انسانی خون سے گندے پڑے ہیں۔ جلتے ہوئے محلوں کی چھتوں پر دھواں سیاہ ماتمی جھنڈوں کے مانند لہرا رہا ہے۔ سارا شہر متعفن ہے۔ اب گوتھک طرزِ تعمیر کی وہ عظیم الشان عمارت آ گئی جو کبھی ''ہنٹیک'' کے تاجداروں کا مرکز ہوا کرتی تھی۔ گول بھاری ستونوں کے نیچے تاج الملوک اور ملک الافضل اس کے محافظ دستے کو اپنی کمان میں لئے کھڑے ہیں۔ سنگ مرمر کے زینوں پر انسانی خون کا قالین بچھا ہوا ہے اور آخری سیڑھی پر ایلینور کھڑی ہے اور خوش آمدید کہہ رہی ہے۔ اس نے اترنے کے لئے رکاب سے پاؤں نکالا کہ کسی نے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

صلاح الدین!

کیا اسی منحوس دن کے دیدار کے لئے تو نے اپنے جسم پر مقدس کفن پہنا تھا، اس پلید گھڑی کے طلوع کی خاطر بیت المقدس کے متبرک سائے میں قسم کھائی تھی۔ سفید ڈھلے گوشت اور مٹھی بھر کمزور ہڈیوں کے ڈھیر کی خاطر لاکھوں انسانوں کے بے گناہ خون کا سودا منظور کیا گیا؟ روئے زمین کی جلیل المرتبت سلطنتوں کو سولی پر چڑھا دینے کا حکم نافذ کیا گیا؟ انسانوں سے چھلکتے ہوئے ہزاروں شہروں کو خاک کا پیوند کر دیا گیا؟ ان گنت عورتوں کو بیوہ، بے حساب بچوں کو یتیم اور لاتعداد بوڑھوں کو بے آسرا کر دینا گوارا کیا گیا؟ لیکن ہم تو بیت المقدس کے......

تحفظ کے لئے آئے ہیں؟!!......خوب! تو ہمارا مشورہ ہے کہ بیت المقدس کی آئندہ حفاظت کے لئے آج کی ساری عیسائی آبادی کو تہِ تیغ کر دے۔ اس اندیشے سے خائف ہو کر کل اسلامیوں کو شکست کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔ تثلیث کا نام و نشان مٹا دے۔ بوڑھے سلطان ایلینور جیسی ہزار ہا عورتیں مصر کے وزارتِ عظمٰی کے تخت کے سامنے حاضر رہا کرتی تھیں۔ کاش تو نے اس دن اپنی ہوس پوری کر لی ہوتی تو آج دنیا تیری تلوار کے عذاب سے محفوظ رہتی۔

''رچرڈ؟''



''رچرڈ کی رہائی کے لئے تیری ایک سفارت کافی تھی جس کی روانگی پر تو نے کبھی سنجیدگی سے غور کرنا پسند نہ کیا۔

لیکن مجلسِ شوریٰ؟''

''بوڑھے اور بیمار سلطان! تو ساری دنیا کو فریب دے سکتا ہے لیکن اپنے آپ کو نہیں۔ کل موت و حیات کی کشمکش میں جس قوم نے تیرے حکم کو مشیت ایزدی کی طرح قبول کر لیا آج امن کے زمانے میں وہ سرتابی کی مجال کر سکتی ہے؟

''تو نے زندگی بھر جس رحمت و شجاعت کا اظہار کیا وہ مکر و فریب کے طلسمی لبادے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ تیری تمام سخاوتیں، عبادتیں اور ریاضتیں ایک ڈھکوسلہ تھیں جن کا بھرم آج کھل گیا۔ تیری مثال اس بیوقوف گنہگار کی سی ہے جس نے جوانی کی شیریں راتوں کی نیندیں بیچ کر پیسہ پیسہ کمایا۔ ایک ایک پیسے کو دانت سے پکڑ کر جمع کیا اور مرتے مرتے جوئے کے ایک ہی داؤں میں ہار گیا...... جا، تاریخ اپنی فہرست میں ایک اور فرعون، ایک اور فاتح ایک اور غاصب کا نام لکھ لے گی۔''

''لیکن......''

''بیت المقدس تیری تلوار کا صلہ نہیں خدا کی رحمت کا ثمر ہے۔ اس خدا کی رحمت پر بھروسہ رکھ جس نے تجھے بادشاہوں کی بادشاہی عطا کی ہے اور دشتِ امکان میں پرچھائیوں کے شکار کے لئے اپنی اور اپنے سپاہیوں کی جان ہلاکت میں نہ ڈال۔

''بیمار شہنشاہ!

''اپنی سلطنت کو...... اپنے ممالک محروسہ کو عدل سے بھر دے، راستوں کی حفاظت اور تجارت کو فروغ دے۔ نہروں کو لبریز اور کھیتوں کو شاداب کر۔ سالہا سال کی لڑائیوں سے زخمی دلوں کو طمانیت اور تسکین عطا کر۔ اب تجھے بھوک، بیماری، ظلم اور جہالت کے خلاف جہاد کرنا ہے کہ یہی جہادِ اکبر ہے۔ ملکوں کو حاصل کر لینے کا نام فتح ہے اور ملکوں کو آباد کرنا اور آبادیوں کو عدل سے بھر دینا فتح الفتوح ہے۔ یاد رکھ! قیامت کے دن تیری رعیت کا ایک حقیر چرواہا اپنی کھوئی ہوئی بکری کے لئے تیرا گریبان پکڑ لے گا اور عدل وصول کرے گا۔''

اپنے زمانے کی سب سے بڑی سلطنت کا مطلق العنان حاکم، اپنی دنیا کا سب

Scanned by iqbalmt



سے بڑا فاتح دیر تک اسی طرح ساکت و صامت کھڑا رہا۔

وہ اسلامی تاریخ کا عجیب و غریب زمانہ تھا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے مقدس سروں سے دستارِ حکومت اتر چکی تھی۔ بغداد ایک میوزیم کی طرح زندہ تھا جس کے در و دیوار بنو عباس کی عظمت رفتہ کے مرثیے پڑھ رہے تھے اور عالمِ اسلام عقیدت سے سر جھکائے سن رہا تھا۔ قاہرہ تختِ دمشق کا ایک پایہ تھا۔ غرناطہ اور قرطبہ اس تلوار کی طرح علم تھے جس کے قبضے پر جواہرات جڑے ہوں لیکن جوہر مر گئے ہوں۔ سمرقند کے بازوؤں میں وہ طاقت نہ تھی جو تاریخ عالم کا رخ موڑ دیا کرتی ہے۔ دہلی مرکز سے دور اور طوفانوں سے بے نیاز خلجیوں کے تاج کے لئے موتی فراہم کر رہا تھا اور عالم اسلام کا سب سے بڑا اور روئے زمین کا سب سے مغرور شہر دمشق...... ایوبی پرچم کی چھاؤں میں ایک فاتح کی طرح کھڑا ہوا ملت بیضا کے خزانوں کی حفاظت کر رہا تھا۔

مسلمان نانِ جویں اور بازوئے حیدر کا تعلق فراموش کر چکے تھے۔ عبدالملک اور ہارون رشید کے سنہرے دن بیت چکے تھے لیکن ایک ایک زبان کو ان کی کہانیاں یاد تھیں۔ ایک ایک آنکھ میں وہ مناظر آباد تھے جن میں دنیا کے مقہور بادشاہوں کو بیڑیاں پہنائی گئی تھیں۔ پھر مغرب کا صلیبی جو الاکھی فلسطین کی شہر پناہ سے اتر کر بلاد اسلامیہ کو خاک و خون میں نہلاتا بڑھا ہی تھا کہ صلاح الدین ایک پشتی بان کی طرح کھڑا ہو گیا اور اس کی آتش فشانی کو اپنی تلوار کے پانی سے بجھا کر ڈال دیا اور مشرق کا کھویا ہوا غرور لا کر ایک بار پھر مسلمانوں کے عماموں میں ٹانک دیا۔ اس طرح وہ عشرت گاہیں محفوظ ہو گئیں جن کو نصف صدی بعد چنگیزی طوفان کا خس و خاشاک بننا مقدر ہو چکا تھا۔

دنیا کے عیش جن درختوں میں پھلتے تھے وہ عالمِ اسلام کے چپے چپے پر سرسبز تھے۔ دمشق کی پتھریلی گلیوں میں مخملیں کاٹھیوں اور روپہلی رکابوں سے آراستہ گھوڑوں پر سوار مسلمان گزر رہے تھے۔ ان پُر اعتماد آنکھوں، روشن پیشانیوں اور شادماں چہروں پر زندگی سے آسودہ طمانیت برس رہی تھی۔ بھاری عماموں پر عقاب کے پروں اور موتیوں کی کلغیوں کی روشنی تھی۔ کفتانوں کے دامنوں، آستینوں اور شمسوں پر سونے کے تاروں کی زرکاریاں تھیں۔ نفاست سے ترشی ہوئی داڑھیاں، بے نظیر تراشوں کی قبائیں، جواہر سے



گوندھے ہوئے قبضوں کی تیغیں اور خنجر اور نیچے موج در موج رواں تھے۔ سدھے ہوئے باز، عقاب اور شکرے ان کے ہاتھوں پر زیوروں کی طرح سجے رہتے۔ شکاری چیتے اور کتے بے زبان غلاموں کی طرح ان کی سواری کے پیچھے دوڑا کرتے۔ چھتے دار بازاروں میں چین اور ہندوستان، افریقہ اور یورپ کی مصنوعات اور نوادرات بھرے رہتے۔ زہرہ و ناہید کو شرمانے والی ہر نسل اور ہر رنگ کی کنیزوں کا ہجوم کھڑا رہتا۔ محلوں کے رو کاروں اور مکانوں کی ڈیوڑھیوں پر غلاموں اور گھوڑوں کے گلّے چیختے اور ہنہناتے ہوتے۔ دروازوں پر ملک ملک کی صنعت کے نمائندہ پردے بڑی تمکنت کے ساتھ کھڑے رہتے۔ بیش قیمت قالین اپنے آقاؤں کے مبارک قدموں کے لمس کی دعا مانگا کرتے۔ روپہلے حاشیوں اور سنہرے فانوسوں کے زیور پہنے لمبی چوڑی چھتیں اپنا سرد گرم سایہ لئے ان تجاہل پیشہ مکینوں کی راہ تکا کرتیں جو گھوڑوں کو رانوں میں دبائے، کھنچی ہوئی کمانوں میں تیر جوڑے گھنے کالے جنگلوں میں گورخر کی جستجو کیا کرتے۔ بیش بہا ہتھیاروں اور بیش قیمت نعمتوں سے بھرے ہوئے طاقتوں سے لدی پھندی دیواریں ان کے انتظار میں کھڑی سوکھا کرتیں جو پائیں باغ کی دبلی پتلی نہروں اور موٹے تازے حوضوں کے کنارے سُرخ گلاب کے کنجوں کے آس پاس چاند سورج جیسی عورتوں کو پہلو میں لئے ٹہلا کرتے۔

لہلہاتی گھاٹیوں میں شاداب قصبے تھے جن کے سامنے کھجوروں، سیبوں، انگوروں، خوبانیوں، شہتوتوں اور ناشپاتیوں کا دسترخوان بچھا رہتا۔ چمکیلے ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشموں کے کٹورے رکھے رہتے۔ مکانوں کی پگڑیوں پر باورچی خانے کے دھوئیں کے سرمئی طرّے لرزا کرتے۔ کچے پکے مکانوں کی سنگین چوبیں اور کھجور کی چھال کی چھتوں کے نیچے لانبے چوڑے دالانوں میں سوت کاتتی، قالین بنتی، چمڑا رنگتی اور مٹی کے برتن بناتی کسان بوڑھیاں کھانستی رہتیں، کھنکارتی رہتیں، شریر پوتوں، نواسوں کو چمکارتی پھسلاتی رہتیں۔ بوڑھے لوٹی ہوئی مغربی قبائیں پہنے باغوں اور کھیتوں کی فصلوں کو آنکتے رہتے۔ درد بھرے جوڑوں اور تمغوں کی طرح لگے ہوئے زخموں اور داغوں کو سہلاتے رہتے اور ذہن میں کلبلاتے ہوئے گناہوں کو جہاد کی یلغاروں کا نشہ پلا کر تھپکیاں دیتے رہتے اور موجودہ جنت کی حوروں سے اٹکھیلیوں کے خواب دیکھا کرتے۔ عورتیں خیالی آنکھوں سے دمشق کے بازاروں میں

Scanned by iqbalmt



کوڑیوں کے مول بکتی ہوئی مصنوعات اور زیورات کو پسند کیا کرتیں۔ مٹی کے بیضاوی گھڑوں میں چشموں کا پانی بھرا کرتیں اور خوشبودار راستوں پر چلتی ہوئی ان دنوں کو یاد کیا کرتیں جب ان کے شوہران کو گھورنے کے لئے ان جھاڑیوں میں منڈلایا کرتے تھے جو آج مالِ غنیمت میں آئی ہوئی مغربی کنیزوں کی لذّت میں کھوئے رہتے ہیں اور مرد ڈھیلے ڈھالے کفتان پہنے، آبدار ہتھیار باندھے، طرحدار گھوڑوں پر سوار ان عورتوں کی تیز خوشبو یاد کیا کرتے جو انھیں لوٹ میں ملی تھیں اور جنھیں بیچ کر انھوں نے گھوڑیاں خریدی تھیں اور کھیت بوئے تھے۔



غروب ہوتی ہوئی سردیوں کا شاہی آفتاب جب ایک نیزہ بلند ہولیا تب قبہ شاہی کی نچلی منزل کی درمیانی محراب کے ہشت پہل زرکار ستون سے لگے کھڑے ہوئے وزیر ابوبکر کے پاس امیر سامان پہنچا اور جلوس کے تیار ہونے کی خبر دی۔ وزیر نے مرصّع کمر بند کو کس لیا۔ دونوں ہاتھوں سے عمامے کا زاویہ درست کیا۔ زینے پر کھڑے ہوئے قراقوش کے محافظ دستے نے اپنے جگمگاتے ہتھیاروں کو سمیٹ کر وزیر کے لئے راستہ بنادیا اور وہ سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ ترکمان سردار نے بھاری پردہ ہٹادیا۔ سلطانِ اعظم تخت کے تکیے سے پشت لگائے دونوں ہاتھوں سے سر دبائے نیم دراز تھے۔ وزیر نے پائنتی کھڑے ہوکر سینے پر ہاتھ باندھ لئے۔ سلطان نے ابرو پیشانی پر چڑھالئے اور سوچتی نگاہ سے سوال کیا۔ وزیر نے سر جھکالیا پھر تن کر کھڑے ہوکر گوش گزار کیا۔

”حکم تھا کہ حاجیوں کے قافلے کی پیشوائی سلطان السلاطین بنفسِ نفیس فرمائیں گے اس لئے قافلے کو ”باب الشرق“ پر روک دیا گیا ہے اور فرمانِ ثانی کا انتظار ہے۔“

سلطان کے اٹھتے ہی وزیر الٹے قدموں واپس چلا گیا۔ امیر بیوتات نے خلوت شاہی کے مغربی دروازے کا پردہ ہٹادیا۔ سلطان تخت کے پاس ہی کھڑے رہے پھر خود کلامی کے سے انداز میں گویا ہوئے۔

”بوڑھے اور بیمار جسم کو بادشاہی تکلفات زیب نہیں دیتے۔ لاؤ جبہ پہنادو۔“

امیر نے زرد ریشم کا جبہ پہنادیا۔ ایک غلام نے مرصّع دستانے پیش کئے جو نامقبول ہوئے۔ کمر میں امیر نے وہ کمر بند باندھ دیا جو پکھراج کے کام سے زرد تھا۔ پورے احترام



کے ساتھ وہ تلوار کمر میں لگادی جسے ذوالفقار ثانی کا جائز خطاب دیا گیا تھا۔ ابھی غلاموں کی انگلیاں پیراہن پر لرز رہی تھیں کہ ان کے قدم دروازے کی طرف اٹھ گئے۔ زینے پر کھڑے ہوئے چاؤش نے امراء کو اطلاع دی۔

اندرونی عمارت سے چبوترے کی سیڑھیوں تک شہزادوں، وزیروں اور سرداروں کا مودب ہجوم کھڑا تھا۔ سلطان آداب شاہی کی بجا آوری سے بے نیاز چبوترے کی آخری سیڑھی تک پہنچ گئے۔ سامنے ”طاؤس زرّیں“ نام کا زرد خالص عربی گھوڑا کرد خاص برداروں اور ترکمان تبرداروں کے حلقے میں کھڑا تھا۔ رکاب میں پائے مبارک رکھتے ہی دور باب الداخلہ سے طبل بجنے کی آواز آنے لگی۔ مرکب شاہی کے آگے کھڑے ہوئے چار حسین، تندرست اور نوخیز غلام پرندوں کی طرح اڑ کر اپنے سفید گھوڑوں پر سوار ہوگئے۔ ان کی آستینیں دامن اور شمسے زرکار تھے۔ پگڑیاں زرد اطلس کی تھیں، ہتھیار اور گھوڑوں کے ساز مرصّع تھے۔ ان کے داہنے ہاتھ میں ”کفیہ“ (رومال) تھے۔ ان کے سوار ہوتے ہی شاہزادہ طغرل نے سلطان پر چھتر شاہی کا سایہ کردیا۔ طاؤس زرّیں جواہر نگار چار جامہ پہنے، آبدار موتیوں کی کلغی لگائے غرور سے پاؤں پٹک رہا تھا اور سلطان آنکھوں کے گوشوں سے اراکین سلطنت اور امراء دولت کو ملاحظہ فرمارہے تھے۔ ممالک افریقہ کا نوجوان امیر غضنفر جس نے جہاد میں بڑے بڑے معرکے انجام دیے تھے اس خدمت خاص پر متعین تھا کہ مرکب شہنشاہی کا چار جامہ پکڑ کر چلے۔ وہ سنگ سیاہ کے دیو کی طرح طاؤس زرّیں کے ساتھ ساتھ گھوم رہا تھا۔ مزاج داں امیر نے نگاہِ سلطانی پڑھ لی اور گزارش کی۔

”مصر اور کردستان سے آئے ہوئے لشکر مضافات میں مقیم ہیں۔ نائب السلطنت اور سپہ سالار دولت ملاحظے کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔“

اس پہاڑ کی طرح بھاری بھرکم امیر کی الغوزے کی سی نسائی شیریں آواز نے سلطان کو ہمیشہ محظوظ کیا تھا۔ اس وقت بھی ان کے سنجیدہ لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور انھوں نے آستین سے رومال کھینچ لیا۔ یہ اشارہ تھا جلوس کی روانگی کا، چشم زدن میں راکب و مرکب ایک ہوگئے۔ امیر جلوس وزیر ابوبکر نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ باب الداخلہ پر کھڑی ہوئی اونٹوں کی قطار طبل بجاتی ہوئی چلی اور حجاز و مصر کے امراء اپنے اپنے نشان

Scanned by iqbalmt



اڑاتے شہزادوں کو رکاب میں لئے چل رہے تھے۔ ان کے بعد ایک شخص نفیری بجاتا ہوا بڑھ رہا تھا۔ سفید گھوڑوں پر سوار چار غلام قدم سے قدم ملائے آگے بڑھ رہے تھے۔ مرکب شاہی کے پیچھے طغرل کے آہنی ہاتھ میں وہ بھاری چھتر تھا جس پر بیٹھا ہوا سونے کا عقاب اڑنے کے لئے پرتول رہا تھا۔ جب سواری باب الداخلہ سے گزر گئی تب صحن میں بکھرے ہوئے سوار شہزادوں، امیروں اور وزیروں کے ساتھ جلوس کے پیچھے ہوئے۔

اب دمشق کے قدیم محلات کے نکیلے میناروں کی چھتریاں اور مخروطی گنبدوں کے کلس نظر آنے لگے تھے۔ معلوم ہوتا تھا جیسے یہ شاہانہ عمارتیں پورے تحمل کے ساتھ پیشوائی کے لئے آگے بڑھ رہی ہوں۔ قصرِ سلطانی کے میدانوں اور باغات کے حدود ختم ہوتے ہی جلوس انسانوں کے لہریں لیتے ہوئے دریا میں داخل ہو گیا۔ مغرور اور دولت مند دمشق کی خوش حال آبادی محافظِ اسلام کے ایک مقدس دیدار کے لئے صبح سے شاہراہِ عام کے دونوں طرف ابل پڑی تھی۔ سرخ پتھر کی مسطح سڑک کے دونوں طرف زمین کا ایک ایک چپہ انسانوں سے پٹا پڑا تھا۔ دکانوں کے سنگین دالان، چوبیں اور چرمیں سائبان، فلک بوس ڈیوڑھیوں کے تاریک حجرے، نیم تاریک محرابیں اور محلوں و مسجدوں کی سیڑھیاں بوڑھیوں، جوانوں اور بچوں سے چھلک رہی تھیں۔ بوڑھے غازی اور جوان شاعر و موسیقار اپنے اپنے مداحوں کی ٹولیوں میں کھڑے پرسوز آواز اور پر جوش الفاظ میں حطین اور فلسطین کی لڑائیوں کے قصیدے سنا رہے تھے اور گا رہے تھے۔ جب مرکب شاہی ان کے قریب سے گزرتا تو وہ خود فراموش آواز میں سلطان کی عمر و اقبال کو دعائیں دیتے، نعرے لگاتے اور رکاب بوسی کا شرف پانے کے لئے یلغار کر دیتے اور مستعد سوار اپنے گھوڑے بیچ میں ڈال کر انھیں دور رکھنے کی کوشش کرتے اور یہ بھی ہوتا کہ کوئی بوڑھا مجاہد یا نوعمر لڑکا اپنی عمر کا فائدہ اٹھا کر محافظ دستے کے حلقے کو توڑ کر گھس آتا اور امیر افریقہ، غضنفر کی سرخ ہوشیار مودب آنکھوں کے سامنے طاؤس زریں کی رکاب پر سر رکھ دیتا اور پاپوش سلطانی کو اپنے آنسوؤں سے بھگو دیتا اور جب غلام چاہتے کہ ان کی کمر میں کوڑا ڈال کر اٹھا لیں تو ایک چین جبیں انھیں اس حرکت ناشائستہ سے منع کر دیتی اور جب جلوس گزر جاتا تو پتہ چلتا کہ کتنے ہی آدمی دم گھٹنے سے بیہوش ہو گئے اور کتنے ہی گھوڑوں سے کچلے گئے۔ ان پر گلاب چھڑکا جاتا، لخلخہ سنگھایا جاتا اور دمشق کے کئی



درجن شفاخانوں کے سینکڑوں طبیب ان کے علاج کے لئے دوڑ پڑتے۔ بازار زردوزی کے چھتے سے نکلتے ہی بوندیں پڑنے لگیں۔ وہ بارش ہونے لگی جو فصلوں کی بالیوں کو مضبوط کرتی ہے اور دانے کو دونا کرتی ہے۔ آبادی اس بارشِ رحمت کو دیدار شاہی کا فضل سمجھ کر دعائیں دینے لگی۔ تلواروں اور تیروں کی یورش میں ثابت قدم رہنے والی زندہ قوم اسی طرح کھڑی رہی۔ سفید، سرخ اور زرد پتھر کی عمارتوں کے سنگین چھجوں اور کامدار و جالی دار شہ نشینوں کی چلمنوں کے پیچھے کھڑی ہوئی شعلہ بدن عورتوں اور گل پیرہن بچوں کے ہاتھوں سے پھول برستے رہے۔ طغرل نے چھتر شاہی کو نیچے کر کے جسم سلطانی کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔ امیر جلوس وزیر ابو بکر نے گھوڑے بڑھانے کی اجازت مانگی جو نصیب نہ ہو سکی۔ حاجیوں کے قافلے تک پہنچتے پہنچتے سلطانی کفتان کے دامنوں سے بوندیں ٹپکنے لگیں۔ بھیگے ہوئے لباس پر طوفانی ہواؤں کے جھکڑ اور تکلیف دہ ہو گئے۔ جب ایک حاجی کو مصافحہ کی سعادت بخش چکے اور سارے جسم میں تھرتھری رینگ گئی تو اپنے آپ پر قابو فرمایا اور داہنی رکاب کے پاس کھڑے ہوئے وزیر کی طرف خفیف سا جھک گئے۔ وزیر نے اپنا کان پیش کر دیا۔

”مقررہ راستے کو نظر انداز کر کے جلد از جلد قصر پہنچنے کی کوشش کرو۔“

وزیر نے پشت پر کھڑے ہوئے غلاموں کے کان میں کچھ کہا اور طبل کو بجوا دیا۔ شاہراہوں پر کھڑی ہوئی آبادی جلوس کا انتظار کرتی رہی اور جلوس شہر پناہ کے نیچے اڑتا ہوا قصر کے ”باب الداخلہ“ میں داخل ہو گیا۔

خلوت شاہی کے دروازوں اور دریچوں پر پردے ڈال دیئے گئے۔ دہکتے ہوئے کوئلوں کی سیمیں انگیٹھیاں لگا دی گئیں اور سلطان نے سمور کے کفتان پر بخارا کے پشمینے کی چادر اوڑھ لی۔ ملک الاطباء حاضر ہوئے۔ نبض چھوئی، انگلیاں جل گئیں مگر اپنے جذبات پر قابو اور چہرے پر طمانیت کی صیقل کے نبض دیکھتے رہے۔ غلاموں کے ہاتھوں پر رکھی ہوئی دواؤں کی کشتیوں سے ایک خوراک بنائی اور اپنے ہاتھ سے شیشہ پیش کیا۔ سلطان دوا پیتے رہے اور وہ خدائے بزرگ و برتر سے صحت کی دعا مانگتے رہے۔



تیمم کیا، مغرب کی نماز بیٹھے بیٹھے ادا کی لیکن چہرے سے کسی تشویش یا نقاہت کا

Scanned by iqbalmt



اظہار نہ ہونے دیا۔ اہلکاری جن کے ہاتھ میں قلمدان جہاد رہتا تھا حسبِ معمول پیش کے لئے حاضر ہوئے۔ طبیب شاہی نے چاہا کہ ان کو اشارے کنارے سے حالتِ سلطانی کا علم کرادیا جائے لیکن رازداری کے خوف سے خاموش رہے۔ نگاہ ملتے ہی وزیر نے استدعا کی۔

''والیانِ حکومت کے نام جاری کئے گئے فرامین مہر شاہی کے ثبت ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔''

سلطانِ اعظم کے ارشادِ عالی سے قبل ہی طبیب خاص نے دھیمی آواز اور مضبوط لہجے میں کہا۔

''طبیب کی حیثیت سے میری وزیر جہاد سے گزارش ہے کہ اس وقت سلطان المسلمین کو آرام کی شدید ضرورت ہے۔''

اہلکاری کے ابرو پیشانی پر چلے گئے اور آنکھیں پھیل گئیں۔



صلیبیوں سے جہاد کے منصوبے میں بیت المقدس کے سامنے فیصلہ کن لڑائی شامل تھی جسے صلیبیوں کی قبل از وقت اور نامراد واپسی نے انجام پذیر نہ ہونے دیا۔ یوں تو منصوبے کی ایک ایک شق کا سلطان بنفس نفیس علم رکھتے تھے لیکن جو عظیم الشان کام درپیش تھا اس کی کامیاب بجا آوری کے لئے مختلف مہمات مختلف ہاتھوں میں سونپ دی گئی تھیں۔ نائب السلطنت ملک العادل سامانِ جنگ کے شعبے میں مہتمم اعلیٰ تھے اور وزیر ابوبکر رسد کے ذمہ دار۔

صقلیہ میں متعین اسلامی جاسوسوں کی خبریں وصول کرتے ہی عادل نے اپنے قیام کو طول دے کر سوچنا شروع کر دیا تھا۔ اسلامی سپاہ کی نفسیات کے نباض جنرل نے اپنی آنکھوں سے صلیبیوں کی بدحواس پسپائی دیکھی تھی......سلطان السلاطین کے بھائی دست راست اور اپنے عہد کے سب سے بڑے مدبر کو ''محافظِ اسلام'' کا جو اعتبار حاصل تھا اس کی یاد سے حافظہ لبریز تھا۔ انھوں نے نائب السلطنت کی حیثیت سے سپہ سالار تقی الدین اور وزیر جہاد ابوبکر کا اعتماد حاصل کیا اور اپنا خفیہ منصوبہ کھول کر رکھ دیا۔ جب گرمجوشی کے ساتھ طاقت حاصل کر لی تب خشکی کے راستے سے آئے ہوئے جرمن صلیبیوں کے آسان راستے



کا انتخاب کیا۔ بیت المقدس سے دمشق اور قاہرہ تک پھیلے ہوئے تمام قلعوں، مورچوں، شہروں اور بستیوں میں بے حساب آلاتِ حرب اور سامانِ رسد بھرا پڑا تھا۔ ایک لاکھ جنگی گھوڑا اور پچاس ہزار خچر تیار کھڑا تھا۔ قاصدوں کے ذریعہ قلعہ داروں، والیوں اور عاملوں کو احکام بھیجے گئے کہ وہ دن میں قیام کرتے اور رات میں طوفانی رفتار سے سفر کرتے ہوئے چلیں اور ایک ایک کمان، ایک ایک تیر اور ایک ایک منجنیق کو ''رکاب'' سے اٹھا کیے تک انتظار کرتے ہوئے قلعوں میں پہنچادیں۔ پورا رسدخانہ اور توشہ خانہ جنگی گھوڑوں، خچروں اور اونٹوں پر لاد کر روانہ کردیں۔ ابھی ان احکامات کی تعمیل ہو رہی تھی کہ قحطان نے پروانۂ راہداری حاصل کرنے کے لئے ملاقات کی اور سفارت کا راز ان کے کان میں ڈال دیا۔ قحطان کی روانگی کے ساتھ ہی انتظامات کی رفتار اور تیز کر دی گئی۔ پھر سوڈان، مصر، حجاز، یمن اور کردستان کی مستقل تنخواہ دار فوجوں کے بڑے حصے کو دارالسلطنت میں حاضر ہونے کا فرمان لکھا اور خود دمشق کے لئے سوار ہو گئے۔ تقی الدین پہلے ہی اپنے خاص رسالوں کے ساتھ جنبش کر چکا تھا اور راستے کے قلعوں میں بیکار پڑی ہوئی سپاہ کو سمیٹتا ہوا بابِ حکومت کی طرف باگیں اٹھا چکا تھا۔

خلوتِ شاہی میں قاضی القضاۃ کی دردناک تقریر پر سلطان المسلمین کی خاموشی نے عادل کو مغربی یلغار پر شاہی رضامندی کا یقین دلا دیا تھا۔ دربارِ خاص سے نکلتے ہی نائب السلطنت نے سنگین خفیہ احکامات جاری کر دیئے۔ ایک عظیم الشان سلطنت کی مضبوط ترین حکومت کے بے پناہ وسائل حرکت میں آ گئے۔ محکمہ ڈاک کے سر گھوڑوں اور نیلے کبوتروں سے زمین و آسمان بھر گئے۔

دیکھتے ہی دیکھتے دریائے زرفشاں (رود بردہ) کے دونوں کناروں پر اونٹوں اور بھیڑوں کے بالوں کے خیمے، قلمکار نمدے کی بارگاہیں، حریر و مخمل کے سراپردے، اونی اور ریشمیں قناتیں اور چمڑے کی چھولداریاں کھڑی ہو گئیں۔ مدوّر، مکعب اور مستطیل بارگاہوں پر مصری، سوڈانی، حجازی، یمنی اور کردستانی امیروں کے زرد، سرخ، سبز نیلے اور سیاہ پھریروں پر زردوزی ذاتی نشان لہرانے لگے۔ سپاہیوں کے ساتھ آئے ہوئے کوتل گھوڑوں، سامان کے خچروں اور اونٹوں سے سرمئی جنگلوں کے درمیان بچھے ہوئے سبز پوش قطعے طویلے بن

Scanned by iqbalmt



گئے۔ دست کاروں، کاریگروں اور مزدوروں کی
بستیاں آباد ہوگئیں۔ توڑ کر بار کر لینے والے چھوٹے چھوٹے جنگی جہازوں، منجنیقوں
اور دبابوں کی مصری کاریگروں نے مرمت اور تخلیق شروع کر دی۔ نفط اور آتش گیر مادّے
کے ذخیرے جمع ہونے لگے۔ لوٹ میں آئے ہوئے جنگی سامان کا بازار لگ گیا اور حکومت
کے گماشتے منہ مانگی قیمت پر خریدنے لگے۔ آرمینیائے خُرد میں مامور ایوبی امراء راستوں کی
ہمواری اور حفاظت اور رسد کی فراہمی میں مصروف ہوگئے۔

زرفشاں کے کنارے اونچے مسطح میدان پر مدوّر بلند سبز بارگاہ نصب تھی۔
سراپردۂ خاص پر چاندی کی ڈانڈ میں آسمان سے باتیں کرتا ہوا وہ جھنڈا لہرا رہا تھا جس کے
پھریرے پر اڑتا ہوا شیر اسد الدین شیر کوہ کے کارناموں کی یاد دلا رہا تھا۔ داخلے پر چاندی
کے قدِ آدم شمع دانوں میں رات کی ادھ جلی شمعیں اور بجھی ہوئی مشعلیں کھڑی تھیں۔ سامنے
کرد پیدلوں کا دستہ زرکار لباس پہنے، مرصّع قبضوں کی دمشقی تلوار لگائے، داہنے ہاتھوں میں
ٹھوس چاندی کے عصا لئے پاسبانی کر رہا تھا۔ ان کے قریب ہی کسے ہوئے عربی گھوڑوں کی
قطاریں صبح کی خوشگوار دھوپ میں جگمگا رہی تھیں۔ اندر کھجور کی چھال سے بھرے ہوئے چرمی
گدوں پر ریشمیں قالینوں کا فرش تھا۔ قلمکار مخملیں دیواروں پر جگہ جگہ چھوٹے بڑے نقشے
لٹک رہے تھے۔ وسط کی مسند پر ملک العادل وزیروں اور امیروں کے حلقے میں گھرے بیٹھے
تھے۔ ان کی پشت کی دیوار پر جہازی نقشے میں آسٹریا کے صلیبیوں کا راستہ سُرخ روشنائی
سے رنگا ہوا دور سے نظر آ رہا تھا۔ سامنے افسر الشرطہ اور افسر البرید کے کاغذات ڈھیر تھے۔
ایک ایک لفظ پڑھ کر وہ احکام بول رہے تھے اور یک زانو پر بیٹھا ہوا کاتب لکھ رہا تھا۔
کاتب کے پہلو میں وزارتِ جہاد کا معتمد صالح دوزانو بیٹھا تھا۔ ملک العادل نے اس کی
طرف دیکھ کر حکم دیا۔

والیوں اور ممالک محروسہ کے امیروں کے نام جو فرامین مہر شاہی کے لئے
دارالحکومت بھیجے گئے تھے وہ پیش کرو۔"

"وہ ابھی تک وزیر جہاد نے واپس نہیں بھیجے۔"

"کیا!"



انھوں نے ہاتھ سے وہ قلم رکھ دیا جس پر سفید عقاب کا پر لگا تھا اور چہرے پر فکر کا
سایہ کانپنے لگا۔

پھر سراپردۂ خاص کا طلسمیں پردہ ہلا اور قصر سلطانی کا مہتمم اعلیٰ سفاح سلام کر کے
مؤدب کھڑا ہوگیا۔

"بیٹھ جاؤ۔"

نائب السلطنت نے یہ حکم دیا اور بیمار خیالوں کی دنیا سے نکل آئے۔

"میں تخلیے میں حضورِ عالی سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

جب بارگاہ خالی ہوگئی تب سفاح نے زبان کھولی۔

"کل صبح حاجیوں کے استقبال کے لئے سلطان السلاطین سوار ہوئے۔ بازار
زردوزی سے نکلتے ہی بارش ہونے لگی۔ امیر جلوس نے چاہا کہ مدرسۂ ایوبی کے سامنے
سواری روک لے لیکن حکم نہیں ملا۔ سارا جسم شرابور ہوگیا۔ واپسی پر تیز بخار تھا۔ تہجد کے
وقت سے غافل ہیں۔ فجر کی نماز قضا ہوگئی۔ فی الحال یہ راز چند قدیم نمک خواروں تک
محدود ہے لیکن......"

اس سے زیادہ سننے کی تاب نہ تھی۔ کھڑے ہوگئے۔ تالی بجائی۔ حاضر ہونے
والے غلام کو حکم دیا۔

"سپہ سالار کو طلب کرو اور گھوڑے لگاؤ۔"

جتنی دیر تک وہ تقی الدین سے سرگوشیاں کرتے رہے اتنے وقفے میں ذاتی
رسالے کے سوار اور گھوڑے تیار ہوگئے۔ سوار ہوتے وقت جاں نثاروں نے ایک زبان
ہوکر سب پوچھا۔ پوری طمانیت اور بشاشت کے ساتھ جواب دیا۔

"حکم سلطانی۔"

ذہن راستہ بھر اڑتے ہوئے گھوڑوں کی رفتار سے تیز کام کرتا رہا۔ انھوں نے
ٹھنڈے منجھے ہوئے کار آزمودہ مدبّر کی ذہین آنکھوں سے وہ سب کچھ دیکھ لیا جو پیش آ سکتا
تھا اور اس کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیا۔ ہمیشہ کی طرح باب الداخلہ پر گھوڑے سے اتر
پڑے۔ دستور کے مطابق سلطان السلاطین کے ذاتی علم کو تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر تعظیم دی۔

Scanned by iqbalmt



درختوں، پھولوں اور جانوروں کے پاس سے ٹہلتے ہوئے گزرے۔ خدمت گزاروں اور غلاموں سے چھوٹے موٹے سوال کئے، معمولی معمولی باتوں پر حکم احکام دیئے اور قبہ سلطانی کی سیڑھیوں تک آ گئے۔ نورالدین صاحب کیفا اور عمادالدین امیر ماردین وغیرہ کے سلام لئے، چہرے پڑھے اور سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ ایک منحوس اور سیہ پوش خاموشی طاری تھی۔ سارا قبۂ شاہی شہزادوں، وزیروں، طبیبوں اور عالموں سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن پیشانیوں کی شکنوں، ابروؤں اور آنکھوں کی جنبشوں کے سوا زندگی کے کوئی آثار نہ تھے۔ سلطان ایوان میں لپٹے تخت پر لیٹے تھے۔ ملک الاطباء ان کی بلند پیشانی پر دواؤں کا لیپ کر رہے تھے۔ انھوں نے شہزادہ افضل اور شہزادہ ظاہر کے سروں پر ہاتھ پھیرا اور گھٹنوں پر گر کر دستِ مبارک کو تھام لیا۔ طبیبِ خاص نے اشاروں ہی اشاروں میں پوری کیفیت بیان کر دی۔ پھر نائب السلطنت کے حکم سے باب الداخلہ کا پہرہ سخت کر دیا گیا۔ نہ کوئی اندر آ سکتا تھا اور نہ باہر جا سکتا تھا۔

اچھی خبروں کے اشتہارات دیئے جاتے ہیں، طبل بجائے جاتے ہیں اور اعلان کئے جاتے ہیں لیکن وہ اڑیل ٹٹوؤں کی طرح قدم قدم پر دھرنا دے کر بیٹھ جاتی ہیں اور ہلائے نہیں ہلتی مگر بری خبریں اپنے خداداد پروں سے اُڑتی ہیں اور ایک خدائی کے بچھائے ہوئے جال سے صاف نکل جاتی ہیں۔ تین دن گزر چکے تھے، سلطان غافل تھے اور دمشق کو معلوم تھا۔ بازاروں، ڈیوڑھیوں، حماموں اور دیوان خانوں میں متفکر آوازیں صرف ایک ذکر کر رہی تھیں اور وہ سلطان کی بیماری کا ذکر تھا۔ اس دن جمعہ تھا اور ارباب سیاست کے لئے امتحان۔ سلطان المسلمین جامعہ دمشق میں نماز جمعہ ادا کرتے تھے۔ حسبِ معمول قبہ شاہی کی سیڑھیوں کے نیچے "طاؤس زریں" لگا دیا گیا تھا۔ حسبِ معمول نچلی منزل میں ارکین سلطنت اور امرائے دولت مرصع پرچھائیوں کی طرح خاموش کھڑے تھے۔ اذان ہوتے ہی زینے کے کیمیں دروازے سے ملک العادل اور ان کے پیچھے شہزادہ عزیز نمودار ہوئے۔ امیروں کے وسط میں کھڑے ہو کر عادل نے عزیز کو اپنے پاس بلایا۔ نکلتے قد، چھریرے جسم اور کھلتی رنگت کا سوگوار شہزادہ سامنے کھڑا تھا۔ متورّم پپوٹوں کے نیچے سُرخ آنکھیں غم سے گیلی تھیں۔ ناک کی پھننگی سُرخ تھی۔ کئی دن کی ترشی ہوئی سیاہ نکیلی اور ہلکی



داڑھی کے بال اِدھر اُدھر نکلے ہوئے تھے۔ عادل نے عزیز کے شانوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے اور دلگیر مگر فیصلہ کن آواز میں بولے۔

"خدا ہمارے سروں پر ابدالآباد تک سلطان المسلمین کا سایہ قائم رکھے لیکن اگر قیامت صغریٰ کا ہمارے سروں پر ٹوٹ پڑنا مقدر ہو چکا ہے تو تمہارے سامنے خم ہونے والا پہلا سر ملک العادل کا ہوگا۔ تمہارے حقوق کی حفاظت کے لئے علم ہونے والی پہلی تلوار ملک العادل کے نیام سے نکلے گی۔"

"لیکن۔"

"میں نائب السلطنت ہوں شہزادۂ بزرگ۔ ایوبیوں کی عظیم الشان سلطنت کے مستقبل کا فیصلہ عورتوں کی رقیق القلب جذباتیت کے ہاتھوں میں نہیں دیا جا سکتا۔ سلطان نہ کسی کا چچا ہوتا ہے نہ بھتیجہ۔ سلطان صرف سلطان ہوتا ہے۔ جاؤ پراگندہ دل اسلامیوں کی امامت کرو اور سلطانِ معظم کی صحت کی دعا مانگو۔"

ان کی آواز سے آنسو ٹپکنے لگے۔ اپنے عمامے کے شملے سے آنکھیں پونچھیں پھر اپنے ہاتھوں سے شہزادے کا طربوش اتار لیا اور غلام کے ہاتھوں سے زرد عمامہ لے کر باندھ دیا۔ "طاؤس زریں" کی رکاب میں پاؤں رکھتے وقت شہزادہ کانپ اٹھا۔

قصرِ شاہی کے باغوں اور میدانوں سے نکلتے ہی شامیوں کے غول نظر آنے لگے تھے جو ویران آنکھوں سے "طاؤس زریں" پر سوار عزیز کو دیکھ رہے تھے اور سرگوشیاں کر رہے تھے اور آسمان کی طرح ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگ رہے تھے۔ مدرسہ ایوبی کے سامنے زبردست ہجوم تھا۔ یہ مدرسہ سلطان کی دینی خدمات کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ یہاں دنیائے اسلام کے جید عالم اور بے بدل فاضل درس دیتے تھے اور کونے کونے سے کھنچ کر آئے ہوئے طالب علم شاہی خرچ پر علم حاصل کرتے تھے۔ سلطان کا دستور تھا کہ وہ ہمیشہ اس مدرسے کے دروازے پر اترتے تھے۔ عالموں اور طالب علموں سے مصافحہ کرتے، ان کی ضرورتیں سنتے اور رفع کرتے۔ آج سلطان کے گھوڑے پر سلطان کے بیٹے کو دیکھ کر ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

اب جامعہ دمشق ان کے سامنے تھا۔ جامعہ دمشق جس کی تعمیر کے مصارف میں ملک شام کے سات برس کے خراج کے علاوہ جزیرۂ قبرص سے لائے ہوئے سونے چاندی

Scanned by iqbalmt



کے اٹھارہ جہاز بھی شامل تھے۔اس کے فرش کا کاشانی کام ایران وہندوستان اور بیزنطینہ کے کاریگروں کے کام کا اعلیٰ ترین نمونہ خیال کیا جاتا تھا۔شہزادہ وسطی محراب سے گزر کر اس حجرے کے سامنے آ گیا جس کے اندر وہ گھڑی تھی اور جہاں سلطان المسلمین وضو کیا کرتے تھے۔شہزادے نے وہیں بیٹھ کر وضو کیا اور اس جگہ کھڑا ہو گیا جہاں کھڑے ہو کر سلطان نماز پڑھا کرتے تھے۔اس کے نیت باندھتے ہی ساری مسجد میں ہولناک سناٹا چھا گیا۔دور اندیش لوگوں کی دور بیں آنکھوں نے مصیبت کے اٹھتے ہوئے سیلاب کو دیکھ لیا اور رو دیئے اور قاضی القضاۃ نے جب خطبے میں صلاح الدین کا نام لیا تو ہزاروں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھ گئے۔ہزاروں زبانوں نے صحت کی دعا مانگی۔نماز کے بعد ممبر پر کھڑے ہوئے امام نے طیلسانِ قضا کے دامن پھیلا کر دعا مانگی۔

''پروردگار! اس امت کے نیکوں کی نیکیوں کے صدقے میں سلطان المسلمین کو صحت دے۔بارالٰہ! بیت المقدس کی بازیابی کے تصدق میں سلطانِ معظم کی عمر مبارک میں برکت دے۔'' رب العالمین! یہ شوکت وصولت جو تو نے اپنی امت کو سلطان اعظم کی تلوار کے واسطے سے عطا کی ہے اس کے طفیل میں سلطانِ اعظم پر رحم کر۔'' اے گناہوں کے بخشنے والے! ہمارے جوان بیٹوں کی عمریں کاٹ لے اور محافظ اسلام کی زندگی میں پیوند لگا دے۔''

ان کی آواز رُندھ گئی۔وہ ممبر پر کھڑے کانپتے رہے اور روتے رہے۔آمین کے نعرے لگاتا ہوا ایک لاکھ نمازی فریادیں کرنے لگے اور آہ و بکا کے شور سے عبدالملک کی تاریخی مسجد کے در و دیوار لرزنے لگے۔

دوسرے دن شام ہوتے ہوتے سلطان نے آنکھیں کھولیں۔تبسم فرمایا۔اٹھنے کی کوشش کی۔غلاموں نے پشت سے تکیے لگا دیئے۔نماز کا وقت پوچھا۔تیمم کرائے جانے کا حکم دیا۔مغرب کی نماز ادا کی۔طبیب خاص نے جَو کے پانی کا پیالہ پیش کیا۔خوب سیر ہو کر پیا۔پھر اتنا پسینہ نکلا کہ لباس تبدیل کرنا پڑا اور عشاء کے وقت سارے دمشق میں صحت کی خبر اُڑ گئی۔شکرانے کی نمازوں سے ایک ایک مسجد بھر گئی۔صبح جب خاندانِ شاہی کی خواتین چلی گئیں اور شاہی طبیب شہزادوں کے ساتھ نبض دیکھنے حاضر ہوا تو آدابِ شاہی کی بجا آوری کے بعد تمام دریچے کھلوا دیئے۔باب الداخلہ پر عیادت کو آئی ہوئی آبادی کا ہجوم



تھا۔دریچوں کا کھلنا دیکھ کر ان کی دعاؤں کا حجم بڑھ گیا۔انتہائی نقاہت کے باوجود شور کا سبب دریافت کیا۔شہزادے خاموش کھڑے رہے۔ملک العادل نے جو چاندی کے تکیے دار تپائی کے مانند ایک کرسی پر بیٹھے سلطان کا ہاتھ دبا رہے تھے عرض کیا۔

''دمشق کے علماء، شرفاء، اور صلحاء عیادتِ سلطانی کو حاضر ہوئے ہیں۔''

سلطان نے سینے سے داہنا ہاتھ اٹھا کر تخت کے قالین پر ڈال دیا اور کمزور نگاہوں سے عادل کو دیکھا اور الفاظ توڑ توڑ کر بولے۔

''ہمیں نیچے لے چلو۔''

سلطانی طبیب سرہانے سے چل کر پائنتی آ گئے اور ہاتھ باندھ کر گزارش کی۔

''نیچے تشریف لے جانا سلطان المسلمین کی صحت کے لئے مضر ہے۔''

جواب ملا۔

''لیکن اخلاق کے لئے مناسب ہے۔''

تھوڑی دیر طبیب اور عادل ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

پھر ایک تکیے دار ایوان لایا گیا۔سلطان دوسروں کی مدد سے اس پر دراز ہو گئے۔غلاموں نے پوری احتیاط کے ساتھ اسے اٹھا لیا۔قبہ سلطانی کی نچلی منزل کے جنوبی دالان میں دیوان لگا دیا گیا۔حریری پردے باندھ دیئے گئے۔سنگین قد آدم کرسی سے باب الداخلہ تک مسلح سوار اس طرح کھڑے ہو گئے کہ آنے والے ایک طرف سے آئیں، نیچے ہی سے دیدار حاصل کر لیں اور دوسری طرف سے چلے جائیں۔جب سب انتظامات مکمل ہو گئے نائب السلطنت نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔سفید، سیاہ، سبز اور دھاری دار کفتانوں، جبّوں، عباؤں، چادروں، عماموں اور ازاروں کا خاموش دریا چڑھ آیا۔سنگِ سیاہ کے قد آدم چبوترے پر زرد ستونوں کے درمیان اور مطلاّ عربی محراب کے نیچے چاندی کا دیوان رکھا تھا۔سلطان اونچے تکیوں سے پشت لگائے دونوں ہاتھ مسند پر ڈالے لیٹے تھے۔کان کے پاس زرد عمامے سے نکلے ہوئے کھچڑی بال چمک رہے تھے۔نیم خفتہ سی آنکھیں خلا میں کچھ ڈھونڈ رہی تھیں۔اونچی ستواں ناک کے نیچے مہین ہونٹ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کانپ اٹھتے، چمپئی رنگ زرد ہو گئی تھی۔نیچے خود ملک العادل کھڑے عیادت کرنے والوں کو پُر جوش بدنظمی کو سنبھالے

Scanned by iqbalmt



ہوئے تھے۔ پھر غفلت طاری ہوگئی۔ داخلہ مسدود کردیا گیا اور حکم ہوا قصرِ دمشق کے تمام میدانوں اور باغوں کے سلسلوں پر پہرہ کھڑا کردیا جائے تاکہ باب الداخلہ تک کسی کی رسائی نہ ہوسکے۔

دوشنبے کی رات کو قصرِ دمشق کے پہلو میں بنی ہوئی مسجد میں مغرب کی نماز پڑھ کر طبیب شاہی اٹھنے لگا تو عادل نے اس کا بازو پکڑ کر بٹھالیا اور دل سوزی سے بولے۔

"مجھے بتاؤ میرے بھائی کا کیا حال ہے؟......اب میرے پیروں کے نیچے کی زمین ہلنے لگی ہے۔"

"عالم الغیب تو صرف ایک ہی ذات ہے نائب السلطنت۔ غلام اپنے علم اور تجربے کی بنا پر صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہے کہ کل تک انشاء اللہ ہوش آئے گا اور اگر کل کا دن ٹل گیا تو عالم اسلام کے سر پر منڈلاتی ہوئی قیامت ٹل گئی۔

"آج کی رات"۔

"کیا......آج کی رات۔"

"آج کی رات بھاری ہے نائب السلطنت۔ مدتوں کی بے انتہا تکان نے جسم کی قوت سلب کرلی ہے۔ جسم دواؤں کا اثر قبول نہیں کرتا۔ دمشق میں موجود تمام بڑے طبیبوں کا غلام نے مشورہ لیا ہے۔ نسخہ میں لکھتا ہوں لیکن تجویز طبی دنیا کے وہ عالم اور عامل کرتے ہیں جن کا ثانی زمین اور آسمان کے درمیان موجود نہیں ہے۔"

قبہ سلطانی کے نیچے میدان میں سپہ سالار تقی الدین سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق کھڑا تھا۔ ان کو دیکھتے ہی آگے بڑھا۔ کفتان کے دامن کو بوسہ دیا اور تن کر کھڑا ہوگیا۔ عادل نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ سیڑھیوں کے محافظ سوار اور پیادے ہٹ گئے۔ تقی الدین نے آہستہ سے کہا۔

"حکم کی تعمیل ہوچکی۔ ممالک محروسہ کے امیروں، والیوں اور سرداروں کو فرامین روانہ کئے جاچکے ہیں کہ سب اپنے اپنے مقام پر موجود رہیں۔ افواج آراستہ رکھیں اور حکم ثانی کا انتظار کریں۔ جو امراء دارالحکومت کی طرف حرکت کر چکے ہیں وہ یہ فرمان دیکھتے ہی



واپس ہوجائیں اور اپنے حدود کے انتظام وانصرام پر گرفت مضبوط رکھیں۔

عادل نے صرف گردن ہلائی اور آگے بڑھنے لگے۔ تقی الدین نے پوچھا۔

"زرفشاں کے کنارے مقیم افواج کے لئے کیا حکم ہے۔"

عادل نے بائیں طرف ایک قدم پیچھے چلتے ہوئے تقی الدین کو گردن گھما کر دیکھا۔

"کمر بندی اور انتظار۔"

پھر یک لخت وہ کھڑے ہوگئے۔ مرمریں راستے کے دونوں طرف زرنگار شمع دانوں کی اَن گنت کافوری شمعوں کی سفید ٹھنڈی روشنی میں تقی الدین نے عادل کی عقابی نگاہ کو دیکھا اور آنکھیں جھکالیں۔

"عرب اور عجم، مصر اور شام، سوڈان اور بربر، کردستان اور ترکمان سب کے نیاموں میں ایک دوسرے کی گردن کے لئے تلواریں تڑپ رہی ہیں۔ ایک سلطان المسلمین کا اقبال انھیں بے نیام ہونے سے باز رکھے ہوئے ہے۔ ان کی علالت کی خبر ساری دنیا میں پہنچ چکی ہے۔ سالہا سال سے بیمار انسان کی سنگین علالت امکانات کے دروازے کھول دیتی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں تقی الدین کہ امراء سازشیں کررہے ہیں، شیوخ منصوبے بنا رہے ہیں، تلواروں پر باڑھ رکھی جارہی ہے اور گھوڑوں پر زین۔ حکم دو کہ اہم مقامات کی سرحدیں بند کردی جائیں۔ شاہراہوں کی نگرانی شدید کردی جائے۔ قلعہ دار ایک ایک لشکری کو سمیٹ کر قلعہ بند ہوجائیں۔ چپے چپے پر جاسوسوں کا جال بچھادیا جائے۔ قلمرو کے ایک ایک قابلِ توجہ آدمی کی نگرانی کی جائے۔ سفیروں اور یرغمالوں میں آئے ہوئے امیروں کی حرکت و عمل پر پابندی عائد کردی جائے۔ امن عامہ میں خلل ڈالنے والوں کی گردن اڑادی جائے...... جاؤ رات چھوٹی ہے اور کام بڑا ہے۔

ابھی وہ سیڑھیوں پر تھے کہ شہزادہ طغرل سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔

"کیا خبر ہے؟"

"مصر کا امیر البحر یہ اطلاع لے کر درِ دولت پر حاضر ہوا ہے کہ توڑ کر بار کئے جانے والے دو سو جنگی جہازوں سے لدے ہوئے خچر آرمینیا کی سرحد کے قریب پہنچ رہے ہیں۔"

عادل نے تھوڑے سے توقف کے بعد فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

Scanned by iqbalmt



"فرمانروائے آرمینیا کو حکم پہنچاؤ کہ قافلے کے قیام کا انتظام اور حکم ثانی کا انتظار کرے۔"

ساری رات حکومت کے اہم دفاتر شمعوں کی مدھم روشنی میں ٹمٹماتے رہے، پرچھائیوں کی طرح انسان آتے جاتے رہے۔ ڈاک کے گھوڑے اور کبوتر زمین و آسمان پر ہوا کے مانند اڑتے رہے۔ برج سلطانی میں خانوادۂ شاہی بیدار رہا، بے قرار رہا۔ اطباء مشورے کرتے رہے، نسخے لکھتے رہے، دوائیں بناتے رہے۔ علماء قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہے، نفلیں پڑھتے رہے اور صحت کی دعائیں مانگتے رہے۔

سورج کی کرن پھوٹتے ہی سلطان نے انگڑائی لی اور آنکھیں کھول دیں۔ تبسم فرمایا جس نے چہرے پر روشنی کر دی۔ بغیر کسی کا سہارا لئے تکیوں پر کہنیاں ٹیک کر نیم دراز ہو گئے، تیمم کیا۔ قضا نماز ادا کی۔ سلام پھیر کر دیکھا تو عادل آداب شاہی ادا کر رہے تھے۔ اپنے پاس بلایا۔ ایک ہاتھ ان کے اور دوسرا شاہزادہ عزیز کے ہاتھ میں دے دیا۔ چاروں طرف سے برستی ہوئی صحت کی مبارکباد پر مسکراتے رہے۔ دوا سے بھرا ہوا لشعب کا پیالہ ان کے دست مبارک میں تھا کہ فرمانروائے کیفا نورالدین محراب کے قریب آکر آداب شاہی ادا کرنے لگا۔ عادل کا اشارہ پا کر وہ ان کے قریب گیا اور عادل کے کان پر منہ رکھ کر سرگوشیاں کرنے لگا۔ عادل کے چہرے پر شکنیں رینگنے لگیں۔ پھر وہ نفی میں گردن ہلا کر سلطان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ سلطان نے عادل سے پوچھا۔

"کیا ہے؟"

عادل نے قدرے تامل کے بعد عرض کیا۔

"روم کا اسقف جو اپنی کراماتوں کی وجہ سے ساری عیسائی دنیا میں مشہور ہے بیت المقدس کی زیارت کرتا ہوا دمشق آیا ہے اور دین پناہ کی حضوری کا خواستگار ہے لیکن طبیب خاص ....."

"قبول کی گئی۔"

عادل اپنا جملہ مکمل کیے بغیر کھڑے ہو گئے۔ طبیب اور عالم ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہے۔



تھوڑی دیر میں شہزادے اور امراء اس طرح اپنے اپنے مرتبے کے مطابق کھڑے ہو گئے کہ دالان نے دربار کی صورت اختیار کر لی۔ خاص برداروں کا ایک پیدل دستہ اپنے زرکار لباس اور جڑاؤ ہتھیار پہنے آیا اور کمان کی طرح دالان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ مملوک شہسواروں کا ایک پہرا مرمریں سیڑھیوں کے دونوں طرف دور تک پھیل گیا۔ باب الداخلہ سے قبہ شاہی تک سنگین راستے پر دونوں طرف سوڈان کے مشہور نیزہ باز قائم ہو گئے۔ پھر ترکمانوں کے جلو میں پادریوں کا ایک گروہ طلوع ہوا۔ سب کے آگے آگے اسقف تھا۔ وہ سیاہ نفیس ریشم کے ٹخنوں تک لمبے چغے پر دباغت کیے ہوئے سرخ چمڑے کی پاپوش پہنے تھا۔ گلے میں بھاری چوبیں صلیب طوق کی مانند پڑی تھی۔ برف کی طرح سفید ریشمیں داڑھی دمشق کی خوشگوار ٹھنڈی ہوا سے لرز رہی تھی۔ دونوں شانوں پر گھنگھریالی کاکلیں پڑی تھیں۔ سفید ابروؤں، سفید پلکوں اور نیم وا روشن آنکھوں پر رہبانیت کا تقدس برس رہا تھا۔ خاص برداروں کی صف سے گزرتے ہی اسقف کی نگاہ سلطان پر پڑی۔ اس نے جوانوں کی سی پھرتی سے سینے پر صلیب بنائی اور بوڑھے گھٹنوں پر کھڑا ہو گیا۔ محراب میں کھڑے ہوئے عادل نے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ ہر چیز کا جائزہ لیتی ہوئی ہوشیار آنکھیں اب صرف بیمار سلطان پر مرکوز تھیں۔ وہ چاندی کے دوگز اونچے ایوان پر تکیوں کے سہارے نیم دراز تھے۔ نصف جسم پر زرد الوان پڑا تھا۔ زرد مخمل کی صدری سے کفتان کا گلوبند نظر آرہا تھا۔ صدری کی چست آستینوں کے تنگ کف مشکی مخمل کے تھے۔ پتلی نوکدار داڑھی کے دونوں کنارے سیاہ تھے۔ طربوش کے نیچے کالے گنجان ابروؤں کے سائے میں نیم خفتہ سی بیمار آنکھوں میں شہنشاہی کا جلال چمک رہا تھا۔ زردی مائل گندمی ستے ہوئے چہرے پر پسینے کے قطرے نظر آرہے تھے۔ مصوروں کے سے خوبصورت ہاتھ پہلوؤں میں پڑے تھے۔ سرہانے کھڑے ہوئے دو حسین غلام بادشاہوں کا لباس پہنے مورچھل ہلا رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا آیا اور ایوان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پھر گردن کو خم دے کر تین بار تعظیم دی۔ عادل نے مرصع کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس نے گھٹنوں تک سر جھکا کر سلام کیا۔ سارا دربار کھڑا تھا۔ وہ بھی کرسی کے تکیے کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ تقریر اور تعلیم کے عادی اسقف نے بولنا شروع کیا۔

"نائبوں کے نائب اور بادشاہوں کے بادشاہ کو سلام کرتا ہوں اور دلی شکر گزاری

Scanned by iqbalmt



کا اظہار کرتا ہوں کہ مزاج شاہی کی ناسازی کے باوجود قدم بوسی کا شرف عطا ہوا۔

''شہنشاہا! ایک مدت سے آرزو تھی کہ دنیا کے اس سب سے بڑے شہنشاہ کا نیاز حاصل کروں جس کے ہاتھوں میں مسیح نے القدس کی حفاظت سونپ دی۔ مغرب میں محلوں سے جھونپڑوں تک جس کے نام کے گیت گائے جاتے ہیں اور افسانے سنائے جاتے ہیں۔''

بوڑھا اسقف تھک گیا تھا۔ سستانے کے لئے رکا اور پھر بولا۔

''دمشق پہنچ کر علم ہوا کہ سلطانِ اعظم علیل ہیں اور بڑے بڑے امیر باریابی کی سعادت سے محروم ہیں۔ میں نے عبادت کی، سلطانِ اعظم کی صحت اور اپنی باریابی کی دعا مانگی۔ خدا کا شکر ہے کہ میں دیدار سے مشرف ہوا یعنی ایک دعا پوری ہوئی اور امید ہے کہ دوسری بھی قبول ہوگی۔''

وہ آسمان کی طرف دونوں بوڑھے لاغر ہاتھ اٹھائے دعا مانگتا رہا۔

''اگر سلطانِ اعظم ساعت فرما سکیں تو ایک گزارش گوش گزار کردوں۔''

''غلام راہب ہے۔ دنیا کی راحتوں اور کلفتوں سے بے نیاز لیکن جب بھی ''القدس'' کی زیارت کو آیا ہوں یورپ کے کسی نہ کسی فرمانروا کے لئے ایک دعا مانگی ہے اور مہدِ مسیح کی برکت کے صدقے میں پوری ہوئی ہے۔ اس بار سفر کی نیت کرتے وقت عہد کیا تھا کہ یروشلم کے رحیم فاتح کے حضور میں حاضری دوں گا۔ اس کی ایک آرزو معلوم کرنے کی استدعا کروں گا اور قبولیت کے لئے مسیح سے رو رو کر دعا مانگوں گا...... اس لئے درخواست ہے کہ سلطانِ اعظم زبانِ مبارک سے ارشاد فرمائیں۔''

اسقف کے اس جملے نے پیشانی مبارک پر شکن ڈال دی۔ دونوں کہنیاں تکیوں پر ٹیک کر بیٹھ گئے۔ بڑے بڑے قاہر بادشاہوں کی فوجوں میں ہلچل ڈال دینے والی آواز بلند ہوئی۔

''بوڑھے اور مسافر اسقف ہمارے دل نے کسی ایسی خواہش کو باریاب نہیں کیا جس کی تکمیل ہمارے حضور سے دست بستہ نہ گزری ہو۔ دنیا نے کوئی نعمت ابھی تک ایسی پیدا نہیں کی جو ہمارے غلاموں کی دسترس سے دور رہ سکی ہو۔ تاہم ان بیمار آنکھوں نے ایک خواب ایسا بھی دیکھا تھا جس کی تعبیر نصیب نہ ہو سکی۔ اس لئے کہ اس کی تعبیر قضا وقدر کے



حکم کی محتاج ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ قضا وقدر کے معاملات خاکی انسانوں کے کوتاہ ہاتھوں سے پرے ہیں۔''

سلطان تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوگئے۔ سارے دربار پر سناٹا چھا گیا۔ سانسوں کی آوازیں اس سکوت میں مخل نہ ہو سکتی تھیں۔ پھر اسی طرح خلا میں گھورتے ہوئے فرمایا۔

''ہم نے چاہا تھا کہ مسجد اقصیٰ کے کلس ہمارے سامنے ہوں۔ محمدی پرچم کا مقدس سایہ ہمارے سر پر ہو، ہمارا کفن ہمارے خون سے گلکار ہو چکا ہو۔ ہم گھوڑے پر سوار سرخ تلوار علم کئے جنگِ سلطانی لڑ رہے ہوں۔ اس گھڑی جس گھڑی ہمارا سپہ سالار ہمیں فتح کی بشارت دے، ہم جان جانِ آفریں کو سپرد کردیں اور شہید کہلائیں۔

''ہوا یہ کہ بیمار کسانوں اور نامراد چرواہوں کی طرح اس بسترِ مرگ پر ایڑیاں رگڑتے ہوئے ہم موت کا انتظار کر رہے ہیں۔

''معلوم نہیں کہ وہ کون سی خطا سرزد ہوئی جس کی پاداش میں اس شخص کو یہ موت دی گئی جو چھبیس برس تک دشمن کی صفوں میں شہادت ڈھونڈتا پھرا ہو۔''

سلطان نے گردن گھمائی۔ اسقف کی مرعوب آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر شاہانہ جلال سے فرمایا۔

''جس یورپ کے پانچ بادشاہوں کی لاکھوں تلواریں ہماری ایک خواہش کو پورا نہ کرسکیں اس کے ایک بوڑھے پادری سے ہم کیا مانگیں۔

''نائب السلطنت۔''

''دین پناہ۔''

''جب تک یہ سلطنتِ ایوبی کی حدود میں ہیں ہمارے مہمان ہیں۔'' اور سلطان نے اپنا داہنا ہاتھ بڑھا دیا۔

رعب سلطانی سے بدحواس اسقف نے دونوں ہاتھوں سے دستِ مبارک کو تھام لیا۔ گھٹنوں پر گر کر بوسہ دیا۔ آنکھیں ملیں اور لرزتی ٹانگوں پر کھڑے ہو کر الٹے قدموں واپس ہونے لگا۔

Scanned by iqbalmt



پھر تنفس کا حجم بڑھ گیا۔ وہ تکان سے نڈھال ہونے لگے۔ عادل دیوان شاہی کی طرف جھکے تو حکم ملا۔

''تلوار ہمارے پہلو میں رکھ دو اور تخلیہ کرو۔''

شاہزادہ عزیز نے دونوں ہاتھوں سے تلوار اٹھا کر داہنے پہلو میں رکھ دی اور الٹے پیروں واپس چلے گئے۔ چشم زدن میں تمام دروں کے مخملیں پردے کھل گئے۔ مشرقی محراب کا پردہ جب کھلنے لگا تو دست مبارک نے منع کر دیا۔ خلوتِ شاہی مکمل ہو گئی۔ صدری کی جیب سے انھوں نے ایلینور کا خط نکالا۔ گردن کا زاویہ بدل کر ہلکے زرد رنگ کے کاغذ کو اپنی آنکھوں کے سامنے کر لیا۔ کمزور جسم کی آنکھوں پر میلی روشنی میں زور پڑا تو دھندلا گئیں۔ الفاظ کی صورتیں بگڑ گئیں۔ انھوں نے ایک ایک لفظ اپنی یادداشت کے سہارے پڑھ لیا۔ کانپتے ہاتھوں سے خط کو اس کے طول سے موڑا۔ تلوار کو بے نیام کیا۔ کاغذ کی لمبی پتلی سی چٹ کو نیام میں ڈال کر تلوار نیام کر دی۔ تالی بجانے کے لئے ہاتھ اٹھائے تو سامنے کا پردہ ہٹا کر ایلینور آ گئی۔ سر سے پاؤں تک بے شکن سیاہ لباس میں ملبوس، ننگے سر اور ننگے پاؤں اور صلیب بنا کر گھٹنوں پر گر گئی۔ سرخ بال سفید ہو گئے تھے۔ نیلی آنکھیں بے نور ہو چکی تھیں۔ چہرہ جھرّیوں سے لبریز تھا۔ ہاتھوں کی سفید کھال نے گوشت کو چھوڑ دیا تھا۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے بیٹھی رہی۔ ان کے دل پر کسی نے تلوار کی انی رکھ دی۔ انھیں یاد آیا۔

وہ ارسوف کی پہاڑیوں پر مقیم اپنی بارگاہ میں بیٹھے صلیبیوں کی پیش قدمی کا انتظار کر رہے تھے۔ قاضی بہاء الدین قراولوں کے پرچے پڑھ رہے تھے اور وہ سامنے رکھے ہوئے نقشے پر دشمن کی نقل و حرکت کے نشانات دیکھ رہے تھے کہ سراپردۂ خاص کے دروازے پر کوئی بوڑھی عورت رونے لگی۔ فریادیں کرنے لگی جیسے پہرے دار اسے روک رہے ہوں اور وہ حضوری کے لئے گڑگڑا رہی ہو۔ وہ مظلوم بڑھاپے کی آہ و فریاد سے بے قرار ہو گئے۔ حکم دیا کہ عورت کو سامنے لایا جائے۔ وہ میلا کچیلا سیاہ لباس پہنے تھی۔ زخمی پیروں سے خون رس رہا تھا۔ شانوں پر میلے کچیلے سن کی موٹی پتلی رسیوں کی طرح بال جھول رہے تھے۔ شدید سردی میں خشک پتے کی طرح کانپ رہی تھی اور آنسوؤں نے اس کے چہرے کو بھگو دیا تھا۔ وہ آتے ہی تخت کے سامنے اوندھی گر پڑی اور رو رو کر رحم کی بھیک مانگنے لگی۔ اشارہ



کیا۔ اسے موٹے کمبلوں میں لپیٹ دیا گیا۔ انگیٹھیوں کے سامنے بٹھایا گیا۔ اونٹ کے گرم گرم دودھ کا پیالہ پیش کیا گیا۔ جب اس کے ہوش بجا ہوئے تو اس نے عرض کیا۔

''شہنشاہا! میرا ایک بیٹا ہے۔ دس ہیں نہ پانچ، دو ہیں نہ چار۔ وہ لوگوں کے بہلانے پھسلانے میں آ کر فوج میں بھرتی ہو گیا اور طبقہ الدادیہ کے سواروں کے ساتھ گرفتار ہو گیا۔''

''کہاں گرفتار ہوا؟''

قاضی بہاء الدین نے پوچھا۔

''عکہ پر، شہنشاہ! عکہ پر گرفتار ہو گیا...... دو برس ہو رہے ہیں کہ چپہ چپہ کونا کونا ڈھونڈتی پھر رہی ہوں! آہ القدس پر رحمت کے بادل کی طرح برسنے والے مجھ بڑھیا پر رحم کر۔ عمر بھر دعائیں دوں گی۔''

اس سے زیادہ وہ نہ سُن سکا۔ ناقابلِ بیان سردی میں اٹھ کھڑا ہوا۔ فرغل پر طربوش پہن لیا اور تلوار اٹھا لی اور بڑھیا کو اپنے ساتھ لے کر خیمے سے نکلا۔ امراء کو طلب کیا۔ قیدیوں کو حاضر کئے جانے کا حکم دیا اور بڑھیا اپنے بیٹے کو دیکھتے ہی چیخ مار کر اس سے لپٹ گئی۔ دونوں کو ایک دن مہمان رکھ کر جوڑے اور گھوڑے عطا کئے۔ سفر خرچ دے کر رخصت کیا۔

''ہم کو اگر کسی عورت کے نصیب پر رشک آیا ہے تو یہی بڑھیا ہے...... بادشاہوں کے بادشاہ۔''

ایلینور نے ان کے کان میں جھک کر عرض کیا۔

انھوں نے تکلیف سے کراہ کر کروٹ لی۔

ایلینور آہستہ آہستہ آئی اور دیوان کے سامنے دو زانو بیٹھ گئی۔

''یوسف! اگر تمہاری تقدیر نے یاوری نہ کی ہوتی اور بادشاہوں کی بادشاہی نصیب نہ ہوئی ہوتی اور تم صلیبیوں کے ہاتھوں غلام ہو گئے ہوتے اور رسیوں میں بندھے جانوروں کی طرح ہمارے حضور میں پیش کئے گئے ہوتے تو مسیح کی قسم ہم تمہارا ایسا استقبال کرتے کہ صدیوں تک تمہارا خاندان تمہارے نام پر فخر کرتا اور ہماری سخاوت کے افسانے سناتا۔ تبنین

Scanned by iqbalmt



کے ہمفری نے تمہاری شان میں جو قصیدے گائے ہیں آج پہلی بار ان کی صحت میں شک پیدا ہوا۔''

''ہم بیمار ہیں ایلینور۔''

''بیمار؟ تم تو کہا کرتے تھے کہ جب ہم جہاد کے لئے گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں تو مرض گردن سے اتر کر ہماری رکاب تھام لیتا ہے۔''

''اگر تم کہو تو رچرڈ کی رہائی کے لئے سفارت روانہ کر دیں۔''

''لیکن ایلینور! ہمیں یقین ہے کہ ہماری سفارت سے پہلے ہماری بیماری کی خبر پہنچ جائے گی اور شکست خوردہ بادشاہ سفیروں کو گرفتار کر لے گا اور اسلامیوں کی ہیبت کو نقصان پہنچے گا۔''

''اسلامیوں کی ذلت کے جھوٹے وہم پر ایک مجبور بوڑھی عورت کے جوان قیدی بیٹے کی جان اور آبرو کو قربان کر دینے والے نائٹ، ایلینور کا سلام لے۔''

اور وہ پردہ اٹھا کر باہر نکل گئی۔ انھوں نے کچھ کہنا چاہا لیکن آواز کو یارانہ رہا۔ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا، آنکھیں بند کر لیں اور حضوری قلب سے دعا مانگی۔

''پروردگار مجھے اس آزمائش سے نجات دے۔ اس امتحان میں سرخرو کر۔''

پھر انھیں محسوس ہوا جیسے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ انھوں نے اپنے پورے جسم کی قوت سمیٹ کر تالی بجائی اور نڈھال ہو کر ہاتھ چھوڑ دیئے اور آنکھیں بند کر لیں۔ حکم کا انتظار کرتے ہوئے قدموں کی آواز سے دالان بھر گیا۔

ڈھلتے ہوئے جاڑوں کی کندنی دھوپ سنگِ سیاہ کے چمکیلے چبوترے پر بچھی تھی جیسے کفتانوں کے زرد اطلس کے بہت سے تھان کھول کر پھیلا دیئے گئے ہوں۔ آخر موسم کے دمشقی گلابوں کی تیز خوشبو ٹھنڈی خوشگوار ہوا کے پہلو سے لگی قبہ شاہی کے سامنے لرز رہی تھی۔ مشرق سے شمال تک پھیلا ہوا آہنی محرابوں کا جنگل شکاری چیتوں، عقابوں، بازوں، شقاروں اور کبوتروں سے بھرا ہوا تھا۔ خدمت گزاروں کا انبوہ سبز عمامے اور قبائیں پہنے امیر شکار کے حکم کا منتظر کھڑا تھا۔

عمارت کے تمام مطلّٰی دروں کے پردے بندھے ہوئے تھے۔ عالموں کے ٹخنوں



تک لمبی قبائیں اور بھاری عماموں کے کمر تک لٹکتے شملے مخملیں پاپوش اور امیروں کے زرکار کفتانوں، زرکار طربوش، کامدار چرمی موزے، مرصع نیاموں اور قبضوں کے آبدار ہتھیار سب خوابوں کی طرح خاموشی سے آ رہے تھے اور سیڑھیوں سے چبوترے کے گوشوں تک اور محرابوں کے قلب تک اپنے اپنے منصب اور مقام کے مطابق ایستادہ ہوتے جاتے تھے۔ افسردہ چہروں، مغموم آنکھوں، لرزتے ہاتھ پیروں پر ایک غم تھا جو مسلّط تھا۔ جب کہیں تل رکھنے کی جگہ رہی اور حواس پر قابو ہوا تو غلاموں کا سہارا لے کر سلطان المسلمین اٹھے اور تکیوں سے پشت لگائی۔ شہزادہ عزیز نے اپنے فراخ سینے سے سر مبارک کو سہارا دیا۔ دربار پر نگاہ کی۔ اپنے ہاتھوں سے پیدا کی ہوئی عظیم الشان سلطنت کے اپنی رکاب میں تربیت کئے ہوئے جلیل الشان امیروں اور وزیروں پر نظر پڑی تو کیسی کیسی یادیں تازہ ہو گئیں۔ کیسے کیسے خونیں معرکے فتح کی مبارک باد دیتے سامنے سے گزر گئے۔ کیسی کیسی یادگار اور تاریخ ساز فتوحات سلام کرنے کو باریاب ہوئیں۔ آستین پر لگے ہوئے زرد رومال سے آنکھیں خشک کیں۔ ازلی گردن فرازوں اور پشتینی مغرور بادشاہوں کو سرنگوں کر ڈالنے والی آواز میں فرمایا۔

''لوگو! ہم نے تم کو طلب کیا اس اعلان کے لئے کہ ہمارے تم پر جو حقوق ہیں وہ معاف ہو گئے۔ اگر ہم پر تمہارے کچھ حقوق باقی ہیں تو ہم تسلیم کرتے ہیں...... اور وصیت کرتے ہیں کہ ہمارے بھائی، بیٹے اور بھتیجے اس شفقت اور محبت کے صلے میں جو ہم نے ہمیشہ ان پر روا رکھی ہے...... ہمارے سامنے یا ہمارے بعد تم کو ادا کر دیں۔

''ہم نے خدا کی رحمت سے ایک سلطنت پیدا کی اور سلطان کہلائے۔ لیکن درحقیقت ہم خدا کی امانت اور تمہاری خدمت کے امین تھے۔ آج یہ امانت اپنے پروردگار کو سونپتے ہیں اور وصیت کرتے ہیں کہ ہم اپنی طرف سے کسی کو اس سلطنت کا وارث قرار نہیں دیتے۔ جس پر تمہیں اتفاق ہو اسے بادشاہ بنا لو۔''

''دین پناہ۔''

ایک دردناک آواز بلند ہوئی۔ ملک العادل نے اپنی کمر سے وہ تلوار کھولی جو سلطان اعظم نے اپنے ہاتھوں سے حطین کی فتح پر باندھی تھی اور سلطان کے قدموں میں رکھ دی اور غلاموں کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوئے اور روتی ہوئی آواز میں بولے۔

Scanned by iqbalmt



''اب میں سلطنتِ ایوبی کا نائب السلطنت نہیں ہوں سلطان المسلمین! اس عظیم المرتبت انسان کا بھائی ہوں جس نے مجھے باپ کی طرح پالا اور بیٹوں کی طرح برتا ہے۔

''دین پناہ! خدا نہ کرے کہ ہماری زندگی میں، ہم پر قیامتِ صغریٰ برپا ہو لیکن اگر لوحِ محفوظ میں یہی مرقوم ہے تو جس طرح عادل نے آپ کی رکاب میں تلوار ہلانے کو زندگی کی سب سے بڑی سعادت جانا ہے، آپ کے علم کی شوکت کے لئے سر ہتھیلی پر رکھ کر دادِ شجاعت دی ہے۔ اسی طرح رب العالمین کی قسم اسی طرح آپ کے جانشین کے لئے ...... شاہزادہ عزیز کے لئے تلوار ہلاتا رہے گا۔ ان کی ایک جنبشِ ابرو پر اپنی اور اپنی اولاد کی جان نچھاور کر دے گا۔''

اور سلطان کے ہاتھ پر اپنی نم آنکھیں رکھ دیں۔ سلطان کا دستِ شفقت ان کے طربوش پر لرزتا رہا۔ آنکھوں سے دو آنسو ڈھلک کر نورانی داڑھی میں کھو گئے۔ حاضرین زمین پر آنکھیں گاڑے تصویروں کی مانند کھڑے تھے۔ ہاتھ ہلا کر قاضی القضاۃ کو اپنے قریب بلایا۔ قدموں میں رکھی ہوئی تلوار کی طرف اشارہ کر کے حکم دیا۔

''یہ دمشق کی حفاظت ہے...... اور صرف عادل کو زیب دیتی ہے۔''

قاضی القضاۃ نے دونوں ہاتھوں سے تلوار اٹھائی۔ ملک العادل سے کھڑے ہونے کی گزارش کی اور تلوار کمر سے باندھ دی۔

''مفتیٔ اعظم! یہ انگشتری نشانِ حکومت ہے۔ جس کا خطبہ پڑھا جائے اسی کے ہاتھ میں پہنا دی جائے۔''

سلطان نے اپنے ہاتھ سے ''جبلِ نور'' سے آراستہ انگوٹھی اتار دی۔ قاضی القضاۃ نے دونوں ہتھیلیوں کی کشتی میں سنبھال لیا اور ہاتھوں کو سینے تک بلند کئے کھڑے رہے۔

''دمشق کا خزانہ...... شاید دنیا کا سب سے بڑا خزانہ ہے، جو ہم پر حرام ہے۔ ہماری ذاتی ملکیت میں سات درہم ہیں جو ہمارے سفرِ آخرت میں کام آئیں گے۔''

''سلطان المسلمین!''

''حطین کی لڑائی میں ہم نے جو کفن پہنا تھا۔ جسے پہن کر ہم بیت المقدس میں داخل ہوئے تھے اسی خون آلود کفن میں، ہم کو دفن کیا جائے کہ اس کی برکت سے قبر کی مصیبت



آسان ہو جائے گی۔

''ہماری تلوار ہماری قبر میں رکھ دی جائے۔

''قیامت کے دن جب خدا مجھ سے حساب مانگے گا تو جواب دوں گا کہ اے پروردگار لوہے کے اس ٹکڑے کے صدقے میں جس نے بیت المقدس فتح کیا اور تیرے محبوب کی امت کے حوالے کر دیا، میرے بے حساب گناہوں سے درگزر کر۔

''یقین ہے کہ اس وسیلے سے بخشش نصیب ہو جائے گی۔

''وصیت ہے کہ جنازے کے ساتھ کوئی بین نہیں کرے گا۔

''کسی خطیب کو تقریر کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

''کسی شاعر کو مرثیہ پڑھنے کا حکم نہ ہوگا۔

''قبر نیچی اور کچی بنائی جائے۔''

ہونٹ کانپ کر رہ گئے اور تکیوں پر سر ڈال دیا۔ طبیب خاص نے لپک کر نبض پر انگلیاں رکھ دیں۔ آنکھیں کھولیں اور صاف الفاظ میں فرمایا۔

''دوا نہیں دعا کرو...... کلامِ الٰہی سناؤ۔''

بنو امیہ اور بنو عباس کے جاہ و جلال سے چشمک کرنے والے شہنشاہ کا آخری دربار کھڑا تھا۔ باب الداخلہ پر سارا دمشق ''محافظ اسلام'' کا دیدار حاصل کرنے کے لئے ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور سینکڑوں ترکمانوں کے نیزوں کی نوک پر ٹھہرا ہوا تھا۔

ملک العادل کے حکم پر مقربین بارگاہ کے علاوہ تمام درباریوں کو قصر کے پچھلے دروازے ''باب الشمس'' سے گزار دیا گیا۔ ایک بار سلطان کی آنکھ کھلی تو دیکھا جیسے سامنے محطان کھڑا ہے۔

''محطان!''

دھندلی دھندلی سوگوار صورت میں سر سے پاؤں تک کاسۂ گدائی بنا ہوا ایک لفظ ایک حکم کی بھیک مانگ رہا ہے۔ ایک حکم جو کتنے ہی ملکوں کو تباہ کر ڈالنے والی لڑائی کے جہنم روشن کر سکتا تھا۔ وہ کمزور نظروں سے اسے دیکھتے رہے۔ پھر ہاتھ کے اشارے سے قریب آنے کا حکم دیا۔ پلکیں جھپکا کر پوری آنکھیں کھول کر دیکھا تو مفتی اعظم سامنے کھڑے تھے اور

Scanned by iqbalmt



تلاوت کر رہے تھے۔ ان کے سر سے بوجھ ٹل گیا اور قرآن پاک کی آیتوں کے دریائے معانی میں ڈوب گئے۔ جب قاضی القضاۃ نے آیت کریمہ کے الفاظ لاالٰـــہ الاّھو ادا کئے تو اپنی زبان سے بھی یہ مبارک الفاظ دوہرائے۔ جب قاضی اعظم نے علیه توکلت پڑھا تو تبسم فرمایا۔ چہرہ یک بیک منور ہو گیا اور جان جانِ آفریں کو سونپ دی۔ (انّاللّٰہِ وانّا الیہِ راجعون)

دفعتاً زمین و آسمان منقلب ہو گئے۔ غلاموں، خواجہ سراؤں، محبوب کردوں، ترکمانوں، منظور نظر سوڈانیوں اور بدوؤں، مقرب بارگاہ شامیوں اور مصریوں اور عزیز از جان مملوکوں کی بے پناہ آہ وزاری کنگرۂ فلک سے ٹکرانے لگی۔ کئی گھڑی دن باقی تھا لیکن سورج سیاہ پوش بادلوں میں منہ چھپا کر پڑ رہا۔ منحوس کڑک اور بھیانک گرج کی زبان میں اعلان تھا کہ آج دنیا پر آسمان سے نازل ہونے والی تمام رحمتیں اٹھالی گئیں۔ صحت کی خبر سے سرورِ دمشق پر سکتہ چھا گیا جیسے کسی بوڑھے باپ کا تاج پوش اقبال مند بیٹا باتیں کرتے کرتے مرجائے اور وہ ہوش و حواس کھودے۔ خود اطبائے شاہی اپنی پوری خنک مزاجی اور آزمودہ کاری کے باوجود صحت سلطانی کو درست خیال کر رہے تھے۔ ان کے علم اور تجربے کے مطابق خطرے کی گھڑی ٹل چکی تھی۔ ان کے نسخے اطمینان بخش نتائج دے رہے تھے۔ وصیت کے لئے طلب کئے ہوئے دربار کو وہ سلطان المسلمین کی انتہائی دین داری اور سیاسی بصیرت پر محمول کر رہے تھے، سلطان کے اچانک آنکھیں بند کر لینے سے بدحواس ہو گئے اور عامیوں کی طرح ایک دوسرے سے رحلت کا سبب دریافت کرنے لگے۔ سارا دمشق گھر میں بند ہو کر بیٹھ رہا۔ ایک ایک مکان اور ایک ایک دکان کے در رحمت کے دروازوں کی طرح بند تھے۔ سڑکوں پر طاعون چل گیا تھا۔ بڑے بڑے امیر جن کے جلوس کے ساتھ دس دس ہزار گھوڑے چلتے تھے اپنے زنان خانوں میں مصلّے بچھائے بیٹھے تھے اور حفظ اماں کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ بغداد، قونیہ اور آرمینیا کے سفیر اور ممالک محروسہ کے نمائندے سیاہ لباس اور خالی نیام پہنے باب الداخلہ کی بیرونی محرابوں میں ننگے سر کھڑے نائب السلطنت کے حکم کا انتظار کر رہے تھے اور فرامین لے جانے والے سیاہ کبوتروں اور سیاہ گھوڑوں کی اڑان ورفتار دیکھ رہے تھے۔

بادشاہ مرتے نہیں۔ جب ایک تھک کر رہ جاتا ہے یا سو جاتا ہے تو دوسرا اس کے



زندہ یا مردہ جسم کو تخت سے گھسیٹ کر پھینک دیتا ہے اور خود قبضہ کر لیتا ہے لیکن جب کوئی ایسا عظیم انسان اس جہان سے اٹھتا ہے جس کی موت سے شفقت، محبت، صداقت، شرافت، سخاوت، علم و فضل اور عدل و انصاف کے ادارے مرجاتے ہیں تو شہر روتے ہیں اور ملک سیاہ پوش ہو جاتے ہیں۔ کھیتوں سے شادابی اور منڈیوں سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ دلوں سے پھوٹنے والی مسرت معدوم ہو جاتی ہے اور نفاق کی فصلوں کو سیراب کرنے والے زہریلے شبہات اور اندیشوں کی آسمان سے بارش ہوتی ہے اور تاریخ کے صفحات اس کی ملّت، اس کی قوم کے کارناموں کے ذکر سے مدت تک، صدیوں تک، قرنوں تک خالی رہتے ہیں۔ صلاح الدین کی موت ایسے ہی ایک انسان کی موت تھی۔ اس موت نے صدیوں کے بعد بازیاب کئے ہوئے اداروں کو قرنوں تک کے لئے کھو دیا۔ چھتنار برگد کے گھنے، ٹھنڈے اور محفوظ سائے میں بیٹھی ہوئی امّت اس زلزلے سے بلبلا اٹھی جس کی ہلچل ایشیا سے یورپ تک یکساں محسوس کی گئی۔

اس وقت جب کہ اندوہ ناک آوازوں سے قصرِ دمشق کے ایوان لرز رہے تھے، آنسوؤں سے زمین نم تھی اور آہوں سے آسمان سیاہ تھا ارا کین سلطنت نے اندر سے ٹوٹے ہوئے نائب السلطنت کو مشورہ دیا کہ سلطان المسلمین کی عاشق رعایا غم سے پاگل ہو چکی ہے اور اس کو تلواروں ہی سے سنبھالا جا سکتا ہے جو آئینِ سیاست کے خلاف ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ قصر شاہی کے خانہ باغ میں آخری رسوم ادا کر دی جائیں۔ عادل نے تامل کے بعد اثبات میں گردن ہلادی۔

اَن گنت انسانوں نے آنسوؤں سے وضو کیا، ہچکیوں سے تکبیریں کہیں اور باب الداخلہ میں رکھے ہوئے جنازے کی نماز پڑھی۔ وسیع و عریض خانہ باغ خوشبودار مشعلوں اور کافوری شمعوں کی سیاہ روشنی سے سیاہ پوش تھا اور پہلی بار مختصر معلوم ہو رہا تھا۔ کہیں کھڑے ہونے کی جگہ نہ تھی۔ جب ملک العادل نے قبر میں میّت اتار دی تب ملک العزیز اُن مملوکوں کی صف سے نکلے جو خاص سلطان المسلمین کی رکاب میں تربیت پائے ہوئے تھے اور جن کی اولاد کے نام یہ شرف لکھا گیا تھا کہ نصف صدی بعد چنگیز کی فاتح عالم فوجوں کو پامال کریں اور قاہر مغلوں کی مغرور گردنوں سے قاہرہ کی گلیاں بھر دیں۔ شاہزادہ افضل کے

Scanned by iqbalmt



دونوں ہاتھوں پر رکھی ہوئی وہ تلوار اٹھائی جو چھبیس برس تک سلطان اعظم کے پہلو سے لگی رہی تھی۔ جس نے چھبیس برس تک اسلامیوں کی حفاظت کی تھی، جس سے ساری دنیا کی عیسائی تلواروں نے پناہ مانگی تھی، جس نے ایک صدی سے کھوئے ہوئے سنگین صحیفے کو بازیاب کیا تھا۔ سادے فولادی ہلالی قبضے کو بوسہ دیا، زرد چمڑے کے نیاز کو ادب سے پکڑا اور آخری زیارت کے لئے علم کر دیا۔ آنسوؤں سے دھندلی آنکھوں کے سامنے کاغذ کی ایک لمبی پتلی چٹ نیام سے گر پڑی۔ ملک العزیز اسی طرح تلوار علم کیئے ہوئے آگے بڑھے اور اس کے آقا کے پہلو میں لٹا دیا۔ کاغذ کا وہ پرزہ جو یورپ کی تاریخ میں ایک نیا باب کھولنے کے لئے دمشق آیا تھا لاعلم قدموں کے نیچے کچل کر مر گیا جیسے قومیں تاریخ کے قدموں سے کچل کر مر جاتی ہیں۔

☆☆☆

اردو ڈائجسٹ کام